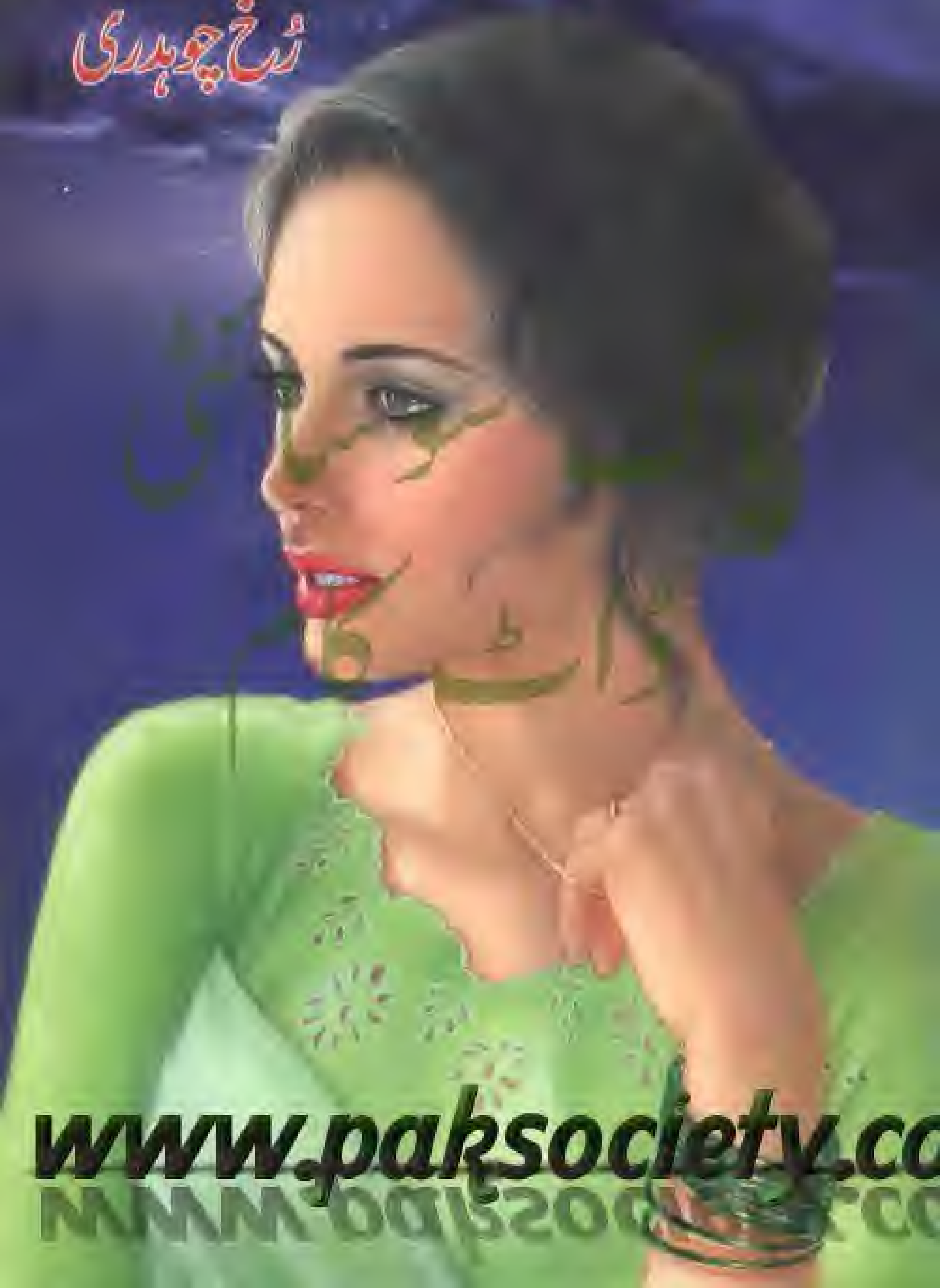
سکوتِ شب کے رتجگے



انتساب:

"ماں نہیں مگر بالکل ماں جیسی
مسز امینہ غنی کے نام
جنہوں نے منہ بولی ماں بن کر
ممتا کا حق ادا کر دیا ہے"

پیش لفظ

"الحمد للہ رب العالمین"

بے حد و بے شمار شکر اس ذاتِ واحد لاشریک کا کہ جس نے مجھ جیسی نا اہل اور بے ہنر کو سرتا پا اتنا نوازا کہ میں ناچیز کسی ایک نعمت کا شکرانہ ادا نہ کر پائی۔ یہ ساری توفیق اللہ کی بخشی ہوئی ہے کہ آج میرا ایک اور ناول "سکوتِ شب کے رت جگے" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ میرا چوتھا ناول ہے۔

میرے اس ناول سے بہت اچھی بھی اور بے حد دُکھ آگیں یادیں وابستہ ہیں۔ اس ناول کی خاص بات یہ ہے کہ یہ "اخبارِ جہاں" میں شائع ہونے والا پہلا ناول تھا۔ اس میں بھی خاص بات کہ "اخبارِ جہاں سے" جب میرے پاس رضیہ فرید کا فون آیا تو انہوں نے بتایا آپ سے ناول لکھوانے کے لئے قمر علی عباسی جو کسی تعارف کے محتاج نہیں نے کہا ہے۔ یہ میرے پروردگار کا کرم اور فضل ہی تو تھا کہ اتنی معتبر شخصیت مجھ جیسی جونیئر رائٹر کے لئے کہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے۔ ان کو یہ بات یقیناً یاد نہیں ہو گی مگر چونکہ میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے لہٰذا ہمیشہ یاد رکھوں گی۔

اس ناول سے ایک بڑی دکھ آگیں اور سلگتی سی یاد بھی وابستہ ہے۔ جن دنوں یہ ناول "اخبارِ جہاں" میں جاری تھا انہی دنوں میرے اکلوتے ماموں جان (مرحوم) کے بیٹے کامران اقبال کی سیالکوٹ شادی تھی۔ میں اس ناول کی وجہ سے نہیں گئی تو انہوں نے بے حد اصرار کے ساتھ فون کیا کہ تم ضرور آؤ۔ ماموں جان مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں آؤں مگر اس ناول کی وجہ سے میں جا نہ سکی کیونکہ اس ناول کی ہر ہفتے قسط لکھتی تھی۔ یہ بات اپنے قارئین سے شیئر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے بعد ماموں جان سے زندگی میں میری ملاقات نہیں ہو سکی جس کا دکھ مجھے ہمیشہ رہے گا۔ مجھے معلوم ہو جاتا تو میں سب کچھ چھوڑ کر اپنے پیارے ماموں سے مل آتی اور آج جو پچھتاوا ہے وہ نہ ہوتا کاش۔

قارئین! اس ناول کے خاص الخاص ہونے کی تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ اپنا یہ ناول میں جس شخصیت کے نام کر رہی ہوں اُن سے میرا براہِ راست خون کا کوئی رشتہ نہیں مگر

پیار، محبت، ایثار، قربانی، خلوص اور دعا کے سارے رشتے اسی ایک شخصیت سے جڑے ہوئے ہیں۔ آج سے پانچ سال قبل 17 ستمبر 2000ء کو جب امی رضائے الٰہی سے ہمیں روتا ہوا چھوڑ گئیں تو ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ ہم سب بہن بھائی اس اندھیرے سے ٹکراتے پھر رہے تھے کہ اسی شخصیت مسز امینہ غنی جو امی کی منہ بولی بہن بن کر بہترین بہن بنیں، امی نے بھی اپنے سارے مرحوم بہن بھائی کی محبت اسی ہستی سے پائی اور جب خود ہمیں چھوڑ گئیں تو آنٹی نے ممتا کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے امی کی طرح دعاؤں کی چادر ہم سب بہن بھائیوں پر ڈال کر اپنی ممتا کی گود میں پناہ دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اصل رشتہ انسانیت کا، خلوص کا، محبت کا ہے۔

آنٹی ہمیں امی کی طرح بے حد عزیز اور پیاری ہیں۔ ان کے لئے بہت کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے مگر پیاری آنٹی ہمیں خدمت کا موقع نہیں دیتیں۔ چنانچہ میں ان چند سطور کے ذریعے ان کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے صرف اتنا کہوں گی کہ آنٹی جیسے لوگ چراغ ہوتے ہیں جو روشن ہوں تو جگ روشن ہو جائے۔ پھول کی مانند ہوتے ہیں، مہکیں تو فضا مہک جائے۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ پیاری آنٹی نے جس طرح امی سے بہن ہونے کا حق ادا کیا، زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی جس محبت کا ثبوت دیا ہے، اتنے قرآن پاک اور دیگر پاک کلام کے تحائف جو آنٹی ان کو بھیجتی ہیں تو اس کے بدلے میں دن رات بھی ہم ان کی خدمت کریں تو حق ادا نہیں ہوتا۔ یہ تو فقط ناول ہے، میں تو اپنی زندگی ان کے نام کر دوں جنہوں نے امی کے بعد ہمیں اپنی ممتا کی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ یہ ان کی دعائیں ہیں اللہ کے فضل و کرم کے بعد کہ میں اتنی کامیاب ہوں، صاحب کتاب ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری ماں جیسی آنٹی کو زندگی اور صحتِ کاملہ عطا فرمائے جن کی زندگی کا ہر پل اللہ کی عبادت میں اور اللہ کے بندوں کی خدمت میں گزرتا ہے۔

قارئین! میں مزید آپ کے اور ناول کے درمیان حائل نہیں رہنا چاہتی۔ آپ کی تعریف و تنقید میرے لئے بے حد معتبر اور اہم ہے۔ اپنی آراء سے بذریعہ بھائی محمد علی قریشی آگاہ کیجئے گا کہ ناول کیسا لگا۔ اللہ آپ سب کو خوش و آباد رکھے۔ آمین۔

رُخ چوہدری

”ابا جی...... وہ......“

شفاعت علی نے رک کر کمرے میں موجود ابا جی، تایا جی، تائی اور اپنی ماں کو دیکھا جو ہمیشہ کی طرح آج بھی خاموش تماشائی کی طرح چپ کی مہر ہونٹوں پر لگائے خوف زدہ نگاہوں سے سب کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں، بیٹے کی ان کہی باتیں جانتی تھیں۔

”جو کہنا ہے کہہ بھی چکو۔ ہمیں اور بھی معاملے دیکھنے ہوتے ہیں۔“

تایا جی کی آواز پر شفاعت نے پھر قوتیں جمع کرنا شروع کیں۔ بات ہی ایسی تھی کہ گھر کے در و دیوار ہلنے کا اندیشہ تھا۔

”بات یہ ہے تایا جی کہ میں ذکیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔“

”کیا...... کیا...... تم ذکیہ سے شادی نہیں کر سکتے؟“

شفاعت علی کے الفاظ تھے کہ دھماکہ سے عمارت لرز گئی۔ ماں نے دل تھام لیا۔ ان کو ایسی ہی کسی بات کا اندیشہ تھا...... تائی ماں نے ماتھا پیٹ لیا۔ جو خود تو بے اولاد تھیں مگر اپنے بھائی کی بیٹی ذکیہ کو انہوں نے ارمانوں سے پالا تھا جن کی بچپن ہی میں شفاعت علی سے منگنی کر دی گئی تھی۔ کیسے کیسے خواب نہیں دیکھے تھے انہوں نے شفاعت اور ذکیہ کی شادی کے جو آج دھماکے سے بکھر کر رہ گئے۔ تایا جی اور ابا جی کی رگوں میں خون کھولنے لگا۔

”ہائے میری قسمت...... کیا خواب دیکھے تھے...... ان کی شادی کروں گی، یہ کروں گی، وہ کروں گی۔“ تائی ماں نے تو باقاعدہ بین شروع کر دیئے۔ سکینہ بیگم بس

بے بسی سے ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"اوہو...... تم تو چپ کرو۔ بات ابھی پوری نہیں ہوئی اور تم نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ لڑکے سے بات تو کرنے دو...... ہاں بھئی اب بتاؤ۔ یہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟" تایا جی نے پہلے تو بیوی کو جھڑکا پھر شفاعت علی کی جانب آ گئے جو سر جھکائے مثل مجرم کھڑے تھے۔

"گستاخی معاف تایا جی...... میں ذکیہ سے کسی صورت شادی نہیں کر سکتا۔" شفاعت علی نے سوچ لیا تھا کہ جب اوکھلی میں سر دے دیا ہے تو پھر موسلوں سے گھبرانے سے کیا حاصل۔ جو کہنا ہے کہہ دینا ہی زیادہ اچھا ہے۔

"اوہو...... پر کیوں نہیں کر سکتے؟ کچھ احساس بھی ہے وہ تیری ٹھکرے کی مانگ ہے۔ ارے غیرت والے تو جان دے دیتے ہیں مگر ٹھکرے کی مانگ نہیں چھوڑتے۔" ابا جی کا بس چلتا تو شاید اس گستاخی پر اسے شوٹ کر دیتے۔ وہ دھاڑے تو کمرے کے در و دیوار ایک بار پھر لرز گئے۔

"ابا جی! شادی کوئی دو دن کا کھیل تو ہوتا نہیں، کھیلا اور ختم ہو گیا۔ یہ تو عمر بھر کا نباہ ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے خیالات میں ہم آہنگی اور سوچ میں مطابقت نہ ہو تو زندگی ناخوشگوار گزرتی ہے...... اور دوسری بات یہ کہ میں بچپن میں طے کیے گئے رشتوں کا قائل نہیں۔ پھر شادی کے سلسلے میں لڑکے لڑکی کی رضامندی بھی اسلام میں ضروری ہے اور جب آپ نے ہمارا رشتہ طے کیا تھا نہ میں ہوش میں تھا اور نہ ہی ذکیہ۔ اس لئے اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے تو مزید خرابیوں سے بچا جا سکتا ہے۔"

شفاعت علی نے نہایت متانت کے ساتھ پُر اعتماد لہجے میں دلائل کے ساتھ اپنی بات بزرگوں تک پہنچائی تو ان کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

"اچھا...... اب تُو ہمیں لیکچر دے گا، سمجھائے گا کہ ہمیں زندگی کیسے گزارنی چاہئے، فیصلے کیسے کرنے چاہئیں...... بچپن کی مانگ تیرے لئے اہمیت نہیں رکھتی......

سجاد علی! سنبھالے اپنے لڑکے کو۔ اعلانیہ میری لڑکی سے انکار کر رہا ہے۔ ایسی باتوں پر تو گردنیں اتر جایا کرتی ہیں۔ سمجھا اسے۔ ذکیہ میری اپنی اولاد نہیں، پر اولاد سے بڑھ کر ہے۔ کوئی اس کی بے عزتی کرے یہ میں ہرگز گوارا نہیں کروں گا۔"

تایا جی نے چھڑی پکڑی۔ شفاعت علی کو کچھ دیر خونخوار نظروں سے دیکھتے رہے پھر سجاد علی کو تنبیہ کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اسی کیفیت میں تائی ماں بھی اٹھیں، کھا جانے والی نظروں سے سکینہ بیگم کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے، تاہم منہ سے کچھ نہ بولیں اور باہر نکل گئیں۔

"ہاں اب بتاؤ...... کیا بھوت سوار ہے تمہارے سر پر...... ذکیہ تمہاری منگیتر ہے اور تمہیں اسی سے شادی کرنا پڑے گی۔ ہمارے خاندان میں اب تک یوں ہی ہوا ہے۔ گھر کی لڑکی سے شادی ہر حال میں کرنا پڑتی ہے...... آخر ذات برادری، ریت رواج بھی کوئی چیز ہیں کہ نہیں۔" ابا جی ان کے جانے کے بعد دوبارہ شروع ہو گئے۔

"ابا جی یہیں پر تو ہم غلط ہیں۔ یہ ریت رواج، ذات برادری کچھ بھی نہیں۔ اصل چیز تو انسان اور اس کی خوشیاں ہیں۔ آپ لوگوں نے ہمیشہ ایسا کیا ہے تو بتائیں کس کی شادی خوشگوار گزر رہی ہے؟ مرد اپنی سوچ اپنی پسند کے لئے باہر دیکھتے رہتے ہیں اور عورتیں حویلیوں میں مقید ان کے نام پر جیتی ہیں۔ ابا جی یہ زیادتی ہے۔ کم از کم میں تو اس زیادتی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

شفاعت علی نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر دیا تو سجاد علی آپے سے باہر ہو گئے۔

"شفاعت علی......" ان کا ہاتھ جوان بیٹے پر اٹھا۔ وہ بھی امریکہ سے ڈگری یافتہ قابل جوان بیٹے پر۔ اماں تڑپ کر درمیان میں آ گئیں۔ آخر وہ کہاں تک برداشت کرتیں۔

"بھاڑ میں جائیں ریت رواج، ذات برادری اور ذکیہ جس کی وجہ سے آپ میرے اکلوتے بیٹے پر ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔ شفاعت بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ مجھے خود

ذکیہ پسند نہیں۔ بھینس کی بھینس کو کھانے پینے اور زیورات سے فرصت نہیں ملتی۔ وہ میرے سوہنے بیٹے کے ساتھ ہرگز نہیں جچتی۔"

ماں زندگی میں پہلی بار بیٹے کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہوئیں تو بیٹے کا حوصلہ مزید بلند ہوگیا۔ مگر باپ کے خون میں اتنے ہی ابال اٹھنے لگے۔

"تُو درمیان سے ہٹ جا سکینہ...... یہ تیرے ہی لاڈ پیار کا نتیجہ ہے کہ صاحب زادے کے مزاج نہیں ملتے۔ یا پھر میری خطا ہے کہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیج دیا۔ پر مجھے کیا خبر تھی یہ آ کر میری ہی جڑیں کاٹے گا۔" ابا جی کا مارے غصے کے برا حال تھا۔ شفاعت علی اپنے آپ کو تو بے بس محسوس کر رہے تھے، اپنی ہی طرح بے بس ماں کو دیکھا پھر باپ کی طرف بڑھے۔

"ابا جی آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ نے مجھے اعلیٰ تعلیم دلوا کر کوئی غلط کام نہیں کیا۔ علم تو وہ روشنی ہے ابا جی جو جہالت کی تیرگی کو مٹا ڈالتی ہے...... یہ اسی علم، اسی تعلیم کا اعجاز ہی تو ہے کہ اس نے مجھے احساس دلایا ہے کہ میں اور ذکیہ خوشگوار زندگی نہیں گزار سکتے۔ اگر میں بھی علم کے نور کی بجائے جہالت کے اندھیرے میں ہوتا تو شادی تو کر لیتا ذکیہ سے مگر پھر دوسرے مردوں کی طرح تانک جھانک میں لگا رہتا۔ یہ تو غلط رویہ ہے زندگی کے ساتھ۔ انسانیت کے ساتھ۔ عورت کے ساتھ...... ابا جی یہ زیادتی کرنے کی بجائے ذکیہ کا رشتہ اس کے چاچا کے بیٹے مراد سے کیوں نہیں کر دیتے؟ میں جانتا ہوں وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"بکواس بند کرو شفاعت علی...... شرم نہیں آتی اپنی منگ کے بارے میں ایسی الٹی سیدھی بات کرتے ہوئے۔ وہ صرف تمہاری منگیتر ہی نہیں تایا کی بیٹی بھی ہے...... لے پالک سہی مگر انہوں نے سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے اسے۔ سیدھی طرح مان جاؤ ورنہ مجھے اپنی بات منوانے کے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔"

سجاد علی اپنے روایتی پن پر اتر آئے تو شفاعت علی نے گہرا سانس لیا۔ چہرے پر

مصمم ارادے کی سختی آ گئی۔

"ابا جی! آپ طریقہ کوئی بھی اختیار کریں مگر میں ذکیہ سے شادی نہیں کروں گا۔" ان کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ انہوں نے کہا اور باہر نکل گئے۔ سجاد علی، سکینہ بیگم کی جانب مڑے۔ غصے سے سرخ آنکھیں اور چہرہ لئے وہ پھٹے پڑ رہے تھے۔

"دیکھ رہی ہو کس طرح بزرگوں کی پگڑیاں اچھال رہا ہے اور تمہارا سکون دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے...... کان کھول کر سن لو، اس کی شادی ذکیہ سے ہی ہوگی۔ اگر کسی اور کا خیال ہے دل میں تو نکال باہر کرے ورنہ......"

"باپ ہمیشہ دماغ سے سوچتا ہے جبکہ اولاد کے معاملے دل سے سوچنے کے ہوتے ہیں سجاد علی۔" سکینہ بیگم بڑی دانش مند خاتون تھیں۔ صورت حال سمجھ کر بول رہی تھیں۔

"کوئی جگہ نہیں میرے دل میں ایسی اولاد کے لئے جو میرا سر جھکا دے۔ اسے سمجھا دو میں ذکیہ کے رشتے سے انکار کر کے نہ تو اس کی بے شمار جاگیر چھوڑ سکتا ہوں اور نہ بھائی جی کی ناراضگی مول لے سکتا ہوں۔"

"یہ دولت، جاگیر، ریت، رواج ہمیشہ انسان کو دکھ دیتے ہیں۔ یہ جان لینے کے بعد آپ لوگ ان کو چاہتے ہیں تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے...... آپ خفا نہ ہوں، میں شفاعت علی کو سمجھاؤں گی۔ سمجھ جائے گا۔ آخر ذکیہ میں کمی کیا ہے؟"

سر سے پاؤں تک شوہر کے خیالات سے مخالفت رکھنے کے باوجود وہ ان کی ہم خیال ہو رہی تھیں تو یہ ابلتے ہوئے پانی میں برف ڈالنے والی بات تھی۔



شفاعت علی کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جہاں زن، زر اور زمین پر گردنیں اڑا دی جاتی تھیں۔ ریت رواجوں پر خوشیوں کی سودے بازی ہوتی تھی۔ بزرگ بس فیصلے کر دیا کرتے تھے۔ ان کے فیصلوں کی زد میں آ کر کون کون ٹوٹ گیا، کس کے

خواب چکنا چور ہوئے اس کی کسی کو کب پرواہ ہوتی تھی۔ شفاعت علی پر اب یہ ذمہ داری دہری ہو گئی تھی کہ وہ دو بھائیوں کی اکلوتی اولاد تھے، ان کے تایا جی بے اولاد تھے۔ انہوں نے تائی ماں کی چھوٹی بہن کی بیٹی ذکیہ کو گود لے لیا تھا۔ جب وہ چھ ماہ کی تھی اور شفاعت علی دو سال کے تھے تو بڑوں نے دونوں کو زندگی کا ہم سفر بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت کس کو خبر تھی کہ ایک مقدس بندھن میں بندھ جانے والے یہ دو معصوم جب بڑے ہوں گے تو ایک دوسرے کو جیون ساتھی کی حیثیت سے قبول کر پائیں گے یا نہیں۔

علم کے زیور سے بے نیاز سونے کے زیورات میں لدی رہنے والی ذکیہ کو اپنی طرح کا اپنا کزن مراد پسند تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر مرتے تھے جبکہ شفاعت علی کی زندگی میں آمنہ محمود اپنی سوچ کی بلندی اور کردار کے وقار کے ساتھ داخل ہو چکی تھی۔

آمنہ سرکاری آفیسر کی بیٹی تھی۔ نجانے زندگی کے کس موڑ پر دونوں ٹکرائے تھے اور ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو گئے تو بزرگوں کی روایات دیوار بن گئیں۔ وہ اپنے تایا جی کو بھی اچھی طرح جانتے تھے جو بے اولاد تھے اسی لئے شاید ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا اور تائی ماں تو پوری شراکت داری کرتی تھیں۔ ذرا سی بات کو ہوا میں ریت کی طرح اچھالتی تھیں اور ان کی ماں سدا کی بے بس تھیں۔

''اماں جان میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، ابا جی اور تایا جی کیوں نہیں سمجھتے، یہ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ میں اور ذکیہ روتے بسورتے زندگی بسر کریں؟ ہم خوش نہیں رہ سکتے اماں جان!''

وہ اپنی دوست اور ہمدرد ماں کی گود میں سر رکھے کہہ رہے تھے۔ کیونکہ وہ مستقل سوچ کر تھکن محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کو فرار کی کوئی جائز راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

''یہ چھوڑ، یہ بتا وہ شہزادی کون ہے، کیسی ہے جسے میرے شہزادے نے پسند کیا ہے؟''

ماں کی ممتا کا بس چلتا تو دنیا جہان کی خوشیاں بیٹے کے سامنے ڈھیر کر دیتی۔ تب شفاعت نے آمنہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تو وہ آہ بھر کر رہ گئیں۔

''کاش ایسا ہو سکتا کہ میں تمہاری پسند کو اس حویلی کی عزت بنا کر لا سکتی مگر بیٹا ذکیہ سے شادی تمہاری مجبوری ہے۔ یہ تو تمہیں ہر حال میں کرنا پڑے گی۔''

سکینہ بیگم شوہر اور جیٹھ کی سفاکی کو جانتی تھیں اس لئے چاہتی تھیں کہ بیٹے کو ممتا کی لوری سنا کر اس کے جذبوں کو صبر کی نیند سلا دیں۔

''اماں جان خدا کے واسطے آپ تو ایسی باتیں نہ کریں...... کم از کم میں منافقت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ یہ دل کسی اور کی چاہت سے آباد ہو اور گھر...... نہیں اماں جان میں ذکیہ سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ آمنہ سے شادی نہ ہو تو کوئی قیامت نہیں آئے گی لیکن ذکیہ سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔'' شفاعت علی نے ماں کو بھی جواب دے دیا۔

گو کہ ان کو اعتراض تو نہیں تھا مگر وہ جانتی تھیں اگر شفاعت علی نے باپ اور تایا کی بات نہ مانی تو وہ کچھ بھی کر گزریں گے۔ اور یہی سوچ کر وہ سر تا پا لرز گئیں۔



''بھائی جی آپ نے بلایا تھا مجھے؟''

سجاد علی بھائی کے کمرے میں مؤدب کھڑے پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے ایک تیز نگاہ چھوٹے بھائی پر ڈالی، حقہ کی نال ایک طرف رکھی اور ہاتھ سجاد کی طرف بڑھایا۔

''آ بیٹھ سجاد علی! یہ دیکھ میں نے اپنی تمام جاگیر ذکیہ اور شفاعت علی کے نام کر دی ہے۔ اور میرا کون ہے جس کے لئے میں نے یہ سنبھال کر رکھنی ہے۔ یہ دیکھ، آج ہی وکیل کاغذات مکمل کر کے لایا ہے۔''

بھائی جی نے فائل سجاد علی کے ہاتھوں میں دے دی جو ورق گردانی کرتے ہوئے شرمندہ ہو رہے تھے کہ اپنے بیٹے کی نالائقی کی وجہ سے ان کو یہ دن دیکھنا پڑ رہا

ہے۔

"ہائے ہائے کیا کیا خواب دیکھے تھے، دونوں کی شادی ہوگی، حویلی میں رونق ہوگی۔ مگر سارے خواب ہی......" تائی ماں الگ دکھی نظر آ رہی تھی۔ سجاد علی کو دکھ ہونے لگا۔

"آہ...... بے اولاد بھی کوئی نہ ہو ہاجرہ بی بی۔ دل پر پتھر باندھ لو۔ ہمیں تو قدرت نے اولاد جیسی نعمت نہیں دی تو پرائی اولاد پر کیسا مان بھروسہ؟"

دونوں سجاد علی پر جذباتی حملے کر رہے تھے اور اس میں کامیاب بھی رہے تھے۔

"آپ دونوں دکھی کیوں ہو رہے ہیں؟ شفاعت علی آپ ہی کا تو بیٹا ہے۔"

"ہاں، اپنا بیٹا ہوتا تو زبردستی پکڑ کر نکاح کر دیتے۔ اس کی مجال نہ ہوتی ناں کرنے کی۔"

بھائی جی نے دکھی لہجہ بناتے ہوئے کہا اور حقہ کی نال منہ سے لگا لی۔

"اوہو...... تو دیر کس بات کی ہے بھائی جی! زبردستی پکڑیں شفاعت علی کو اور کریں ذکیہ سے نکاح۔ بھاگ کر جائے گا کہاں...... گھوڑا جب آپے سے باہر ہونے لگے تو لگام ڈالنا ہی پڑتی ہے۔ زبردستی ہی سہی۔"

"تو تمہیں نکاح پر اعتراض تو نہیں......؟"

تیر جا کے نشانے پر لگا تھا اور بھائی جی خاصے مطمئن نظر آنے لگے تھے۔ ہاجرہ بیگم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھرنے لگی تھی۔

"لو بھائی جی اعتراض کس بات کا...... بسم اللہ کریں۔"

"لڑکے کی ماں سے رضامندی لے لو......" ہاجرہ بیگم نے منہ بگاڑا۔

"او بھابھی جی اس بے زبان کو کیا اعتراض ہونا ہے...... اس نے تو خود کہا تھا کہ میں شفاعت علی کو ذکیہ کے ساتھ شادی کے لئے تیار کرلوں گی۔"

"بس، بس...... رہنے دو سجاد علی یہ ڈھکوسلے۔ یہ سارا بگاڑ خیر سے سکینہ ہی کا پیدا کردہ ہے۔ وہ شروع ہی سے میری ذکیہ کو پسند نہیں کرتی۔ بھلا کمی کیا ہے میری

شہزادی میں۔"

"کوئی کمی نہیں بھابھی جی...... آپ فکر نہ کریں۔ اس معاملے میں اول تو وہ کچھ نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو میں اس کا بھی پتہ صاف کر دوں گا۔ ذکیہ ہماری عزت اور غیرت ہے۔ آپ نکاح کی تیاریاں کریں۔"

سجاد علی نے فائلیں دوبارہ بھائی جی کی طرف بڑھائیں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو فاتحانہ انداز میں دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"اچھا بھئی...... دیکھ لیتے ہیں کیا کر لیتے ہو تم...... کیسے مناتے ہو اپنے اڑیل بیٹے اور اس کی ماں کو......"

بھائی جی کے انداز میں چیلنج تھا۔

سجاد علی نے مڑ کر ان کو دیکھا اور کچھ بولے بغیر باہر نکل گئے۔



"نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا...... تُو نے درست نہیں سنا۔ کوئی اور بات ہوگی۔"

نکاح کی بات اور کسی کے کانوں تک جاتی یا نہ جاتی مگر ذکیہ کی ذاتی ملازم نسرین کے کانوں تک پہنچ کر ذکیہ کے دل میں آگ لگا گئی تھی۔

"قسم بی بی...... چھوٹے میاں جی کہہ رہے تھے آپ تیاری کریں بھائی جی، میں شفاعت علی کو اور اس کی ماں کو سمجھا لوں گا۔" نسرین نے اپنی بات کی سچائی کے لئے قسم کھالی۔ ذکیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ کب ایسا چاہتی تھی۔

"اب کیا ہوگا نسرین! مراد تو مر جائے گا۔ اگر میرا نکاح شفاعت سے ہوگا تو ادھر میں کچھ کھا لوں گی اور...... اور ادھر وہ کھا لے گا۔ نسرین، بول کچھ، میں کیا کروں؟"

ذکیہ روہانسی ہو رہی تھی۔ پریشانی سے اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔ مراد کی محبت اس کی زندگی بن چکی تھی۔ اسے بچپن ہی سے بتایا جاتا رہا تھا کہ شفاعت علی کی منگ ہے مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جو اپنے چاچا کے بیٹے مراد کے لئے دھڑکنے لگا تھا۔

"میں کیا بتاؤں بی بی...... بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں جی...... وہاں تو نکاح کی بات پکی ہو چکی ہے۔ میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی جی کہ نہ تو آپ تیار ہو نہ ہی شفاعت باؤ تیار ہیں شادی کے لئے۔ پھر......"

"یہ جو زمین کی محبت ہوتی ہے ناں نسرین، انسان کی محبتوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔ مربعوں کے لئے انسان کے خون کو بہایا جاتا ہے اور ملتی کتنی ہے، جسے میں کتنی آتی ہے فقط دو گز...... اس دو گز کی فکر نہیں کرتے یہ لوگ جو ان کا حصہ ہے، جس میں رہنا ہے۔ اس کے لئے لڑتے مرتے ہیں جس سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہوتا۔ تمہیں خبر ہے میرے ماں باپ نے بھی اسی لالچ میں مجھے ان بے اولاد امی ابا کے حوالے کر دیا تھا تاکہ ابا جی کی جو بے شمار جائیداد ہے وہ میرے نام لگے اور ابا جی اور سیانے بنے، جائیداد میں اضافے کی خاطر میری منگنی شفاعت علی سے کر ڈالی۔ بھلا میرا شفاعت کا کیا جوڑ۔ کہاں وہ باہر کا پڑھا لکھا اور کہاں میں جاہل اجڈ...... اور نہ بھی ہوتی تو مراد کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ دیکھ لوں گی میں سب کو۔ میں خود ابا جی سے بات کروں گی۔ کوئی زبردستی کر کے تو دیکھے میرے ساتھ...... میں اپنے اور مراد کے درمیان آنے والی ہر دیوار کو گرا دوں گی...... بس تُو ایک کام کر......" ذکیہ نے بڑی تیزی سے سوچا تھا اور فیصلہ کر لیا تھا۔

"آپ حکم کریں بی بی...... میں کیا کر سکتی ہوں۔ خدمت گزار ہوں۔" نسرین تابعداری سے کھڑی ہو گئی۔

"بس تُو آج ہی مراد سے مل۔ بتانا کچھ نہیں۔ بس کہنا کہ میں نے بلایا ہے۔ آج رات حویلی کی پچھلی طرف گیارہ بجے میں اس کا انتظار کروں گی۔ چل جا اب جلدی......"

ذکیہ اسے ہدایات دے کر ٹہلنے لگی۔ الٹے سیدھے خیالات آ رہے تھے۔ نسرین جاتے جاتے پلٹی۔

"اب کیا ہوا ہے......؟"

"ٹھنڈ بہت ہو رہی ہے بی بی...... آتش دان میں کوئلے ڈال دوں؟"

"رہنے دے نسرین! اس وقت خود میرے اندر آگ بھڑک رہی ہے۔ مجھ پر ایسی ٹھنڈ کا اثر نہیں ہو گا۔ بس تُو مراد کو خبر کر دے۔"

نسرین کے جانے کے بعد ذکیہ ٹہلتی رہی۔ بارہا جی میں آیا کہ خود جا کر شفاعت سے بات کرے مگر پھر یہ سوچ کر کہ وہ بھی تو بے بس ہے میری طرح، وہ بیٹھ گئی اور رات کا انتظار کرنے لگی۔



حویلی کے بالا خانے میں آج کل سرد اور خاموش جنگ جاری تھی۔ کبھی کبھی کسی دھماکے کی آواز آ جاتی۔ لگتا تھا حویلی میں شفاعت علی اور ذکیہ کی شادی کے علاوہ اور کچھ رہا ہی نہ ہو۔ سجاد علی ہر حال میں شفاعت علی کا نکاح ذکیہ سے کرنے پر بضد تھے۔

"ابا جی! میں نے ادب لحاظ اور فرمانبرداری کے دائرے میں رہ کر عرض کر دیا ہے کہ میں ذکیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے انتہائی ضبط کے ساتھ ابا جی کی جارحیت کا جواب دیا۔

"کیوں...... کیوں نہیں کر سکتے...... کیا عیب، کیا کمی، خرابی ہے ذکیہ میں......؟" ابا جی پھر دھاڑے۔

"ابا جی! یہ میں نے کب کہا ہے کہ خدانخواستہ ذکیہ میں کوئی کمی ہے۔ بس میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں آمنہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

پہلی بار اس نے آمنہ کا نام ابا جی کے سامنے لیا۔ وہ خونخوار نظروں سے اسے گھورنے لگے۔

"تم کسی آمنہ سے شادی نہیں کر سکتے۔ نجانے کس کو پسند کر لیا ہے، نہ ذات نہ برادری اور......"

"گستاخی معاف ابا جی، یہ آپ ہی لوگ ہیں کہ ذات برادری کے جنگل میں

راستہ بھول گئے ہیں ورنہ انسان اچھے یا برے ہوتے ہیں۔ ہماری سوچوں کی اونچی یا نیچی ذات ہوتی ہے...... ویسے آپ کی اطلاع کے لئے آمنہ بہت اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے والد سرکاری آفیسر ہیں۔ آمنہ کالج میں پڑھاتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

بڑے ادب اور سکون سے شفاعت علی نے اپنی فائل ابا جی کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی مگر وہ کسی بھی بات سے متاثر نظر نہیں آ رہے تھے۔

"کالج میں پڑھاتے پڑھاتے تمہیں بھی عشق کا سبق پڑھا دیا اس نے۔ میں خوب جانتا ہوں اس قسم کی شہری عورتوں کو......"

"پلیز ابا جی...... عورت قابل احترام ہوتی ہے۔ چاہے ہمارے گھر کی ہو یا کسی دوسرے گھر کی۔" شفاعت علی یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی بھی شخص آمنہ کی توہین کرے خواہ اس کے والد ہی کیوں نہ ہوں۔

"اچھا بس...... بس، کچھ بھی کر لو۔ میں نے اور بھائی جی نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارا اور ذکیہ کا نکاح کر دیا جائے گا۔ اگر تم سیدھی طرح نہیں مانو گے تو......" ابا جی نے دھمکی والا انداز اختیار کیا تو شفاعت علی بھی مقابلے کے لئے تن کر کھڑے ہو گئے۔ سکینہ بیگم ہول گئیں۔ باپ بیٹا مقابل آن کھڑے ہوں تو بیوی اور ماں کے لئے انتخاب مشکل ہو جاتا ہے۔

"شفاعت بیٹا......" وہ بیٹے ہی کو روک سکیں۔

"اماں جان، ابا جی نے جو تعلیم مجھے دلوائی ہے یہ اسی علم کا فیضان ہے کہ میں اس طرح ان کی جارحیت کا جواب دے رہا ہوں...... اگر ان کی جہالت کی تربیت میں ہوتا تو شاید میں ابا جی سے کسی اور ہی طرح بات کرتا۔"

"دیکھ رہی ہو اپنے بیٹے کو، باپ کے مقابل آ رہا ہے۔" ابا جی نے شکایتی انداز میں بیوی کو دیکھا جو ایک نظر بیٹے کو اور ایک نظر شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"ابا جی میں ایسی گستاخی نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر آپ نے حملے میں پہل کی تو

دفاع کا حق تو میں بھی رکھتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو جیت میری ہو گی۔" شفاعت علی کی آنکھوں میں فاتحانہ سی چمک تھی۔ ابا جی نے ان کو گھورا پھر سکینہ بیگم کی جانب پلٹ گئے۔

"سمجھا لو بیٹے کو، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے سمجھیں تم۔ بعد میں نہ کہنا۔ میں آن کے سامنے جان کی پرواہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"سمجھا لوں گی...... آپ جائیں۔" سکینہ بیگم نے ملائمت بھرے لہجے میں کہا تو سجاد علی شفاعت علی کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔ سکینہ بیگم پھر بیٹے کی طرف مڑیں۔

"بیٹا! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہارے اور ذکیہ کے نکاح سے پہلے تمہارا اور آمنہ کا نکاح ہو جائے؟"

"اماں جان ہو تو سکتا ہے مگر اس کے والد بھی خاندانی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک میرے گھر والے یعنی آپ اور ابا جی خود رشتہ لینے نہیں آئیں گے تب تک وہ رشتہ نہیں دیں گے۔ اور یہاں تو کہانی ہی اور ہے اماں جان...... کبھی کبھی تو میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔" شفاعت علی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"ماں صدقے، اتنا پریشان کیوں ہوتا ہے، مجھے لے کر چل۔ میں خود بات کروں گی آمنہ کے والد سے۔" ماں بیٹے کی تکلیف پر تڑپ اٹھیں۔

"اماں جان وہ پھر بھی نہیں مانیں گے۔ میں ہر طرح کی بات کر چکا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ متنازعہ رشتہ ہے اور وہ اپنی نازوں پلی بیٹی کو ایسے گھر میں نہیں بیاہ سکتے۔ ہاں اگر ابا جی بھی جائیں اور راضی خوشی بات کریں تو ان کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ خود بھی مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔"

"یہ تو بڑی کڑی شرط ہے۔ تمہارے ابا جی تو اپنے بھائی جی کے دیوانے ہیں۔ اور بھائی جی کو ذکیہ کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا...... اور یہ ذکیہ کیا اس رشتے پر راضی ہے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ چپ کیوں ہے۔"

"وہ لڑکی ہے اماں جان...... مجھے جب اس طرح مجبور کیا جا رہا ہے تو لڑکی تو ہر اعتبار سے مجبور ہوتی ہے۔ اسے بھی آن ناک کی بھینٹ چڑھنے پر مجبور کیا جا رہا ہو گا۔ ورنہ میں جانتا ہوں وہ اور مراد ایک دوسرے کو بے حد پسند کرتے ہیں...... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں ہماری مرضی کی زندگی کیوں نہیں گزارنے دی جاتی۔ آخر کیا چاہتے ہیں یہ ابا جی اور تایا جی...... اور وہ تائی ماں مجھے دیکھتے ہی ان کے ماتھے کے تیور بدل جاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو مراد ان کا اپنا رشتے دار ہے۔"

"بس بیٹا...... سارے کھیل جاگیر کے لئے کھیلے جاتے ہیں۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ تمہاری ماں زندہ ہے ابھی۔ اپنے رب عظیم سے تیری خوشیاں مانگوں گی۔ اب سو جا، کافی رات ہو گئی ہے۔" سکینہ بیگم نے شفاعت علی کی پیشانی پر پیار کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔



جاڑے کی رات سرد اور طویل ہوتی ہے۔ گو اس وقت رات زیادہ نہیں گزری تھی، صرف گیارہ ہی بجے تھے مگر لگتا تھا دو تین بجے کا وقت ہو۔ حویلی میں مکمل سناٹا تھا۔ سب اپنے اپنے کمرے میں بستروں میں دبکے ہوئے تھے مگر دو چاہنے والے جن کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی تھیں اس سرد رات میں بھی بے قرار تھے۔

"میں کیا کروں مراد...... خدا کی قسم میں مر جاؤں گی مگر شفاعت علی سے نکاح نہیں کروں گی۔" ذکیہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھی مستقل روئے جا رہی تھی اور مراد بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مت روؤ میرے سامنے ذکیہ...... تمہارے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں تو دل زخم زخم ہو جاتا ہے۔"

"روؤں نہ تو اور کیا کروں مراد...... مجھے فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا...... تم سے جدائی وہ بھی عمر بھر کی...... نہیں مراد یہ تو میں کبھی گوارا نہیں کروں گی۔" روتے روتے ذکیہ کی ہچکی بندھ گئی۔

"پھر بتاؤ...... میں کیا کروں۔ جو میں کہتا ہوں تم مانتی کب ہو...... گاؤں کے مولوی جی ہمارا نکاح پڑھانے کو تیار ہیں۔ گواہوں کی کمی نہیں...... جو فیصلہ کرنا ہے کر لو ذکیہ...... ہمارے پاس اب سوچنے کا وقت نہیں۔ نجانے کب یہ لوگ ہمیں جدائی کے زندان میں ڈال دیں۔ سوچ لو...... پھر وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ پچھتاوے کی خاک اڑاتے رہ جائیں گے ہم دونوں۔"

سنسناتے سناٹے میں اس سرد فضا میں دونوں سوچ رہے تھے۔ حالات و واقعات نے ان کو کوئی بھی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے مراد...... میں تمہارے ساتھ آتی ہوں...... آندھی آئے یا طوفان۔ کہو تو ابھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ......" ذکیہ اپنی محبت میں سب کچھ داؤ پر لگاتی کھڑی ہو گئی۔ ساتھ ہی مراد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو ہم پہلے منور کے گھر جائیں گے۔ وہی مولوی جی کو لے آئے گا۔ اور جب ہمارا نکاح ہو جائے گا تو قیامت خیز طوفان تو آئے گا مگر نکاح پر نکاح تو نہیں ہو سکے گا ناں...... چلو آؤ۔"

دونوں چور قدموں سے بڑے گیٹ کی طرف بڑھے۔ چوکیدار بھی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا تھا۔ گیٹ کی لائٹ بھی بجھی ہوئی تھی۔ مراد جب گیٹ کھولنے لگا تو ایک دم گیٹ لائٹ جل پڑی...... ذکیہ کی چیخ نکل گئی۔ مراد بھی اپنی جگہ سن سا ہو گیا۔

"شفا...... شفاعت علی آپ......؟" ذکیہ کا حلق خشک ہو گیا۔ ندامت سے نظریں جھک گئیں۔ مراد بھی چور بنا کھڑا تھا۔ شفاعت علی جو گھبرا کر اپنے کمرے سے باہر آئے تھے آوازوں کے تعاقب میں ادھر آ نکلے۔ اب باری باری ان دونوں کو خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"خواہشات کی تکمیل کے لئے اگر جائز طریقوں کی بجائے غلط طریقے استعمال کئے جائیں، چور دروازے سے مستقبل کی بستی میں داخل ہوا جائے تو کبھی بھی انسان

کو سچی اور حقیقی خوشیاں نہیں ملتیں۔" شفاعت علی نے نادم سے مراد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ مزید شرمندہ ہوگیا۔

"میں شرمندہ ہوں شفاعت! مگر کوئی اور طریقہ بھی تو نہیں۔" مراد کے لہجے میں ندامت کے ساتھ مجبوری بھی تھی۔

"کیوں نہیں ہے طریقہ...... دیکھو ہم تینوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ تم دونوں سمجھدار ہو، صاحب عقل ہو، بالغ ہو...... تم نکاح چھپ کر کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اعلانیہ کرو...... ذکیہ تم میرے ساتھ نکاح سے انکار کر کے مراد کے ساتھ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہو۔ پھر خاموش کیوں ہو، بولو سامنے آؤ۔"

"ابا جی گردن اُڑا دیں گے۔"

"گردن عزیز ہے کہ محبت......؟" شفاعت علی اس کی طرف بڑھے تو وہ مراد کو دیکھنے لگی۔

"گردن اگر میری ہوتی تو کس کو پرواہ تھی شفاعت علی! ابا جی مجھے کچھ نہیں کہیں گے مگر مراد کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"یار شفاعت یہ زیادتی ہے کہ نہیں...... کہاں کا انصاف ہے کہ دو انسانوں کو ان کی مرضی اور خوشی کے بغیر جینے پر مجبور کیا جائے...... ہمیں مرضی سے جینے کا حق کیوں نہیں دیتے یہ ہمارے بزرگ......؟"

"حق کو بہادری، دلیری سے مانگو۔ یوں چوری چھپے ان بیچارے بزرگوں کے شملے نہ خاک میں ملاؤ جن کو اونچا رکھنے کے لئے بعض اوقات یہ لوگ انسانیت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔"

"پھر کیا کیا جائے یار شفاعت! ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔"

مراد اور ذکیہ پُر امید نظروں سے شفاعت علی کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ ابھی کوئی جادو کا چراغ رگڑ کر مسئلہ حل کر دے گا۔

"اس کیا اور کیوں کے جنگل میں تو میں بھی بھٹک رہا ہوں یار مراد...... مگر کوئی

راستہ ایسا نظر نہیں آتا کہ ان کے شملے بھی بچ جائیں اور ہماری زندگیاں بھی برباد نہ ہوں۔"

پھر کتنی دیر تینوں اسی سرد فضا کے سکوت کا حصہ بنے رہے۔

"ویسے ایک مشورہ ہے تو سہی میرے پاس۔"

"ہاں...... ہاں......ضرور......" مراد اور ذکیہ ایک ساتھ بولے۔

"دیکھو میرے اور ذکیہ کے نکاح کو وقتی طور پر ٹالنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ میں اماں جان کو طبی معائنے کے لئے شہر لے جاؤں اور وہاں اماں جان آمنہ کے والد صاحب سے بات بھی کر لیں گی۔ اور ادھر بھی معاملہ ٹھنڈا رہے گا۔ یہ ایسا بہانہ ہے کہ نہ تو ابا جی کچھ کر سکیں گے اور نہ ہی تایا جی کو اعتراض ہوگا۔ اس دوران دیکھنا اللہ بہتر کرے گا۔"

مشورہ اتنا اچھا اور جاندار تھا کہ ان دونوں کو بھی بے حد پسند آیا۔

"بالکل ٹھیک...... ہمیں منظور ہے۔"

"اچھا تو پھر تب تک تم دونوں نے احتیاط برتنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مراد نظروں میں آ جائے۔"

اور یوں بوکھلائے ہوئے پریشان تین چاہنے والے نئی امید کے سہارے اپنی اپنی راہ ہو لئے۔"



"قسم سے اپنی آنکھوں سے تینوں کو دیکھا اور کانوں سے باتیں سنی ہیں۔"

تایا جی کا خاص ملازم رفیق اپنی کارکردگی کو ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ قسم کھایا کرتا تھا۔ اس کی باتیں سن کر تایا جی کی گرفت چھڑی پر مزید مضبوط ہوگئی۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"سن لئے اپنی لاڈلی کے کرتوت...... ہم اس کے لئے کیا سوچ بیٹھے تھے اور وہ......"

"اوہو تو کون سی قیامت آ گئی ہے۔ بچی ہے، مراد اس کے چاچا کا لڑکا ہے۔ پسند آ گیا ہو گا۔ مگر یہ تو دیکھیں کہ آپ کے بھائی کا بیٹا تو مسلسل نکاح سے انکار کر رہا ہے مگر میری ذکیہ نے ایک بار بھی سامنے آن کر نکاح سے انکار نہیں کیا۔" ہاجرہ بیگم اترائیں تو شجاعت علی کو غصہ آ گیا۔

"ہاں سامنے آ کر انکار نہیں کیا مگر چھپ کر اس مراد سے نکاح پڑھانے چلی تھی۔"

"اوہو چھوڑیں جی...... وہ میری بیٹی ہے۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔ آپ مراد کے ساتھ جو چاہیں سلوک کر لیں مگر اپنی چھوٹی بھاوج کا کیا کرنا ہے جو علاج کے بہانے بہو دیکھنے جا رہی ہے؟" ہاجرہ بیگم نے ذکیہ کو شوہر کے عتاب سے یوں نکال لیا گویا دودھ میں سے مکھی اور ان کا دھیان مراد اور شفاعت علی کی طرف کر دیا تھا۔

"سوچ لیا ہے...... سکینہ اور شفاعت علی کا علاج بھی سوچ لیا ہے اور اس کی بیماری کو بھی سمجھ گیا ہوں...... اور رفیق! پُل کی مرمت ہو رہی ہے یا نہیں...... ابھی ٹھیک تو نہیں ہوا ناں......؟"

شجاعت علی نے بڑے معنی خیز انداز میں رفیق کو دیکھا جو ان کی ہر نظر کا مطلب آسانی سے سمجھ جایا کرتا تھا۔ شانے پر پڑا اپنا کپڑا اتارا، ہاتھ صاف کیے اور پھر شانے پر ڈال لیا۔

"نہیں جی...... ابھی مرمت ہو رہی ہے۔"

"ہاں تو پھر وہاں سے گاڑیاں الٹ بھی جایا کرتی ہیں ناں......" شجاعت علی نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔



"یہ ایکا ایکی تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی شہر جانے کی......" سجاد علی اچانک ہی بیوی اور بیٹے کی شہر روانگی کو سمجھ نہ پائے۔

"بتایا تو تھا کہ چیک اپ کرانا ہے۔" سکینہ بیگم نظریں چرا گئیں۔ زندگی میں پہلی بار شوہر سے جھوٹ بول رہی تھیں۔ مگر وہ ممتا کے ہاتھوں مجبور تھیں۔

"کیا بیماری لاحق ہو گئی ہے تمہیں؟" سجاد علی نے مشکوک نظروں سے گھورا۔

"وہ تو ڈاکٹری معائنے کے بعد ہی پتہ چل سکے گا ابا جان کہ اماں جان کو کیا ہوا ہے۔ اماں جان آپ تیار ہیں ناں......؟" شفاعت علی نے بھی باپ سے نظریں چرا لیں تو وہ ان کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"اور شہر پہنچتے ہی فون کر دینا خیریت سے پہنچنے کا......" جب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ رہے تھے تو سجاد علی نے کہا۔

"جی بہتر...... خدا حافظ......!"

پھر سجاد علی گاڑی کو دور تک جاتے دیکھتے رہے۔ ان کا دل بھی کہیں نہیں لگا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئے اور جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی اور کھلی تو فون کی گھنٹی پر......

"ہیلو......" وہ ابھی بھی نیند میں تھے۔

"ہاں...... ہاں...... بول رہا ہوں...... کیا...... کیا گاڑی پُل سے الٹ گئی؟"

شفاعت علی اور ہاجرہ بیگم کے ایکسیڈنٹ کی خبر سے حویلی میں کہرام مچ گیا۔ سجاد علی دل تھام کر کسی بھی ناگہانی خبر کے لئے خود کو تیار کر رہے تھے۔ دونوں ماں بیٹے کو

شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا جہاں سکینہ بیگم جانبر نہ ہو سکیں۔ آخری سانس میں انہوں نے بے ہوش پڑے اپنے خوابوں کی تعبیر شفاعت کو دیکھا پھر کم ہوتی زندگی کی روشنی میں شوہر کو دیکھا۔ ٹوٹے لفظ مُردہ لہجے میں ڈھل گئے۔

"سجا...... سجاد...... علی...... میر...... میرے بیٹے کے ساتھ زیادتی نہ کرنا...... اس...... اس کو اپنی زندگی جینے دینا...... اپنی پسند...... پسند......"

سکینہ بیگم کی اس ناگہانی موت پر سب سے بلند چیخیں ہاجرا بیگم کی تھیں۔ وہ بین کر کر کے رو رہی تھیں۔ سجاد علی کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ ساکن پلکوں سے سب کچھ ہوتا دیکھ رہے تھے۔ شفاعت علی ابھی بھی بے ہوش تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اپنی سب سے مہربان ہستی ماں کو کھو چکے ہیں۔ شجاعت علی سجاد علی کی حالت کی وجہ سے خاصے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! میرے بھائی کو دیکھیں جی۔"

"اچانک شاک سے اعصاب متاثر ہوئے ہیں شجاعت علی صاحب...... دیکھیں بیٹا ہوش میں آجائے تو جذباتی نہ ہونا...... یہ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"ہمارا بیٹا تو ٹھیک ہو جائے گا ناں جی ڈاکٹر صاحب! یہی ہمارا وارث اور ہمارا نشان رہ گیا ہے...... اسے ہوش میں لائیں ڈاکٹر صاحب! ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں بچے گا اگر اسے کچھ ہو گیا تو......"

شجاعت علی بے حد پریشان ظاہر کر رہے تھے خود کو۔

"ہائے میرا بچہ...... ڈاکٹر صاحب کچھ کریں جی...... ایک موت کے بعد ہی ہم ٹوٹ گئے ہیں۔ جوان بیٹے کو کچھ ہو گیا تو میں تو خودکشی کر لوں گی۔" ہاجرہ بیگم نے ماتھا پیٹ لیا۔

"بی بی حوصلے سے کام لیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کریں۔ موت سے ہم لڑ تو سکتے ہیں بچ نہیں سکتے۔ بہرحال شفاعت علی کی حالت اتنی خطرناک نہیں۔ ویسے حادثہ ہوا کیسے؟"

ڈاکٹر نے سجاد علی کو چیک کرتے ہوئے یوں ہی پوچھا تو رفیق ایک دم باہر نکل گیا۔ شجاعت علی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ گلا صاف کیا اور اطمینان سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگے۔

"ہونا کیسے تھا جی...... وہ...... جی...... بس...... موت کسی نہ کسی بہانے سے آن دبوچتی ہے۔ ہمارے گاؤں کا پُل بن رہا ہے...... اکثر گاڑیاں وہاں حادثے کا شکار ہو جاتی ہیں۔"

شجاعت علی نے پُل اور حادثے کی نوعیت کو معمولی انداز میں بیان کیا تو ڈاکٹر صاحب نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئے۔

"میں آپ کے گاؤں اکثر جاتا رہتا ہوں شجاعت صاحب! آپ کی حویلی میں آپ ہی کے چیک اپ کے لئے کئی بار گیا ہوں۔ پُل تو کافی خطرناک ہے...... مگر اس کا متبادل راستہ موجود ہے۔ پھر آپ کے ڈرائیور نے پُل پر سے گزرنا ہی کیوں پسند کیا؟ وہ کسی دوسرے راستے سے بھی تو جا سکتا تھا۔"

ڈاکٹر صاحب کا انداز اور نظریں تفتیشی تھیں۔ شجاعت علی کھڑے ہو گئے۔ چہرے پر جلال آ گیا۔

"آپ اپنے کام سے کام رکھیں ڈاکٹر صاحب! آپ کا کیا خیال ہے کہ میرے ڈرائیور نے جان کر......"

"معاف کیجئے گا میرا کوئی بھی خیال نہیں۔ میں خود ان چکروں میں پڑنا نہیں چاہتا...... نواز! سکینہ بیگم کی لاش کو سرد خانے میں لے جاؤ۔"

ڈاکٹر صاحب نے اکتا کر پہلے شجاعت علی کو جواب دیا پھر نواز کو بلایا تاکہ سکینہ بیگم کی لاش کو سرد خانے میں رکھا جا سکے۔ ان کی یہ بات شجاعت علی کو غصہ دلا گئی۔

"ڈاکٹر صاحب! جب لاش کے وارث موجود ہیں تو پھر آپ اسے......"

"ٹھیک ہے صاحب...... لے جائیں لاش کو۔ باقی کی کارروائی آپ آفس جا کر پوری کر لیں۔" ڈاکٹر صاحب نے اکتا کر ان سے پیچھا چھڑایا اور آگے بڑھ گئے تو

شجاعت علی ہاجرہ بیگم کی طرف مڑے۔

"یہ رونا دھونا بند کرو اور لاش کو گاؤں لے جا کر کفن دفن کا بندوبست کرو۔ میں شفاعت اور سجاد کے پاس ہوں۔ بڑی گاڑی اور ڈرائیور باہر موجود ہے۔ اور سنو احتیاط سے ہر کام کرنا ہے۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں جی......" سکینہ بیگم نے کہا۔

یہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا یا کرایا گیا تھا، وہ دونوں ماں بیٹا موت کے منہ تک چلے گئے مگر ڈرائیور رفیق کو خراش تک نہیں آئی۔ کیوں اور کیسے؟ مگر کون تھا جو اس بارے میں سوچتا، تفتیش کرتا۔ سکینہ بیگم کے دونوں وارث ہوش خرد کی دنیا سے دور تھے۔ پھر یہ سوالات کون اٹھاتا۔ کون اس گتھی کو سلجھاتا۔ کتنے دکھ اور ستم کی بات تھی کہ سکینہ بیگم کے جنازے کو نہ شوہر اور نہ ہی بیٹے کے کندھوں کا سہارا ملا۔ وہ انجانے لوگوں کے کندھوں پر سفر کر کے قبر کی گہرائیوں میں اتر گئیں۔



"میں کہاں ہوں...... یہ کون سی جگہ ہے......؟"

چوتھے روز جب شفاعت علی ذرا ہوش میں آئے تو خود کو ہاسپٹل میں دیکھ کر حیران پریشان ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے خاموش کھڑے شجاعت علی اور اجڑے ہوئے باپ کو دیکھا۔

"ابا جی...... یہ سب کیا ہے...... میں ہاسپٹل میں کیوں ہوں......؟ اماں جان کہاں ہیں؟ ہم دونوں تو شہر جا رہے تھے۔ اماں جان میرے قریب بیٹھی تھیں...... اور کہہ رہی تھیں رفیق دیکھ کر، سنبھل کر، آہستہ...... اوہ نو...... رفیق بریک لگاؤ...... حادثہ نہ ہو جائے...... نہیں......" شفاعت علی کی نگاہوں میں وہی منظر گھوم گیا۔ وہ خود کلامی کرنے لگے۔ رفیق کی حرکتیں، ماں کا منع کرنا پھر ایک زوردار دھماکہ......

"اوہ نو...... نہیں ابا جی...... میری اماں جان کہاں ہیں تایا جی......" انہوں نے نظریں جھکائے تایا جی کو دیکھا۔ ابا جی کی تو یہ حالت تھی کہ وہ نہ سن رہے تھے نہ سمجھ

رہے تھے۔ تایا جی نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے اسٹیتھسکوپ لگایا اور شفاعت علی کا چیک اپ کرنے لگے۔ مگر شفاعت علی برقی انداز میں پیچھے ہٹے۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ڈاکٹر۔ میری ماں کہاں ہیں؟ یہ آپ سب خاموش کیوں ہیں؟ میری ماں میری معمولی تکلیف پر تڑپ جایا کرتی تھیں۔ اب میں زخم زخم ہوں اور وہ...... یہ رفیق کو بلائیں تایا جی...... اسے پتہ ہو گا اماں کا...... کہاں ہے رفیق...... اسے بلائیں تایا جی......" شفاعت علی بے حد جذباتی ہو رہے تھے۔ ہذیانی کیفیت میں چلانے سے زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔

"صبر سے کام لو بیٹے......" تایا نے آگے بڑھ کر بھتیجے کو ساتھ لگایا تو شفاعت علی کو لگا جیسے قیامت ہی تو آ گئی ہو۔"

"کیا کروں...... صبر کروں...... کیوں میری ماں کہاں ہے...... ابا جی! آپ چپ کیوں ہیں؟ توڑیں یہ چپ کا قفل...... بتائیں میری ماں کہاں ہے؟"

شفاعت علی نے باپ کو ہذیانی انداز میں جھنجھوڑ ڈالا۔ شفاعت علی پاگل سے ہو گئے تھے۔ انہوں نے چیخ چیخ کر ہسپتال کو اکٹھا کر لیا تھا۔ ڈاکٹرز شفاعت علی کی حالت کی وجہ سے پریشان ہو کر سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ابا جی...... میری ماں مر گئی...... میری ماں مر گئی...... میرے لئے دعائیں کرنے والی زبان بند ہو گئی...... ابا جی میری ماں......"

باپ بیٹے کا مشترکہ درد جاگ اٹھا تو سجاد علی کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔ اور پھر ہسپتال کے در و دیوار اور درد دل رکھنے والے حساس دل اس جگر خراش منظر کو دیکھ کر رو پڑے۔

"صبر سے کام لو پتر...... موت سے بھی کوئی لڑ سکا ہے...... ایسا ہوتا تو میں سکینہ کے لئے ساری دولت جاگیر داؤ پر لگا دیتا اور اس کی زندگی خرید لیتا۔" تایا جی نے آگے بڑھ کر شفاعت علی کو گلے لگایا تو وہ جو بچوں کی طرح بلک بلک کر مچل مچل کر رو رہے تھے، تایا جی کی آواز پر پلٹ کر مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔

"واقعی تایا جی...... آپ واقعی ہمارے اتنے ہمدرد ہیں......؟" آنکھیں بھیگی، لہجہ شاکی۔ تایا جی کو غصہ آ گیا۔ وہ ایک طرح سے میدان میں کھڑے تھے اور شفاعت علی ایسی بات کر رہے تھے۔

"ہوش میں آؤ شفاعت علی پتر! ابھی تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔ ڈاکٹر! میرے بیٹے کو کوئی آرام کی دوا دیں۔" تایا جی نے گھبرا کر ڈاکٹر کی جانب دیکھا۔ ڈاکٹر کی نگاہیں خود مشکوک تھیں۔

"آرام سکون تو میرا میری ماں کے ساتھ تھا تایا جی جو ماں کے ساتھ ہی دفن ہو چکا۔ اب تو دیوانگی رہ گئی ہے، جنون رہ گیا ہے تایا جی...... میں بات کی تہہ تک پہنچ گیا ہوں تایا جی...... میں...... میں......"

شدت غم اور انتقام کی آگ نے شفاعت علی کو توڑ کر رکھ دیا۔ سارا منظر ان کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ رفیق کی حرکتیں بے حد مشکوک تھیں اس روز۔ پھر بھی اس نے کیوں ایسا کیا...... یہی وہ جاننا چاہتے تھے۔

"سجاد علی! چلو گاؤں چلو۔ ڈاکٹر صاحب! ہمارا بیٹا شدید صدمے کی وجہ سے الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔ آپ اس کو سکون کی دوا دیں یا انجکشن لگائیں۔ دیکھیں اس کے زخموں سے خون رسنے لگا ہے۔"

شجاعت علی نے سجاد علی کو گلے لگا کر الگ کیا اور ڈاکٹر کو ہدایات جاری کرنے لگے۔ ڈاکٹر نے گہرا سانس لیا اور شجاعت علی کو دیکھنے لگے۔

"شجاعت علی صاحب! میں اپنے مریض کی ذہنی اور جذباتی حالت اور کیفیت سے پوری طرح واقف ہوں۔ آپ کی ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے یہ میں بہتر جانتا ہوں...... بہتر یہی ہو گا کہ ایسی صورت حال میں آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

ڈاکٹر صاحب کو بھی شک ہونے لگا تھا کہ شفاعت علی کی باتوں کا کوئی مطلب ضرور ہے۔

"ٹھیک ہے...... چلو سجاد علی! ہم چلتے ہیں۔" شجاعت علی نے پھر سجاد علی کو اٹھایا مگر وہ خوفزدہ بچے کی طرح پیچھے ہٹ گئے۔

"نہیں...... نہیں بھائی جی! میں نہیں جاؤں گا...... میں ہرگز نہیں جاؤں گا اپنے بیٹے کو چھوڑ کر۔ میری سکینہ میرے دکھ سکھ کی بے زبان ساتھی مر گئی بھائی...... میں بیٹا نہیں جانے دوں گا...... نہیں جانے دوں گا...... میرے اللہ! میرے بیٹے کو زندگی دے...... زندگی دے......" سجاد علی شفاعت علی سے لپٹ کر پھر رونے لگے۔ انہوں نے بیٹے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"اوہو سجاد علی! وہ تو بچہ ہے...... اس کی ماں تھی۔ تم چلو گاؤں۔ وہاں سارا گاؤں تم سے افسوس کرنے کو بے تاب ہے۔ تمہارے اپنے پرائے تمہارا دکھ بانٹنے کو بے چین ہیں...... چلو اٹھو شاباش۔"

"نہیں تایا جی...... ابا جی آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے...... آپ...... آپ ان کو بھی مار دیں گے۔"

شفاعت علی نے باپ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ شجاعت کے غصے کی بھٹی تپ چکی تھی۔ وہ تو غنیمت تھا کمرہ خالی تھا سوائے ڈاکٹر اور دو لڑکوں کے کوئی نہیں تھا۔ ان کی شخصیت مشکوک ہو رہی تھی۔

"پتر شفاعت علی! تمہیں کچھ اندازہ نہیں کہ تم پاگل پن میں کیا کہہ رہے ہو...... ان شکوک کی زد میں خاندان آ سکتا ہے اور......"

"پاگل پن تو تایا جی ابھی میں نے دکھایا ہی نہیں۔" شفاعت علی! جنونی انداز میں تایا جی کی طرف بڑھے۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹے۔

"لڑکے کو سنبھال سجاد علی!" ان کی آواز میں خوف زدہ سی گھبراہٹ تھی۔ ڈاکٹر اور لڑکے شفاعت علی کی طرف بڑھے۔ شفاعت تایا جی کی طرف خونخوار انداز میں بڑھ رہے تھے۔

"تایا جی...... رفیق کہاں ہے......؟ رفیق کہاں ہے تایا جی......؟"

"وہ...... گاؤں میں ہوگا پتر...... پر اس کا قصور کیا ہے؟" تایا جی لرز گئے۔

"تایا جی! رفیق گاؤں میں نہیں ہے۔ مجھے بتائیں کہاں ہے وہ......؟" شدید صدمے سے شفاعت علی کے حواس معطل ہو چکے تھے۔ وہ ہر قیمت پر رفیق چاہتے تھے۔

"تمہاری قسم پتر! وہ گاؤں میں ہے...... حویلی میں ہے۔" تایا جی نے اپنا گریبان ان کے ہاتھوں سے چھڑایا۔

"ٹھیک ہے تایا جی...... اب رفیق نہیں یا میں نہیں۔"

"شفاعت پتر...... شفاعت علی......" سجاد علی پیچھے بھاگے مگر شفاعت علی تمام رکاوٹیں توڑ کر بھاگ گئے۔



شجاعت علی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حالات یوں بھی بے لگام گھوڑے کی طرح ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے اور وہ بے بس ہو جائیں گے۔ سجاد علی مجبور و بے بس تماشا دیکھ رہے تھے۔ شفاعت علی دیوانے ہو گئے تھے۔ وہ جو اتنے تعلیم یافتہ تھے، مہذب تھے، امریکہ سے پڑھ کر آئے تھے۔ روایتی جھگڑوں اور عداوتوں کے سخت خلاف تھے، ان کو تو اپنے ابا جی اور تایا جی کی سیاست سے بھی چڑ تھی۔ وہ جو پاؤں کے نیچے آ جانے والی چیونٹی کے لئے بھی افسردہ رہتے وہ اپنی ماں کے صدمے میں پاگل ہو گئے اور انہوں نے رفیق کا مار مار کر حشر کر دیا۔

"قسم سے چھوٹے باؤ! میں تو......" رفیق گھگھیا رہا تھا۔

"جھوٹی قسمیں مت کھا رفیق! بتا اصلیت کیا ہے...... ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری ایک ایک حرکت پر میری نظر تھی مگر میں نے اسے اپنا وہم جانا لیکن وہ منظر...... جب تم نے چلتی گاڑی سے چھلانگ لگائی تھی...... بتا کون ہے تیرے پیچھے...... دیکھ رفیق! میں جانتا ہوں انسانوں کے اس جنگل میں تم جیسے لوگ کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ مگر...... دیکھ بتا دے......"

شفاعت علی کو نہ تو رستے زخموں زخموں کی پرواہ تھی اور نہ ہی کسی اور بات کا خیال۔ وہ تو پاگل ہو گئے تھے۔ تب سجاد علی درمیان میں آ گئے اور ہاتھ جوڑ دیئے۔

"شفاعت پتر! یہ صرف حادثہ تھا۔ پل پر سے پہلے بھی بے شمار گاڑیاں گر چکی ہیں پتر! وہ حادثہ تھا...... صرف حادثہ...... نہ اپنے وہم کا پھندا ڈالو اپنے باپ دادا کی عزت کے گلے میں...... ساری عزت خاک میں مل جائے گی...... دیکھ پتر! میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں...... ماں تو مری ہی ہے، باپ کو خود نہ کھو دینا پتر...... تمہیں خدا کا واسطہ، چھوڑ دے اس ضد کو...... تمہیں تیری ماں کی قسم۔"

سجاد علی نے ہاتھ جوڑ دیئے اور رونے لگے۔ شفاعت نے بے بسی سے باپ پھر تایا جی اور تائی ماں کو دیکھا پھر رفیق کو دیکھا۔ دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے پھر انہوں نے زور سے سر دیوار کے ساتھ مارا اور چلا اٹھے۔

"ابا جی...... اللہ کے واسطے مجھے تنہا چھوڑ دیں...... چھوڑ دیں مجھے تنہا میری ماں کے پاس چند لمحے...... سب لوگ چلے جائیں ابا جی۔"

شفاعت علی دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ تایا جی نے سجاد علی کو ساتھ لیا اور باہر آ گئے۔



وقت بھی عجیب چیز ہے۔ گھاؤ بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی لگاتا ہے...... سکینہ بیگم خاموش طبع خاتون تھیں۔ زیادتی بھی خاموشی سے سہہ جاتی تھیں۔ ان کے چلے جانے سے حویلی میں اک سوگ کی فضا چھائی رہتی۔ اب شفاعت علی کو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ تائی ماں نے اپنی تمام ممتا ان دنوں میں ان پر لٹا دی تھی۔ ہر وقت چھائی رہتی تھیں۔ تایا جی الگ مہربان رہتے۔ ایسے میں شفاعت علی شرمندہ سے ہو جاتے کہ انہوں نے ناحق ان پر شک کیا۔ اس وقت بھی دونوں میاں بیوی ان پر چھائے ہوئے تھے۔

"او ہاجرہ، میرا پتر اب جلد ہی ٹھیک ہو جائے تو میں جشن مناؤں گا...... ایسا کہ

لوگ دیکھتے رہ جائیں گے۔ دس گاؤں بلاؤں گا دعوت میں۔ کیوں بیٹا جی! اب تو میرا پتر بہت بہتر ہے پہلے سے۔ ہے ناں سجاد علی۔"

تایا جی نے بڑھ کر پہلے تو شفاعت علی کو چوما پھر بیگم کو ہدایات دیں اور پھر سجاد علی کے پاس آن کر بیٹھ گئے جو تائی جی کے احسان مند ہوئے جا رہے تھے کہ بھائی جی اتنے مہربان ہیں شفاعت علی کے اس رویے کے باوجود۔

"بھائی جی! بیٹا بھی آپ لوگوں کا ہے۔ اس کی خوشیاں بھی آپ لوگوں کی ہیں۔ جیسا چاہیں کریں۔"

"تایا جی میں...... میں بڑا شرمندہ ہوں آپ سے۔"

"او پتر...... ایسا کوئی مسئلہ نہیں...... جذبات میں آن کر تو گردنیں اڑ جایا کرتی ہیں اور تم نے تو...... نہ میرا پتر اب ایسا نہ سوچنا...... وہ تیری ماں تھی...... اور ماں بھی ایسی جنتی کہ......"

اور پھر کتنی ہی دیر سکینہ بیگم کے اخلاق، اطوار پر باتیں ہوتی رہیں۔ ماحول افسردہ ہو گیا۔ شفاعت علی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"شفاعت علی! نہ میرا پتر...... ٹھیک ہے سکینہ تیری ماں تھی مگر میں کیا ہوں، سکینہ جیسی ہوں...... میرا شہزادہ کیوں دکھی ہو...... بلائیں دور ہوں میرے بچے کی...... یہ دودھ میں گھی ڈال کر لائی ہوں۔ پی لے...... پی لے میرے بچے...... ایک تم ہی تو ہو ہماری خوشیوں کا مرکز۔ ہم تو اس نعمت سے ہی محروم ہیں، تم ہی ہماری اولاد ہو......" ہاجرہ بیگم منہ پر دوپٹہ رکھ کر رونے لگیں۔

"اے بھابھی جی...... آپ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں...... یہ آپ ہی کی اولاد ہے۔" سجاد علی نے اٹھ کر ان کو چپ کرایا۔

"ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں تائی جی...... آپ ایسی بات کیوں کر رہی ہیں...... میں آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ جو آپ کا حکم ہو گا میں مانوں گا۔" شفاعت علی نے تائی ماں کے ہاتھ آنکھوں سے لگا لیے تو ہاجرہ بیگم نے معنی خیز نگاہوں سے شجاعت علی کو

دیکھا۔

"آ جاؤ بھئی اندر...... کون ہے؟" دروازے پر دستک کے جواب میں شجاعت علی نے بلند آواز میں کہا۔

"وہ جی مراد باؤ اور ان کے ابا جی آئے ہیں جی۔" ملازم نے مراد اور ان کے والد کی اطلاع دی تو ایک دم شجاعت علی کے چہرے پر ناگوار تاثرات ابھر آئے۔ ہاجرہ بیگم نے بھی منہ بنا لیا۔

"یہ کوئی وقت ہے کسی کے گھر آنے جانے کا...... خیر بھیج دو...... یہ فضل الٰہی کو کچھ زیادہ محبت نہیں ستانے لگی بھتیجی کی۔" شجاعت علی کو تو مراد اور اس کا باپ شروع ہی سے ناپسند تھا اور جب سے ذکیہ سے اس کے چکر کا پتہ چلا تھا وہ اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔

"ہاں محسوس تو میں نے بھی کیا ہے۔ مگر دیکھا جائے گا۔ میرا پتر ذرا جان میں آ جائے، ٹھیک ہو جائے تو دیکھ لوں گی مراد اور اس کے باپ کو بھی...... فی الحال تو آپ ڈھنگ سے بات کرنا ان کے ساتھ......"

"ہاں، ہاں...... ڈھنگ سے کریں گے بات۔ کوئی ڈانگیں تو نہیں ماریں گے ان کے سروں میں۔" شجاعت علی نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے...... میں چلتی ہوں دوسرے کمرے میں۔ میرا دل نہیں چاہتا ان سے ملنے کو۔ اور ہاں شفاعت پتر! تم زیادہ باتیں نہ کرنا۔ خاموش ہو کے لیٹے رہنا۔ اور آپ بھی اصرار کر کے بٹھانا نہیں ان لوگوں کو...... او بشیر! مہمانوں کو اندر بھیج دو۔" ہاجرہ بیگم نے لحاف شفاعت علی کے سینے پر درست کیا۔ پیشانی پر آئے بال پیچھے ہٹا کے پیار کیا اور ہدایت دیتی نکل گئیں۔

ڈیوڑھی سے گزرتے ہوئے ذکیہ کا کمرہ راہ میں پڑا۔ اندر سے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ رک گئیں۔ دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا، دروازہ کھل گیا۔ ذکیہ اپنے دراز بالوں میں پراندہ ڈالتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ اس کے لبوں پر گیت مراد کی آمد

سجا گئی تھی۔ ہاجرہ بیگم کو دیکھ کر محبت کا گیت بند ہو گیا۔ ہاتھ حرکت میں آئے اور دوپٹہ سر پر آ گیا۔

"یہ بناؤ سنگھار کس کے لئے کر رہی ہو...... میرا شفاعت تو بستر پر پڑا ہے۔ کس کو دکھانا ہے یہ سب......؟" سخت دل ہاجرہ نے اس کے رخسار نوچ ڈالے۔ ذکیہ سسک پڑی۔

"اماں وہ دراصل......" وہ خیالوں میں کتنی ہی باغی سہی کہ اماں شفاعت کا کہیں گی تو صاف مراد کا نام لے لوں گی اور کہوں گی کہ میں مراد کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔ مگر جب اماں سے سامنا ہوتا ساری بغاوت جھاگ کی طرح ختم ہو جاتی اور وہ فرمانبردار سی بن کر دبک جاتی۔ مراد کو اس کی اسی فرمانبرداری سے خوف آتا تھا۔

"دیکھ ذکیہ...... آئیں بائیں شائیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب جانتی ہوں، اس لئے بہتر ہو گا کہ تم مراد کا خیال دل سے نکال دو ورنہ انجام اچھا نہیں ہو گا......"

ہو سکتا تھا کہ مراد کی چاہت احتجاج بن کر باغی لفظوں کی صورت اختیار کر کے ہاجرہ بیگم کو مزید اشتعال دلاتی، ذکیہ ضبط کر گئی یا جرأت نہیں ہوئی تھی وہ افسردہ سی آئینے میں اپنی اداس صورت دیکھنے لگی۔ اسی وقت نسرین اندر آ گئی۔

"آ نسرین! کیا خبر ہے......؟" وہ جلدی سے نسرین کی طرف بڑھی جس کے پاس ہمیشہ اس کے لئے اہم خبریں ہوا کرتی تھیں۔

"وہ جی مراد باؤ نے اندر جاتے جاتے ہولے سے مجھے کہا تھا کہ وہ پچھلے گیٹ پر آپ کا انتظار کریں گے۔"

"اچھا...... اس وقت وہ کہاں ہیں؟ اور دیکھ اماں نے تو تمہیں یہاں آتے نہیں دیکھا؟"

"نہیں...... وہ لیٹ گئی ہیں۔ اس وقت وہ شفاعت باؤ کے کمرے میں ہیں اور

بڑے اور چھوٹے ملک جی بیٹھک میں بیٹھے ہیں۔ میں سب کو چائے پانی دے کر یہاں آئی ہوں۔" نسرین نے داد طلب لہجے میں کہا۔

"شاباش...... تُو تو میری سگی بہن ہے نسرین! اللہ پاک سے دعا کر میری مراد پوری ہو جائے اور مراد میرا ہو جائے تو...... تو میں تجھے اپنی زمین میں سے حصہ دوں گی۔ بس دعا کر، ایک بار میں اس قید خانے سے نکل جاؤں مراد کی ہو کر۔"

ذکیہ کی چاہت دعا بن کر اس کے لبوں تک آ گئی۔ اسے یہ منزل بڑی مشکل لگ رہی تھی۔

"رب سوہنا آپ کے من کی مراد پوری کرے بی بی...... ہم غریبوں نے زمینیں لے کر کیا کرنا ہوتا ہے...... بس دو گز زمین ہی مل جائے تو مولا کا کرم ہو گا۔ ورنہ اپنے تو اعمال کی گٹھڑی خالی ہے۔" نسرین نے انکساری سے کہا۔

یہ غریب لوگ بھی کتنے قناعت پسند ہوتے ہیں...... تمام عمر زندگی سے لڑتے رہتے ہیں۔ موت آ جائے تو دو گز زمین میں پڑ کر سو رہتے ہیں۔

"اچھا چل تُو اب اماں کی نگرانی کر اور میں چلتی ہوں۔ مراد کو اشارہ کر دینا۔"

ذکیہ نے بڑی سی چادر کی بکل ماری اور نسرین سے پہلے باہر نکل گئی۔ رات کے سناٹے پھیل چکے تھے۔ دبے پاؤں پچھلے گیٹ کے پاس آ کر مراد کا انتظار کرنے لگی جو شفاعت علی کے پاس بیٹھا تھا۔

"پھر تم دونوں نے کیا سوچا ہے مراد؟" شفاعت علی کو ان دونوں کا زیادہ خیال تھا۔

"یار شفاعت میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ سیدھے راستے سے بزرگ نہیں آنے دیتے۔ الٹے راستے سے تم منع کرتے ہو۔ پھر بتاؤ ہم کیا کریں؟"

مراد نے بے بسی سے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

"دیکھو تم لوگ کوئی غلط قدم نہ اٹھانا...... میں تائی ماں اور تایا جی کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اب تو تائی ماں خاصی مہربان ہو گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ میری

خوشی کا خیال رکھیں گی اور میری خوشی تو آمنہ سے وابستہ ہے...... میں......"

شفاعت علی اپنی طرف سے تو ہر طرح کی تسلی دے رہے تھے مگر مراد کو کسی بات پر اعتبار نہیں تھا۔

"تم بہت بھولے ہو شفاعت علی! خالہ تمہاری تائی مگر میری سگی خالہ ہیں۔ جتنا میں ان کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ وہ ہرگز سیدھے ہاتھوں ہماری شادی نہیں کریں گی۔ لیکن جان رکھو کہ اگر ہماری شادی نہ ہوئی تو ہم دونوں خودکشی کر لیں گے۔"

مراد کے مضبوط لہجے میں ارادوں کی پختگی اور جذبوں کی پاکیزگی سے شفاعت علی متاثر ہو گئے۔

"احمق نہ بنو...... اللہ بہتر کرے گا...... میں تائی ماں کو سمجھانے کی پوری کوشش کروں گا۔ اگر نہ مانیں تو خود تم دونوں کا نکاح کرا دوں گا۔"

"کیا واقعی شفاعت علی......" خوشی سے مراد کی آواز لڑکھڑا گئی۔ آنکھیں چمک اٹھیں۔

"یہ تم سے میرا وعدہ ہے...... میں تائی ماں کو ہر ممکن منانے کی کوشش کروں گا۔ نہیں تو پھر ہم وہی طریقہ اختیار کریں گے جو مجبور ہو کر اختیار کیا جاتا ہے۔"

"تم...... تم بہت بڑے انسان ہو شفاعت علی...... میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔" مراد نے فرطِ جذبات میں شفاعت علی کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر چوم لئے تو شفاعت علی نے مراد کو گلے لگا لیا۔

"دیکھو مراد...... بڑائی اس میں ہرگز نہیں ہوتی یا سخاوت اس کو نہیں کہتے کہ کوئی چیز آپ کی ضرورت سے زیادہ ہے تو کسی کو دے دو تو سخاوت ہو گئی۔ بلکہ سخاوت یہ ہے کہ اپنی ضرورت مار کر دوسرے کی ضرورت پوری کی جائے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذکیہ میری منگیتر ہے مگر میری محبت نہیں اس لئے میں اس سے شادی میں دلچسپی نہیں رکھتا اور اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارا اور اس کا نکاح کروا دوں گا۔ اس لئے اس میں میری بڑائی نہیں کسی حد تک خود غرضی ہے۔ اس لئے مجھے

کوئی فرشتہ سمجھنے کی ضرورت نہیں...... اب تم جاؤ۔ میرا خیال ہے ذکیہ تمہارا انتظار کر رہی ہے کیونکہ نسرین دو بار جھانک چکی ہے۔

شفاعت علی نے مسکرا کر کہا تو مراد جھینپ گیا۔ اس کی نگاہیں ممنونیت کے احساس سے جھکی جا رہی تھیں۔ اس نے عقیدت سے ہاتھ ملایا اور باہر آ گیا...... پھر وہ ذکیہ کے پاس آ گیا اور تمام بات اس کو بتا دی۔

"بس ذکیہ...... اب خدا نے چاہا تو جدائی کی یہ گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں...... ملن کے پھول کھلنے والے ہیں۔" وہ سرد رات کے اس سناٹے میں خواب اس کی آنکھوں میں سجا رہا تھا۔

"خدا کرے مراد یہ قید کی گھڑیاں ختم ہو جائیں تو میں تمام عمر شفاعت کی احسان مند رہوں گی۔"

پھر دونوں کتنی ہی دیر مستقبل کے خواب بنتے رہے۔ امید کی کرن تاریکی میں چمکی تھی۔ دونوں خوش تھے۔

"ابا جی اٹھنے والے ہوں گے...... میں چلتا ہوں ذکیہ۔" مراد اس کے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"اچھا اللہ حافظ......" اور پھر ذکیہ دور تک اسے دیکھتی رہی۔

اور جب وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی تو مراد کی جیپ کی آواز آئی۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر حیا آلود مسکراہٹ آ گئی۔ وہ مطمئن ہو کر لیٹ گئی۔

اسے ابھی خوابوں کی دنیا میں گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ حویلی میں قیامت خیز شور اٹھا...... دل تھام کر اس نے صرف اتنا سنا کہ مراد کی جیپ پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کر دی۔

"ہائے ہائے...... مراد بیچارے کو چھلنی کر دیا ظالموں نے......"

نجانے سنسناتا ہوا تیر کس سمت سے آیا تھا جو سیدھا ذکیہ کے دل میں اتر گیا تھا۔

حواس معطل ہونے لگے۔

"نہیں...... نہیں......" وہ ننگے سر باہر بھاگی۔ حویلی میں ایک دم ہی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ قریب تھا کہ وہ مردانے میں چلی جاتی شفاعت علی تیزی سے آگے بڑھے اور اسے تھام لیا۔

"ذکیہ اندر چلو...... تم نے چادر بھی نہیں لی۔ چلو اندر۔ تایا جی نے دیکھ لیا تو خفا ہوں گے۔"

"چادر...... شفاعت تم چادر کی بات کرتے ہو...... میری چادر تو تار تار ہو کر فضا میں بکھر گئی ہے شفاعت علی! تم نے سنا نہیں، میرے مراد کو گولیاں مار دی گئی ہیں۔ مجھے جانے دو شفاعت علی...... جانے دو۔"

وہ شفاعت علی کی مضبوط گرفت کا حصار توڑنے میں کامیاب ہو کر بھاگ گئی۔ شفاعت علی پیچھے بھاگے اور اسے پکڑ لیا۔

"اب وہاں جا کے کیا لینا ہے ذکیہ...... تیری محبت مر گئی ہے...... میرا یار مراد ختم ہو گیا ہے...... نذر ہو گیا ہے روایتی دشمنی کے۔"

شفاعت علی تو خود زخم خوردہ تھے کہ اچانک اچھے انسان اور دوست مراد کی موت نے ان کو بے حوصلہ کر دیا۔ وہ ذکیہ کو دیکھتے ہوئے رو پڑے مگر ذکیہ آنکھوں کے خشک سوتے لئے کھنڈ چہرے کے ساتھ ان کو دیکھتی رہی۔ شفاعت علی خوفزدہ ہو گئے۔

"او ذکیہ! روتی کیوں نہیں...... تیرا مراد مر گیا ہے...... دشمنوں نے چھلنی کر دیا ہے...... زیادہ گولیاں اس کے دل پر لگی ہیں ذکیہ...... اس دل میں جہاں تیری چاہت تھی...... محبت تھی...... وہ دل اب دھڑکنا بند ہو گیا ہے جو تیرے لئے دھڑکتا تھا...... وہ آنکھیں جن میں تیرے خواب تھے بند ہو گئی ہیں...... روؤ ذکیہ...... اپنی محبت کا ماتم کرو...... جی بھر کے ماتم کرو۔"

شفاعت علی روتے ہوئے اسے جھنجھوڑ رہے تھے۔ وہ بے ہوش ہو کر ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

◆......◆

مراد کی جواں مرگی دشمن کے انتقام کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ مراد کا خاندان تو برباد ہو گیا تھا مگر ذکیہ تو پاگل ہو گئی تھی۔ حواس کھو بیٹھی تھی۔ وہ ہر وقت الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی۔ ان کی خاموش محبت جس کا انہوں نے خود کو بھی پتہ نہیں چلنے دیا تھا، دنیا کی زبان پر افسانہ بن کر آ گئی۔ کچھ شر پسند ذہن اسے رقابت کا انجام بھی سمجھنے لگے اور شفاعت علی کا کردار مشکوک ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ ان کی حویلی کی دیواریں خاصی مضبوط تھیں اس لئے ہوا پھیلی نہیں۔

شفاعت علی ذکیہ کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے۔ اس وقت بھی وہ اس کے کمرے میں آئے تو وہ ہم کلام تھی۔

"مراد...... تم نے تو کہا تھا کہ اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں...... ہے ناں مراد...... تم نے یہی کہا تھا ناں کہ اب ہمارا ملن ہونے والا ہے...... پھر...... پھر یہ نہ ختم ہونے والی جدائی کا طوق کیوں ڈال گئے ہو میرے گلے میں...... بھلا اب جی سکوں گی؟ نہیں مراد...... ساتھ مرنے جینے کا تو ہمارا عہد تھا...... پھر تم نے یہ بد عہدی کیوں کی ہے...... کیوں کی ہے تم نے یہ بد عہدی...... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی...... ہرگز معاف نہیں کروں گی...... تم نے کیوں ایسا کیا...... کیوں کیا؟"

ذکیہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے، بال نوچنے لگی۔ تب شفاعت اس کی طرف بڑھے۔ ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر۔ کیسے کیسے خواب بنے تھے ان دونوں نے مستقبل کے۔ کس قدر خوش تھا مراد اس وقت جب انہوں نے ان دونوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

"آہ...... کیا تھا جو اسے موت نہ آتی......" شفاعت علی کے دل سے آہ نکلی۔

"ذکیہ...... ذکیہ! ہوش میں آؤ......" انہوں نے آگے بڑھ کر ذکیہ کے ہاتھ پکڑ لئے جو اپنے بال نوچ رہی تھی۔

"کیا کروں گی میں ہوش میں آ کر شفاعت علی...... میری تو دنیا ہی اجڑ گئی۔ ان

ظالموں سے کہو مجھے بھی گولی مار دیں...... میں جینا نہیں چاہتی مراد کے بغیر...... پتہ ہے شفاعت! وہ اس وقت تو کہہ کر گیا تھا کہ جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں...... کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے اس نے میرے ساتھ...... وہ ایسا ہرجائی تو نہیں تھا شفاعت! پھر...... پھر اس نے یہ ظلم کیوں کیا...... کیوں کیا......؟"

وہ شفاعت کے سامنے روئے جا رہی تھی اور وہ اسے تسلیاں دے رہے تھے۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ہاجرہ بیگم کڑے تیور لئے کمرے میں داخل ہوئیں اور ذکیہ کو گھسیٹ کر شفاعت علی کے پاس سے لے گئیں۔

"بے شرم...... بے حیا...... یہ کیا ناٹک رچایا ہوا ہے تم نے...... پہلے اندر ہی اندر مراد سے عشق لڑاتی رہی اور اب بھی...... کوئی عزت کا خیال ہے کہ نہیں...... خاندان کی ناک کٹوا دی ہے۔ لوگ کیسی کیسی باتیں بنا رہے ہیں، چرچے ہو رہے ہیں گاؤں میں تمہارے اور مراد کے عشق کے...... منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

ہاجرہ بیگم انتہائی ظالم اور سفاک عورت کے روپ میں ذکیہ پر برس رہی تھیں۔ انہوں نے جیسے ہی ہاتھ اٹھایا ذکیہ بپھر گئی۔

"ہاں...... آؤ، مار دو مجھے بھی...... میں بھی مرنا چاہتی ہوں...... میرے مراد کو تو ختم کر دیا تم نے...... اب مجھے بھی مار دو...... اب سکون مل گیا ہے ناں تمہیں میرا سنگھار اجاڑ کر...... تم ہی قاتل ہو میرے مراد کی...... تم، تمہارا شوہر سب لوگ قاتل ہو مراد کے۔" ذکیہ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔

شفاعت نے دیکھا تائی ماں کا چہرہ بھی غصہ سے سرخ ہو رہا ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس وقت دونوں اپنی اپنی کیفیت کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے اور دکھی دل لئے لیٹ گئے۔ وہ تمام رات ذکیہ کے بارے میں سوچتے رہے۔ اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ان کو بے حد دکھ ہو رہا تھا۔ انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر ایک فیصلہ کر لیا...... مضبوط فیصلہ...... اور پھر سو گئے۔

◆......◆

"تایا جی! میں ذکیہ کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں۔"

دوسرے دن وہ تایا جی کے سامنے ذکیہ سے شادی کے لئے کہہ رہے تھے تو تایا جی، تائی ماں سمیت ابا جی نے حیرانی سے ان کو دیکھا مگر کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ قربانی کے اس سفر میں وہ کتنی بار ڈگمگائے تھے، لڑکھڑائے تھے۔ مگر وہ حقیقت پسند تھے۔ آمنہ پڑھی لکھی۔ باشعور لڑکی تھی۔ خود کو سنبھال سکتی تھی۔ مگر وہ محسوس کر رہے تھے کہ ذکیہ کو اب ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہی سوچ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

"شفاعت پتر! یہ تم کیا کہہ رہے ہو...... اندازہ ہے تمہیں اس بات کا؟" ابا جی نے حیران کن نظروں سے بیٹے کو دیکھا تو انہوں نے چونک کر ان تینوں بزرگوں کو دیکھا۔ ایک وقت تھا یہ تینوں ذکیہ سے ان کی شادی کے خواہش مند تھے اور اب انہوں نے محسوس کیا تھا ان کا یہ فیصلہ تینوں کو پسند نہیں آیا۔

"ابا جی اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے...... ذکیہ بالآخر میری منگیتر ہے اور پہلے سے زیادہ اب اسے میری ضرورت ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں کسی ہمدردی کی...... وہ تمہاری منگیتر تھی۔" تایا جی ایک دم جلال میں آ گئے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں تایا جی آپ...... یہ فیصلہ آپ لوگوں کا ہی تھا۔" شفاعت علی کو بزرگوں کی سیاست سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ہاں تھا فیصلہ...... مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ منگیتر تمہاری ہو کر مراد کو پسند کرتی ہے۔ دونوں کے گاؤں میں چرچے ہیں اس کے اور مراد کے...... اب وہ تمہاری دلہن نہیں بن سکتی۔" تائی ماں نے سخت لہجے میں کہا۔

"مگر تائی ماں! وہ آپ کی بیٹی ہے۔" شفاعت علی کو شدید حیرت ہو رہی تھی بزرگوں کے رویے پر۔

"ہاں...... تم بھی ہماری اولاد ہو۔ ہم ایسی لڑکی کے ساتھ تمہارا رشتہ نہیں کر سکتے جس کے دل میں پہلے سے کسی اور مرد کا خیال رہا ہو اور لوگ جانتے بھی ہوں۔ نہ

بابا نہ...... ہم نے نہیں کرنی اپنے پتر کی ایسی لڑکی سے شادی۔''

یہ وہ شجاعت علی تھے جو ذکیہ سے ان کی شادی ہر صورت میں کرانا چاہتے تھے مگر اب اس طرح کہہ رہے تھے گویا ذکیہ کوئی غیر ہو، اچھوت ہو۔

''تایا جی! ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے...... ذکیہ اور مراد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے تو اس میں کون سی گناہ کی بات ہے۔ اور پھر اب تو بیچارہ مراد بھی نہیں رہا...... اب تو ذکیہ کو......''

''او چپ کر شفاعت علی! غیرت کیوں مر گئی ہے تیری...... ذکیہ اور مراد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے یہ کوئی بات نہیں تیرے نزدیک۔ شاباش ہے بھئی...... مگر کان کھول کر سن لو، کوئی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا ہے تمہاری شادی اسی لڑکی سے ہو گی جس کو تم پسند کرتے ہو۔'' ابا جی کو ایک دم غصہ آ گیا۔ انہوں نے جذبات میں آ کر اپنا فیصلہ بھی سنا دیا تو شفاعت علی حیرت سے ان کو دیکھنے لگے۔ ایک وقت تھا وہ بھتیجے سے اکھڑ گئے تھے آمنہ کا نام سن کر اور اب خود ہی تیار ہو گئے تھے۔ وہ ان بزرگوں کی سیاست سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

''مگر ذکیہ کا کیا ہو گا؟ اور اس کا مستقبل......؟''

''ذکیہ نے ہماری ناک کٹوائی ہے۔ اب وہ دیوانی ہو گئی ہے۔ لہٰذا میں نے اسے اس کے والدین کے حوالے اور آمنہ کو تمہاری دلہن بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے...... مگر اب شادی میں دیر نہیں کرنی۔ تم اپنا دل میلا نہ کرو بیٹے! یہ زندگی ہے، یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ذکیہ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ماں باپ کہیں بھی شادی کر دیں گے وہ خوش رہے گی۔''

ذکیہ کی خاطر مرنے والے یہ بزرگ آج خود ذکیہ کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال رہے تھے۔ شفاعت علی نے بحث فضول جانی اور ہمیشہ کی طرح ہتھیار ڈال دیئے۔

◆......◆

اور پھر وہی ہوتا چلا گیا جو اس حویلی کی روایات قائم کرنے والے، بنانے بگاڑنے والے تھے۔ شجاعت علی اور ہاجرہ بیگم کرتا دھرتا تھے۔ جو فیصلہ کر دیتے وہی ہوتا۔ خواہ اس کے کیسے ہی غلط نتائج برآمد ہوتے۔

ہاجرہ بیگم اور شجاعت علی نے سفاکی اور خود غرضی کی حد اس وقت کر دی جب انہوں نے ذکیہ کو پال پوس کر پاگل قرار دے دیا۔ پھر اس کے والدین کے حوالے کر دیا۔ شفاعت علی کے نزدیک یہ ظلم تھا۔ مگر ان کی رائے کی کیا اہمیت تھی۔ اور یوں بھی جو فیصلہ بزرگوں نے کیا تھا اس میں خود ان کی مرضی شامل تھی اب باقاعدہ اس کا پیغام آمنہ کے گھر جا رہا تھا۔ ہاجرہ بیگم بے حد خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ شجاعت علی نے بھی شفاعت کی شادی کے لئے لمبے چوڑے پروگرام بنائے تھے۔

''دیکھنا سجاد علی! میرے شہزادے کی شادی ہو گی تو ساری دنیا کو دعوت دوں گا۔ اپنے دل کے ارمان پورے کروں گا۔ میرے گلفام کی شادی ہو گی، کوئی مذاق تو نہیں ہو گا ناں......'' شجاعت علی بڑے زور سے بڑکیں مار رہے تھے۔

سجاد علی سرشار ہوئے جا رہے تھے کہ ان کے بھائی ان کو اتنا چاہتے ہیں۔

''زیادہ بڑکیں نہ ماریں دیکھ لیں گے آپ کیا کرتے ہیں فی الحال یہ دیکھیں میں نے اپنی بہورانی کے لیے کیسی انگوٹھی پسند کی ہے۔'' ہاجرہ بیگم نے بڑی خوبصورت انگوٹھی ان کے سامنے کی تو شجاعت علی حیرت سے دیکھنے لگے پھر شوخی سے شفاعت علی کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''ماشاء اللہ خدا مبارک کرے بڑی خوبصورت ہے مگر مجھے کیا دکھاتی ہے اپنے پتر

کو دکھا جس کی ووہٹی (دلہن) نے پہننی ہے بیٹا تو بھی دیکھ لے۔" تایا جی نے شوخی سے کہا تو وہ جھینپ گئے۔

"تایا جی میں کیا دیکھوں، آپ کی پسند ہے تو ٹھیک ہے مجھے تو آپ سے ایک اجازت چاہیے تھی۔" وہ مؤدب ہو کر کھڑے ہو گئے تو تینوں بزرگ حیرانگی سے ان کو دیکھنے لگے۔

"او اب کس بات کی اجازت درکار ہے میرے پتر کو۔" تایا جی نے شوخ قہقہہ لگایا۔

"وہ دراصل تایا جی...... میں چاہتا تھا کہ وہ...... تائی ماں آپ ہی بتا دیں ناں۔"

اپنے دل کی بات شفاعت علی اپنی ماں کے بعد اب تائی کو بتانے لگے تھے ابھی وہ تائی ماں کی طرف دیکھنے لگے تو وہ ہنس پڑیں۔

"بڑا شرمیلا ہے میرا پتر جی یہ چاہتا ہے کہ ہم سے پہلے جا کے لڑکی کے گھر والوں کو خبردار کر دے کہ ہم لوگ آ رہے ہیں۔" تائی ماں نے مسکراتے ہوئے شفاعت علی کی بات کی ترجمانی کر دی تو شجاعت علی اور شفاعت علی کا شوخ قہقہہ کمرے میں گونج گیا شفاعت علی بیچارے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

دراصل یہ اس سے ملنے کا بہانہ چاہتا ہے اور شادی سے پہلے ملاقاتوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔

"او سارے اپنے زمانے میں یہ ہی کرتے ہیں اپنا وقت بھول گئی ہو۔" شجاعت علی ہاجرہ بیگم کو دیکھ کر ہنسے تو وہ شرما گئیں۔

"جا پتر شہر چلا جا یہ تیرے تایا جی تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے ہیں جا اٹھ میرا پتر جانے کی تیاری کر۔"

"جاؤں تایا جی؟" تائی ماں سے اجازت ملنے کے باوجود شفاعت علی تایا جی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جا پتر جب تیری ماں نے کہہ دیا کہ جا تو روک کر میں نے مار کھانی ہے۔"

شفاعت علی بزرگوں کو ہنستا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئے اور شہر جانے کی تیاری کرتے ہوئے آمنہ کی سنگت میں گزارے ہوئے شب و روز نگاہوں میں گھوم گئے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک اٹھے۔ "ذکیہ! تم اتنی رات کو اتنی ٹھنڈ میں...... آؤ اندر آؤ" شفاعت علی چادر میں لپٹی اجڑی ہوئی ذکیہ کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور جلدی سے پیچھے ہٹ کر راستہ دیا ذکیہ اندر آ گئی۔

"آؤ یہاں بیٹھو آتش دان کے قریب، بہت ٹھنڈ ہے آج۔" شفاعت علی نے اپنی کرسی اس کو پیش کی تو وہ خاموشی سے بیٹھ کر کوئلوں کو تکنے لگی اس کی روح بھی ایسے ہی سلگ رہی تھی اک آگ سی لگی ہوئی تھی تن بدن میں مگر وہ کس سے کہتی کسے اپنے دکھ بیان کرتی ایک شفاعت علی ایسی ہستی تھے جس سے وہ اپنا دکھ کہہ سکتی تھی سو چلی آئی۔

"ہاں اب بتاؤ کیسی ہو۔" شفاعت علی نے اس کے سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے تو ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ گئے۔

"شفاعت علی میں زندہ ہوں مراد مر گیا اور میں جی رہی ہوں بے وفائی کی انتہا ہے کہ نہیں۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے ذکیہ یہ مرنا جینا، بچھڑنا بلکہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے...... انسان تو بے بس و بے اختیار ہیں ہم اپنی مرضی کے فیصلے کرتے ہیں مگر ہر کام میں خدا کی مصلحت ہوتی ہے اس کے فیصلے ہی ہمارے حق میں بہتر ہوتے ہیں...... تم پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شفاعت اسے تسلیاں دینے لگے۔

"ہاں تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو، بہرحال ماں جی مجھے گھر سے نکالتے وقت تم سے رشتہ توڑتے وقت میری انگلی سے تمہارے نام کی یہ انگوٹھی اتارنا بھول گئی تھیں میں نے سوچا کہ واپس کر آؤں اس انگوٹھی کو پھینک دینا شفاعت علی، آمنہ کو نہ پہنانا بڑے منحوس ہاتھ کی انگوٹھی ہے یہ......" ذکیہ نے روتے ہوئے انگوٹھی اتار کر شفاعت علی کے ہاتھ میں رکھ دی۔

ذکیہ ایسی باتیں نہیں کرتے ٹھیک ہے میں مانتا ہوں تمہارے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے مگر تم بہت اچھی لڑکی ہو میں نے سنا ہے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔“

”ہاں، درست سنا ہے کیونکہ میرا تو کوئی اپنا گھر ہے ہی نہیں پیدا ہوتے ہی سگی ماں نے اپنی بہن کی گود میں ڈال دیا پھر یہاں سے ذلیل کر کے نکال دی گئی پاگل قرار دے کر ...... اب دیکھو نئے گھر میں میرا جنازہ اٹھتا ہے یا میری زندہ لاش کو پھر گھر بدر کر دیا جاتا ہے ...... تم خفا تو نہیں ہو، شفاعت علی میرے آنے پر یہ انگوٹھی تو بہانہ تھی میں خود تم سے ملنا چاہتی تھی تم سے اپنا دکھ کہہ کر ہمیشہ مجھے سکون ملتا ہے۔“

ذکیہ کو وقت اور حالات اور لوگوں کی بے وفائی، مراد کی موت نے بے حد حساس اور دکھی کر دیا تھا شفاعت علی کا دل دکھ گیا۔

”کیسی باتیں کرتی ہو ذکیہ میں کیوں خفا ہونے لگا۔ تم زندگی کے کسی بھی موڑ پر کسی بھی وقت میرے پاس آ سکتی ہو یا مجھے بلا سکتی ہو دیکھو ذکیہ! زندگی اسی کا نام ہے ہمیں سانسوں کا قرض تو ادا کرنا ہی ہے رو کر بھی اور ہنس کر بھی پھر کیوں نہ ہنس کر زندگی کی تلخیوں کا مقابلہ کیا جائے تمہاری شادی کس سے ہو رہی ہے کیا کرتا ہے وہ، کیا نام ہے۔“

شفاعت علی اس کا ہاتھ تھامے اسے سمجھا رہے تھے تو دکھ کی شدت میں بھی کمی ہو رہی تھی ...... کتنا اپنا، کتنا مہربان انسان ہے یہ، مگر اس سے زیادہ سوچنے کا حق نہ تو رکھتی تھی اور نہ آمنہ کے ساتھ زیادتی کر سکتی تھی۔

”نام تو اس کا عبدالرحمٰن ہے شفاعت اور کرتا وہی کچھ ہے جو تمام زمیندار اور جاگیردار کرتے ہیں ...... اور ......“ اور اس سے قبل کہ اس کی بات مکمل ہوتی دروازہ دھڑ سے کھلا ہاجرہ بیگم غصہ میں اندھا دھند ذکیہ کی طرف بڑھیں جس کے ہاتھ ابھی بھی شفاعت علی کے ہاتھوں میں تھے۔

”بے شرم بے حیا اب کیا لینے آئی ہے یہاں، کیوں چھپ چھپ کر ملنے آتی ہے اس سے اب اس سے عشق کرنے آئی ہے پہلے مراد کے عشق میں منگیتر کو دھوکا دیا

اب اس سے عشق کر کے عبدالرحمٰن کو دھوکا دینا چاہتی ہے خاندان بھر کی ناک کٹوا کر بھی چین نہیں ملا دفع ہو جا یہاں سے ......“ ہاجرہ بیگم نے اس کا ہاتھ شفاعت کے ہاتھ سے الگ کر کے بری طرح جھنجھوڑا تو وہ اس ذلت پر ڈھے گئی۔

”تائی ماں! ایسی کوئی بات نہیں ذکیہ بیچاری تو پہلے ہی دکھوں کی ماری ہے یہ انگوٹھی واپس کرنے آئی تھی۔“ شفاعت علی کو ذکیہ کی بے عزتی بہت گراں گزری تھی انہوں نے انگوٹھی تائی ماں کی طرف بڑھائی۔

”ہونہہ انگوٹھی واپس کرنے آئی ہے ...... ارے میں نے صدقے میں دے دی یہ انگوٹھی اپنے بیٹے کے ...... لے جا اس انگوٹھی کو اگر واپس کرنی تھی تو بڑوں کو واپس کرنی چاہیے تھی یہ رات کی اس تاریکی میں خود انگوٹھی واپس کرنے آئی ہے کان کھول کر سن لو شفاعت علی اس کے چکر میں نہ آنا یہ کب چاہتی ہے کہ آمنہ اور تمہاری شادی ہو اس نے تو مراد کی خاطر ......“

”ماں جی اللہ کے واسطے بخش دیں میرا قصور، نہیں آؤں گی کبھی آپ کے گھر ......“ تائی ماں کے ترکش کے تیر ذکیہ کے فگار دل میں پیوست ہو رہے تھے وہ مزید طعنے برداشت نہ کر سکی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

”ذکیہ ...... ذکیہ! رکو میں خود تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں ...... ذکیہ ......“ شفاعت علی تیزی سے ذکیہ کی طرف بڑھے مگر ہاجرہ بیگم جلدی سے ان کے آگے دیوار کی طرح کھڑی ہو گئیں وہ بے بس سے ان کو دیکھتے رہ گئے کیسی عورت ہیں کہ کبھی ذکیہ ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا قرار تھی جس کو انتہائی ناز و نعم میں پالا تھا اب اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں ان کا دل نہیں کانپا۔

”خاندان کی عزت کو بٹہ لگانے والی اولاد کو ہم بے کار اعضاء کی طرح کاٹ کر پھینک دیا کرتے ہیں پتر جی! تم اُداس کیوں ہوتے ہو ...... شہر جانے کی تیاری کرو۔“ وہ ذکیہ کے لئے پُر ملال شفاعت علی کے سر اور شانوں کو پیار کر کے کمرے سے چلی گئیں تو حساس شفاعت علی افسردہ سے بستر پر لیٹ گئے اور انسانی رویوں

کے بارے میں سوچنے لگے جو مدوجزر کی لہروں کی طرح کبھی بلندی پر ہوتے ہیں اور کبھی پستی میں۔ خیالوں کی انہی بھول بھلیوں میں آمنہ کا خیال بہار کے خوشگوار جھونکے کی طرح چھایا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"شفاعت علی آپ......" تعلق کے اس سفر میں جدائی کا جو موڑ آیا وہ دو سالوں کی اماوس رات پر مشتمل تھا اور اب آمنہ یوں اچانک شفاعت کو سامنے دیکھ کر حیران ہو گئی۔ بے شمار شکوے آنسو بن کر آنکھوں میں جھلملا گئے۔

"ہاں میں آمنہ...... لیکن اندر آنے کی اجازت دو تو...... اپنی روح کے گھاؤ دکھا دوں تمہیں۔" شفاعت علی کے سارے زخم پھر سے ہرے ہونے لگے تھے۔ آمنہ شرمندہ شرمندہ سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور گھر کے سب سے پُرسکون کمرے میں بیٹھ کر شفاعت علی نے خود پر ٹوٹنے والی قیامتوں کا حال سنا دیا۔

"آپ کی امی کا تو مجھے پتہ چل گیا تھا شفاعت! مگر یہ سب کیسے ہوا...... بخدا میں قطعی نہیں جانتی تھی۔ آپ تنہا دکھوں کے طوفان سے لڑتے رہے اور مجھے خبر تک نہیں ہونے دی۔" ہلکا سا شکوہ آمنہ کے لبوں پر آ گیا۔

"ہاں یہ میری کوتاہی ہے...... مگر آمنہ میں خود بے حد پریشان رہا ہوں...... بلکہ اب بھی ہوں۔ بہت عجیب و غریب قسم کے حالات و واقعات پیش آتے رہے ہیں مجھے۔ اوپر سے تایا جی اور تائی کا رویہ میں سمجھ نہیں سکا...... خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اب بھی میری منتظر ہو گی۔" شفاعت علی نے اپنے جذبوں کے یقین سے آمنہ کو دیکھا...... جس نے چونک کر دیکھا اور اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ شفاعت علی پریشان ہو کر پیچھے پیچھے آ گئے۔

"آمنہ...... کہیں تھک تو نہیں گئیں انتظار سے؟"

ان کی بات پر آمنہ پلٹ کر ان کو دیکھنے لگی۔

"یہ انتظار تمام عمر پر بھی مشتمل ہوتا تو تھکن قریب نہیں آ سکتی تھی شفاعت! مگر میں والدین کی گستاخی بھی نہیں کر سکتی۔"

"کیا مطلب آمنہ...... میں سمجھا نہیں۔"

شفاعت علی جو طوفانوں کی زد میں رہ کر بے حد حساس ہو گئے تھے اب کسی نئے صدمے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے پریشان ہو کر بولے۔

"دیکھیں شفاعت! ابو جو پڑھے لکھے سرکاری ملازم ہیں۔ ان کی اپنی بے شمار زمینیں ہیں۔ مگر وہ گاؤں کی روایتی زندگی اور دشمنیوں، جھگڑوں سے خوفزدہ ہو کر شہر کے ہو کے رہ گئے ہیں۔ ابو آپ کو بے حد پسند کرتے ہیں مگر ان کی خواہش ہے کہ میری شادی اپنے جیسے کسی گورنمنٹ آفیسر سے کریں۔ وہ زر، زمین کے جھگڑوں میں مجھے دینا نہیں چاہتے۔"

آمنہ نے نظریں جھکا کر کہا تو شفاعت علی جو کانٹوں پر چل کر اس تک آئے تھے ایک دم مرجھا گئے۔ مایوسی سے کھڑے ہو گئے اور آمنہ کے قریب آ گئے جس نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور کہا۔

"اور تم کیا چاہتی ہو؟" وہ سیدھا آمنہ کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے جہاں ان کا اپنا عکس لہرا رہا تھا۔

"عورت زندگی میں ایک بار محبت کرتی ہے شفاعت علی! اور وہ میں آپ سے کر چکی ہوں...... میری تمام چاہتیں، تمام جذبے آپ کے لئے ہیں۔ میری خواہشات آپ سے شروع ہو کر آپ ہی پر ختم ہوتی ہیں۔ آپ تو میرا خواب ہیں...... آپ کو کیا خبر شفاعت کہ اس عرصے میں مجھ پر کیا گزری ہے۔"

آمنہ خوبصورت تھی، پڑھی لکھی اور اچھے باپ کی بیٹی تھی جس کا معاشرے میں ایک مقام تھا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پیغام آتا تو وہ پریشان ہو جاتی۔ پیغام سے انکار کرنا عذاب ہو جاتا لیکن وہ یہ عذاب سہتی رہی۔

"میں اس خواب کو ٹوٹنے نہیں دوں گا آمنہ! میں خود انکل سے بات کروں گا...... جس قسم کی یقین دہانی وہ چاہیں گے وہی دوں گا۔ لیکن آمنہ میں تمہیں کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔"

"ابو کل آجائیں گے...... آپ کہاں ہیں...... اپنی کوٹھی میں یا ہوٹل میں؟"

"میں اپنی کوٹھی میں ہوں...... پتہ ہے تایا جی اور تائی ماں تو ابھی میرے ساتھ آ رہے تھے مگر میں نے سوچا پہلے میدان صاف کر لیا جائے تاکہ ان کو انکار نہ سننا پڑے۔ پرانے اور روایت پرست لوگ ہیں۔ تایا جی تو فوراً ہی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا...... اب ابو سے مل کر بات کر لیں۔"

"اچھا پھر میں چلتا ہوں...... انکل سے ملنے کل آؤں گا...... خدا حافظ۔"

انتظار کے سنسان راستے پر بیٹھی آمنہ کو امید کی کرن نظر آئی تو وہ خوش اور مطمئن ہو گئی اور دور تک شفاعت کو جاتے دیکھتی رہی۔



"دیکھو شفاعت بیٹے! میں پہلی نظر میں انسان کو پہچان لیتا ہوں۔ میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کی محبت پر اعتراض نہیں کیا۔ مگر بیٹے آئی ایم سوری، میں آمنہ کی شادی تم سے نہیں کر سکتا۔"

عباس صاحب نے پائپ میں تازہ تمباکو ڈالتے ہوئے شفاعت علی پر نگاہ ڈالی جن کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"آپ کی جو شرط تھی کہ جب تک گھر والے نہ آئیں گے آپ......" شفاعت علی نے ان کو ان کا پرانا مطالبہ یاد دلایا۔

"ہاں...... یہ بات کہی تھی۔ لیکن یوں سمجھ لو کہ تمہیں اور آمنہ کو اس وقت میں نے دلاسا دیا تھا۔ مگر اصل وجہ یہ ہے کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کسی جاگیردار سے کرنے کے حق میں نہیں تھا اور نہ ہوں۔ کیونکہ میں خود اس نظام کا منحرف ہوں۔ اس لئے کہ میں اس ماحول میں نہ تو رہ سکتا تھا اور نہ اس کا حصہ بن سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے دشمنی کی اس روایت کو توڑ دیا اور تعلیم کو اپنا لیا۔ آج گورنمنٹ ملازم ہوں اور زندگی کے تجربے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کسی گورنمنٹ

آفیسر سے کروں۔ تم بھی اگر جاگیردار کی بجائے گورنمنٹ ملازم ہوتے تو میں سوچ سکتا تھا...... یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ تم گاؤں چھوڑ کر شہر آجاؤ اور یہیں پر یا تو ملازمت کر لو یا کوئی بزنس کر لو تو پھر بات بن سکتی ہے۔ ورنہ کسی قیمت پر نہیں۔ میری طرف سے انکار ہے...... کیونکہ میں اپنی معصوم بیٹی کو روایتی دشمنیوں کی نظر نہیں کر سکتا۔"

عباس صاحب نے صاف اور دو ٹوک الفاظ میں اپنا ارادہ بتایا تو شفاعت علی کے دل میں مایوسی کی دھند اتر گئی۔ کیونکہ آمنہ کے والد نے جو شرط لگائی تھی گاؤں چھوڑ دینے کی وہ اس کے بزرگ کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے تھے۔

"پلیز آمنہ مت رو، بہت تکلیف دیتے ہیں تمہارے آنسو...... اس فیصلے کو نہ تم بدل سکتی ہو نہ میں اور ہم دونوں ہی بزرگوں سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ پھر ان کے فیصلے کو ماننا پڑے گا۔ ہمت اور حوصلے سے کام لو آمنہ......" شفاعت علی بظاہر تو آمنہ کو تسلی دے رہے تھے مگر خود اندر سے ٹوٹ رہے تھے۔

"شفاعت! یہ بزرگ کیوں نہیں سمجھتے...... کیوں خواب چکنا چور کر دیتے ہیں؟"

آمنہ سسک رہی تھی۔ شفاعت علی ضبط کئے کھڑے رہے۔ پھر جب ضبط نہ ہوا تو خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے اور آمنہ دور تک ان کے نقش پا دیکھتی رہی۔



"کیا کہا، انہوں نے انکار کیا ہے؟" ابا جی ان کی بات سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئے۔

"او ان کو معلوم نہیں تم اولاد کس کی ہو......" تایا جی غصہ میں مستقل چل رہے تھے۔ پلٹ کر شفاعت علی کو دیکھنے لگے۔

"معلوم ہے تایا جی! ان کو سب پتہ ہے۔ مگر اپنی اپنی مرضی ہوتی ہے...... اب زبردستی تو نہیں کی جا سکتی ناں۔"

"کیوں زبردستی نہیں کی جا سکتی...... اور وہ لڑکی پسند ہے تیری۔ تُو کوئی لاوارث تو نہیں تھا، کیوں سنا، کیسے سنا...... تُو لڑکی کا ہاتھ پکڑتا، بٹھاتا گاڑی میں اور آ جاتا......

میں تب دیکھتا وہ میدان میں کیسے اترتا ہے۔" تایا جی اپنے روایتی انداز میں بول رہے تھے۔

"تایا جی! مہذب خاندانوں میں ایسا نہیں ہوتا...... ٹھیک ہے جو بات ان کے مزاج میں نہیں ہمیں پھر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔"

"او تو چپ کر۔ انکار سن کے آ گیا ہے...... یہ تیرا ہی حوصلہ ہے۔ ہم نے آج تک نہ انکار سنا ہے نہ برداشت کیا ہے۔ ہاجرہ بیگم! شہر چلنے کی تیاری کرو۔" تایا جی حقہ کی نال منہ سے نکال کر غصے سے غرغرانے لگے۔

شفاعت پریشان ہو کر کبھی باپ کبھی تایا کو دیکھتے۔ آخر میں اٹھ کر تائی ماں کے پاس آ گئے۔

"تائی ماں! ان لوگوں کو سمجھائیں۔ وہ بے حد عزت دار لوگ ہیں۔" وہ ملتجی لہجے میں بول رہے تھے۔

"ناں تو ہم بے عزت لوگ ہیں جو انہوں نے انکار کر دیا...... اوپر سے شرط لگائی کہ لڑکا شہر آن کر رہے۔ ہیرے جڑے ہیں ان کی لڑکی میں کہ گاؤں میں نہیں رہ سکتی۔ اور اتنا گیا گزرا ہے ہمارا لڑکا کہ اس کی خاطر شہر جا کر آباد ہو جائے...... حد ہو گئی، کیا سمجھ کر ایسی بات کی ہے انہوں نے۔"

"تائی ماں! ایسی کوئی بات نہیں...... انہوں نے ہماری کوئی توہین نہیں کی۔ صرف اس لئے کہا ہے کہ گاؤں میں روایتی دشمنیاں ہوتی ہیں، نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ وہ خود بھی گاؤں زمینیں چھوڑ کر شہر آباد ہو گئے ہیں۔" شفاعت علی سے جس قدر ممکن تھا وکالت کر رہے تھے۔

"غیرت نہیں ہو گی ان میں جو اپنی زمین کو چھوڑ دیا۔ اور دشمنیاں بھی خاندانی لوگوں کی ہوا کرتی ہیں، جن کے گھر بار ہوتے ہیں۔ خانہ بدوشوں کی کیا دشمنی ہو گی کسی سے...... او لڑکے ڈھیلا پڑنے کی ضرورت نہیں...... اب تو تیری شادی اسی لڑکی سے ہو گی۔"

تائی ماں اپنا فیصلہ سنا کر چلی گئیں۔ تائی ماں تو مردوں کی طرح فیصلے کرتیں اور عمل کرتی تھیں۔ اور یوں اب شفاعت علی کی چاہت کی بجائے یہ رشتہ بزرگوں کے لئے چیلنج بن گیا تھا۔ وہ فکرمند سے سب کچھ دیکھتے رہے۔

"او پتر! تم کیوں فکرمند ہوتے ہو...... ہم کوئی لڑکی کو اغوا کر کے نہیں لائیں گے۔ بڑی عزت سے ووہٹی بنا کر لائیں گے۔ ان کی شرطیں مانیں گے اور اپنی منوائیں گے بھی۔"

ان کا اترا چہرہ دیکھ کر تایا جی نے پیار سے سمجھایا تو قدرے تسلی ہوئی ان کو۔ پھر بھی جب گاڑی آمنہ کے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی ان کا دل دھڑک رہا تھا خوف سے۔



"آپ لوگوں کا آنا میرے لئے بڑی عزت اور افتخار کا باعث ہے ملک صاحب! مگر میں......"

عباس صاحب نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ شجاعت علی نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو روک دیا۔

"دیکھو جی عباس صاحب! آپ پڑھے لکھے ہو، بڑے وڈے آفیسر ہو تو ہم بھی کوئی گلیوں کی خاک چھاننے والے نہیں۔ صاحب علم بھی ہیں، صاحب عقل بھی ہیں۔ باتیں کرنی اور دلائل دینے ہمیں بھی آتے ہیں اور جملوں کی کوڈی ہمیں بھی آتی ہے۔ جب دو خاندان آمنے سامنے بیٹھے ہوں تو کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو ہی جاتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے ہمیں اپنی بیٹی آمنہ چاہئے...... اسے لینے آئے ہیں اور لے کر ہی جائیں گے۔ لگائیں جو شرط لگانی ہے، ہمیں منظور ہے۔"

شجاعت علی نے بارعب آواز میں بات ہی ایسی کی تھی کہ کوئی دلیل کام نہیں کر سکتی تھی مگر عباس صاحب کچھ خوفزدہ سے تھے۔

"پھر بھی بھائی صاحب......" عباس صاحب نے زبان کھولی ہی تھی کہ سجاد علی

اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بس جی، بات مک گئی۔ بھائی جی کے سامنے کوئی بول نہیں سکتا۔ آپ ہمیں لڑکی دیں، ہم آپ کو اس کی خوشیوں کی ضمانت دیتے ہیں۔"

"یہ اجازت دیں نہ دیں میں نے تو اپنی بیٹی کو انگوٹھی پہنا دی ہے۔" ہاجرہ بیگم آمنہ کو انگوٹھی پہنا کر ساتھ ہی باہر لے آئیں تو عباس صاحب بے بسی سے اپنی بیگم کو دیکھتے رہ گئے جو پریشان تو تھیں مگر اس خیال سے کہ بیٹی کو ایسے قدر دان مل رہے ہیں خوش اور مطمئن بھی تھیں۔

"لو جی، گل ای مک گئی...... مبارک ہو جی۔" شجاعت علی نے خوشی سے لڈو عباس صاحب کے منہ میں ٹھونس دیا۔ پھر مبارک سلامت کے شور میں شفاعت علی نے چپکے سے آمنہ کو دیکھا جو شرما رہی تھی۔

"چلو جی عباس صاحب! اب تاریخ بھی طے کر لیں شادی کی۔ میرا خیال ہے اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ ٹھیک رہے گی۔ کیوں بھئی سجاد علی، ہاجرہ! تم دونوں کا کیا خیال ہے؟"

شجاعت صاحب تاریخ مقرر کر کے بھائی اور بیوی کو دیکھ رہے تھے جبکہ عباس صاحب جو اندر سے کچھ خائف بھی تھے ان کو یہ بات پسند نہ آئی تھی۔

"ملک صاحب! آپ ہر بات اپنی ہی منواتے چلے جا رہے ہیں۔ میں اتنی جلدی شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں جی...... کیوں نہیں کر سکتے؟ ایک مہینہ پڑا ہے اور پھر کیا تیاری کرنی ہے آپ نے؟ لڑکی دے دی تو سب کچھ دے دیا۔"

"اور نہیں تو کیا۔ ہمارے پاس رب کا دیا بہت کچھ ہے۔ کمی ہے کسی چیز کی جو آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ بس پندرہ تاریخ طے ہے، ہم بارات لے کر آ جائیں گے۔ پھر نہ کہنا کہ زیادتی کی ہے۔"

وہ لوگ تو ہر طرف سے گھیرے میں لے رہے تھے۔ عباس صاحب اور ان کی

بیگم پریشان ہو گئے۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ شادی کے انتظامات نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خائف تھے ان کے رویے کی وجہ سے۔ کچھ عجیب سا رویہ لگا عباس صاحب کو ان کا۔ مگر وہ اب خود کو بے بس سا محسوس کر رہے تھے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد عباس صاحب کتنی ہی دیر بے بس و پریشان سے کمرے میں بند رہے۔

"خدا پر بھروسہ کریں عباس! وہی حامی و ناصر ہے...... ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اور پھر بعض لوگوں کی عادت ہی ایسی ہوتی ہے۔ آپ ناحق پریشان نہ ہوں...... اتنا تو چاہتے ہیں وہ۔ لڑکا بھی، اس کے گھر والے بھی۔ ہمیں کیا چاہئے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے آسیہ بیگم! مگر پھر بھی نجانے کیوں مجھے کچھ عجیب سے لوگ لگے ہیں۔ دھونسو، اپنی بات منوانے والے۔ دوسرے کی مجبوری کو سننے کو تیار ہی نہیں۔" عباس صاحب الجھنوں کا شکار تھے۔

"ہاں...... کچھ عجیب سا رویہ ہے ان کا مگر محبت بڑی کرتے ہیں آمنہ سے۔ چلئے آپ خدا کا نام لے کر تیاری شروع کر دیں اور امریکہ فون کر دیں اس کے چچا اور ماموں کو کہ وقت پر پہنچ جائیں۔ اور آپ فکر نہ کریں۔ اللہ سے بہتری کی دعا کرتے ہیں۔" آسیہ بیگم ان کے ہاتھ پر گولی رکھتے ہوئے ان کو تسلیاں دے رہی تھیں۔ وہ قدرے سنبھل گئے۔



شفاعت علی کی شادی کی تاریخ مقرر ہوتے ہی گاؤں بھر میں چراغاں ہو گیا تھا۔ سارے انتظامات شجاعت علی نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس شادی کو یادگار بنانا چاہتے تھے۔ حویلی کو تو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ مہمانوں کا تانتا بندھ گیا۔ مبارک دینے کے لئے جو بھی آتا اسے شادی کی دعوت دے ڈالتے۔ تب شفاعت علی جن کو یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا بول پڑے۔

"تایا جی! یہ زیادتی ہے۔ اتنے لوگ آپ لے کر جائیں گے؟"

''اوپتر جی! ڈولتے کیوں ہو...... یہ ہمارے گھر کی پہلی خوشی ہے۔ ہم تو دل کے ارمان پورے کریں گے ہی۔ رہی بات باراتیوں کی تو میرا بس چلے تو سارے جگ کو باراتی بنا کر لے جاؤں۔ پر خیال آتا ہے تیرے سسرال کا۔ کنگلے کہاں کھلا سکیں گے۔ ان کے ہاں تو ہم اتنے ہی لے کر جائیں گے جتنی وہ اجازت دیں گے۔ پر ویسے پر ہم ارمان پورے کر سکتے ہیں کہ نہیں؟''

تایا جی نے پیار سے ان کا منہ چھوا تو وہ کچھ شرمندہ ہو گئے۔ مگر شفاعت علی کو ان لوگوں کی یہ بات پسند نہیں تھی کہ وہ آمنہ کے گھر والوں کو کمتر سمجھتے تھے اور ایسی باتیں کہہ جاتے جو ناقابل برداشت ہوتیں۔ مگر وہ بزرگوں کو کچھ کہہ بھی تو نہیں سکتے تھے۔

اور پھر وہ دن آ گیا جس کا اس حویلی کے رہنے والوں کو ایک مدت سے انتظار تھا۔ بے انتہا شور ہنگامے میں بارات آمنہ کے گھر کے سامنے تھی۔ پورا ایک گھنٹہ تک بینڈ باجے شور مچاتے رہے۔ لوگ رقص ہوتے رہے۔ نوجوانوں نے روایتی انداز میں بھنگڑا ڈالا۔ عباس صاحب کو یہ سب گراں گزر رہا تھا۔ انہوں نے دبے الفاظ میں کہا کہ یہ شہر ہے۔

''اچھا...... تو کیا شہر میں شادیوں پر ماتم کیا جاتا ہے شہنائیوں کی جگہ؟''

شجاعت علی کا ایسا جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اور پھر وہ لوگ اپنے روایتی انداز میں رسمیں ادا کرتے رہے مگر وہ خاموش رہے۔ بیٹی دے کر گویا والدین اپنی زبان کاٹ لیتے ہیں۔ وہ خاموش تماشائی بنے رہے۔ البتہ انہوں نے شفاعت کے سامنے اپنے خدشات کا اظہار کر دیا۔

''آپ فکر نہ کریں انکل! یہ سب ان لوگوں کی محبت کا انداز ہے جو پسند تو مجھے بھی نہیں مگر کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ دل کے برے لوگ نہیں۔ آپ بس اللہ سے ہمارے لئے دعا کریں۔'' شفاعت علی نے پریشان حال سسر کو دلاسا دیا۔

''بیٹا دعا کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں...... خوش رہو۔'' وہ افسردہ سے اٹھ کر باہر آ گئے۔

آمنہ پڑھی لکھی نفیس مزاج لڑکی تھی۔ مگر دلہن اسے روایتی انداز میں بنایا گیا۔ ایک تو بھاری لباس اوپر سے من بھر سونا جس کے متعلق اس کی تائی ساس بار بار ہدایت کر کے جاتی تھیں۔ ایک چیز بھی نہیں اتارنی ہے۔ یوں ہی بیٹھی رہو۔ لوگ آتے ہیں دیکھنے کے لئے۔''

صبح سے وہ نمائش کے لئے رکھ دی گئی تھی۔ صبح سے اس نے شفاعت کی صورت نہیں دیکھی تھی بیٹھے بیٹھے اس کی گردن اکڑ گئی تھی۔ وہ سب بوجھ اتار کر لیٹنا چاہتی تھی مگر تائی ساس کی چبھتی نظروں کا ایسا خوف تھا کہ وہ جگہ سے ہل بھی نہیں سکی تھی۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ حویلی میں شور ہنگامہ ویسا ہی تھا۔ اسے اپنی بے بسی پر رونا سا آ گیا۔ ذرا گھونگھٹ ہٹا کر دیکھا، عروسی کمرے کو روایتی انداز میں سجایا گیا تھا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے کے عقب میں بڑی سی کھڑکی تھی۔ اسے انجانی سی خوشی ہوئی۔ وہ بیٹھ بیٹھ کر تنگ آ گئی تھی۔ آہستہ سے اٹھی۔ خنکی کے باوجود اس کا تازہ ہوا کھانے کو جی چاہ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے کھڑکی کھولی، کوئی چیز اس کے منہ پر آ کر لگی اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی......

شفاعت علی جو اپنے کمرے ہی کی طرف آ رہے تھے آمنہ کی چیخ سن کر بے تابی سے کمرے کی طرف بھاگے۔ دیکھا تو آمنہ کھڑکی کے قریب بے ہوش پڑی ہے اور اس کے قریب پٹاری پڑی ہے جس میں سے سانپ نکلنے کی کوشش کر رہا ہے مگر نکل نہیں پا رہا......

انہوں نے بمشکل حواس بحال کئے اور آگے بڑھے۔ آمنہ کو دیکھنے کی بجائے پٹاری اٹھا کر باہر پھینکی اور ذرا اچک کر دیکھا تو منہ لپیٹے کوئی شخص تیزی سے بھاگ گیا۔ وہ ذہنی طور پر بے حد پریشان ہو گئے۔ سہاگ رات کو ہونے والا یہ واقعہ معمولی نہیں تھا۔ کسی نے دانستہ ان کی دلہن پر سانپ پھینکا تھا۔

انہوں نے گھبرا کر آمنہ کو دیکھا۔ خدا کے فضل سے وہ ٹھیک تھی۔

آمنہ کو بازو میں اٹھا کر بستر پر ڈال ہی رہے تھے کہ تائی ماں آ گئیں۔ انہوں

نے شفاعت علی کو گھورا۔

''یہ کیسا شور تھا..... کون چیخا تھا.....؟'' تائی ماں نے خاصی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''تائی ماں! یہ چیخ آمنہ کی تھی۔ میں بھاگ کر اندر آیا تو یہ بے ہوش پڑی تھی اور ایک سانپ کی پٹاری اس کے قریب پڑی تھی۔'' گھبرائے ہوئے شفاعت علی ان کو ساری تفصیل بتا رہے تھے۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے..... سانپ اور یہاں کیسے آسکتا ہے۔ وہم ہوگا تمہاری ووہٹی کا۔ یوں بھی یہ شہرنیں نخرے کچھ زیادہ ہی دکھاتی ہیں۔'' تائی ماں نے بے ہوش پڑی آمنہ پر ناگوار سی نگاہ ڈالی تو شفاعت علی کو غصہ آگیا۔

''ایسی بات نہیں ہے تائی ماں! وہ اس کا وہم نہیں تھا۔ میں نے خود اس پٹاری کو اٹھا کر باہر پھینکا۔ اور جھانک کر دیکھا تو کوئی نقاب پوش جلدی سے بھاگ گیا۔'' شفاعت علی تائی ماں کو پھر تفصیل بتانے لگے۔ انہوں نے نظریں چرالیں، پھر آمنہ کو دیکھا۔

''ہوں ٹھیک ہے..... میں پتہ لگواتی ہوں یہ کس کی حرکت ہے..... ویسے تو مجھے اس پر اثر ہی لگتا ہے..... کہاں ہے سانپ، کہاں ہے پٹاری..... یہاں اگر کچھ ہوتا تو پڑا ہوتا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

تائی ماں نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ تائی ماں کے کہنے پر شفاعت علی نے بھی جھانک کر دیکھا تو واقعی وہاں نہ پٹاری تھی نہ سانپ۔ وہ حیران کن نظریں لئے تائی ماں کی طرف پلٹے۔

''تائی ماں! یہ کیا ڈرامہ ہے..... ابھی میں نے اپنے ہاتھوں سے سانپ کو پٹاری سمیت پھینکا ہے۔ خود آدمی کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔'' شفاعت علی کو بے حد حیرت ہو رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے رونما ہونے والا واقعہ جس کے وہ چشم دید گواہ تھے جھٹلایا جا رہا تھا۔

''نجانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ پھر بھی پتہ کراتی ہوں کہ دلہن کے ساتھ ایسا کیوں ہوا..... تم اسے ہوش میں لاؤ اور کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ ایک تو پڑھی لکھی لڑکیوں کو نہ کھانے کا پتہ نہیں کیوں مرض لاحق ہوتا ہے۔ اور سنو..... اس حویلی کی اپنی روایات ہیں، اس کو سمجھا دینا۔'' تائی ماں نے کڑی سی نگاہ آمنہ پر ڈالی اور آگے بڑھ گئیں۔

''جی بہتر..... میں سب کچھ سمجھا دوں گا۔'' شفاعت علی کی مجال تھی کہ بزرگوں کے حکم سے سرتابی کرتے۔



سہاگ رات کو پیش آنے والے واقعے نے آمنہ کو سہما دیا تھا۔ خوف اس کی رگوں میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے اس ساری حویلی ہی سے خوف آتا۔ ہر کوئی مشکوک اور خطرناک لگتا۔ وہ سہمی سی کمرے میں بند رہتی۔ ایک تو اسے ہر وقت من بھر زیورات میں لپٹے رہنے کا حکم تھا کہ کسی وقت بھی کوئی دیکھنے آسکتا ہے۔ جو کچھ بھی کرنا ہوتا وہ تائی ماں کے حکم سے کرنا ہوتا۔ اسے کس کروٹ بیٹھنا ہے، کس طرح بڑے اور چھوٹے لوگوں سے بات کرنی ہے یہ سب تائی ماں کے حکم سے ہوتا۔

''اگر زندگی کا یہی شیڈول رہا تو..... تو شفاعت! میں زیادہ عرصہ نہ جی سکوں گی۔'' شفاعت علی جیسے ہی اندر آئے وہ سسک پڑی۔ شفاعت علی بھی تو جاگیر کے کاموں میں مصروف ہو کر ایک طرح سے اس سے بے نیاز ہوتے چلے جا رہے تھے اور یہ بات آمنہ کی برداشت سے باہر تھی۔

''ہمت سے کام لو آمنہ! یہ ہماری حویلی کی روایات ہیں..... اس حویلی کی خواتین کو ایسے ہی رہنا پڑتا ہے۔ تائی ماں کو دیکھو..... تم بھی عادی ہو جاؤ گی آہستہ آہستہ۔ اور پھر جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔'' شفاعت علی اس کا ہاتھ تھامے اسے پیار کا یقین دلاتے تو وہ کچھ دیر کے لئے بہل جاتی۔

''مائنڈ نہ کریں شفاعت! یہ آپ کی تائی ماں کچھ پراسرار سی خاتون ہیں۔ سچ مجھے بے حد خوف آتا ہے ان سے..... ایسی نظروں سے دیکھتی ہیں کہ جان نکل جاتی

ہے میری تو...... اور پھر ہر وقت ان کی ٹوکا ٹاکی، کبھی کبھی تو میں ہمت ہارنے لگتی ہوں شفاعت۔"

وہ شفاعت کے سامنے حالِ دل کہتے ہوئے سسک پڑتی۔ وہ والدین کی اکلوتی بیٹی، آزاد فضاؤں کی پنچھی تھی جس کے پَر کاٹ کر پابند سلاسل کر دیا گیا تھا۔

"ایسی باتیں نہ سوچو آمنہ! ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ تمہیں ہمت کرنی پڑے گی، ہر حال میں...... تائی ماں تمہیں تیار کر رہی ہیں۔ ان کے بعد تم ہی تو ہو گی اس حویلی کو سنبھالنے والی۔"

"شفاعت! مت کریں ایسی باتیں...... دم گھٹتا ہے میرا۔ خوف آتا ہے اس حویلی سے مجھے...... وہ دیکھیں ابھی ایک انسانی ہیولا یہاں کھڑکی کے سامنے سے گزرا ہے۔ دیکھا تھا آپ نے؟"

بات کرتے کرتے آمنہ کی نگاہ کھڑکی پر پڑی تو وہ خوفزدہ ہو کر شفاعت کے قریب بیٹھ گئی جو اس کے کہنے پر کھڑکی کی جانب دیکھ رہے تھا مگر اب وہاں کچھ نہیں تھا۔

"تمہارا وہم ہو گا آمنہ...... ورنہ یہ میرا کمرہ ہے...... یہاں تو چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی۔" اس کے دل سے خوف مٹانے کے لئے ایک بار شفاعت علی نے بھی اس کے سچ کو وہم قرار دے دیا تا کہ وہ خوفزدہ نہ ہو۔ لیکن اندر سے وہ خود پریشان تھے مگر کوئی سرا خود ان کے ہاتھ میں نہیں آتا تھا۔ سانپ والا واقعہ بھی کسی مسئلے کی فائل کی طرح دب چکا تھا۔

"آخر آپ مانتے کیوں نہیں شفاعت...... کوئی آتا ہے جب آپ نہیں ہوتے، اکثر، ابھی ابھی......" آمنہ خوف زدہ نظروں سے کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ہو سکتا ہے...... کیونکہ باہر بہت گند ہو رہا تھا۔ میں نے تائی ماں سے کہا تھا صفائی کرانے کو...... شاید وہ کوئی بندہ ہو۔" اس طرح کی تسلی دے کر شفاعت علی اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس کے اندر خوف ناک سائے پھیل

رہے تھے۔

"شفاعت! میں کچھ دنوں کے لئے امی کے پاس جانا چاہتی ہوں پلیز۔" آمنہ نے منت بھرے لہجے میں کہا تو شفاعت علی پریشان ہو گئے۔ کیونکہ ابھی رات ہی تو یہ ذکر ہوا تھا کہ آمنہ کو کچھ دنوں کے لئے شہر بھیج دیا جائے۔ تب تائی ماں نے کتنی سخت مخالفت کی تھی۔

"ہاں آمنہ! میں بات کروں گا تائی ماں سے...... اگر انہوں نے اجازت دے دی تو لے چلوں گا۔"

"یہ کیا زندگی ہے شفاعت کہ ہماری زندگی بھی ہماری نہیں رہی۔ تائی ماں کہیں گی تو سانس لینا ہے۔ اجازت نہیں ملے گی تو چاہے دم گھٹ جائے آپ نے سانس نہیں لینا۔ اجازت نہیں ہے تو ہلنا بھی نہیں۔ شفاعت! میں اس حکم کی......"

باقی کی بات اس کے لبوں پر دم توڑ گئی۔ کیونکہ ہلکی سی دستک دے کر تائی ماں اندر آ گئی تھیں۔ آمنہ کا رنگ فق ہو گیا۔ شفاعت علی ایک دم کھڑے ہو گئے۔ تائی ماں نے ایک خونخوار نگاہ دونوں پر ڈالی۔

"تائی ماں آپ...... حکم کریں......؟" شفاعت علی فرمانبردار غلام کی طرح ہاتھ باندھ کر ان کی طرف بڑھے۔

"حکم...... میرے حکم کرنے کے دن اب گئے پتر جی! میرے حکم برے لگتے ہیں تمہاری بیوی کو۔" تائی ماں نے تیکھی نظروں اور کٹیلے لہجے میں کہا تو دونوں اپنی جگہ پر خوف زدہ ہو گئے۔ صاف ظاہر تھا انہوں نے آمنہ کی بات سن لی ہے۔ شفاعت علی نے شاکی نظروں سے آمنہ کو دیکھا اور معافی مانگنے کی ہدایت کی تو وہ پریشان ہو گئی۔

"تائی ماں...... میں معافی چاہتی ہوں۔ دراصل میں......" الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ تائی ماں کے خوف سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ لگ بھی بہت خوفناک رہی تھیں جیسے ابھی پھٹ جائیں گی بم کی طرح اور سب کچھ تباہ کر دیں گی۔

"تم ابھی اور اسی وقت شہر جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے واقعی دھماکا

کیا اور ان دونوں کو سکتے میں چھوڑ کر باہر نکل گئیں۔ دونوں دم بخود رہ گئے۔

"شفاعت! یہ کیا ہو گیا......؟" آمنہ ان سے لپٹ کر رو پڑی۔ خود شفاعت پریشان ہو گئے تھے۔

"تم سے کہا بھی ہے تائی ماں کا خیال رکھا کرو مگر...... چلو اب ذرا ہمت سے کام لو۔ میں پتہ کرتا ہوں کیا بات ہے۔"

شفاعت علی جب مردانے میں آئے تو پتہ چلا کہ آمنہ کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اس لئے آمنہ کو فوری طور پر شہر جانا ہے۔ شفاعت علی کو ایک طرح کا اطمینان ہوا...... آمنہ ابو کی بیماری کا سن کر سب کچھ بھول گئی۔

"شفاعت! میں اسی لئے تو کہہ رہی تھی میرا دل گھبرا رہا ہے۔ گھر میں خیریت ہو۔"

"اچھا اب روؤ نہیں...... اللہ سے دعا کرو۔" شفاعت علی اسے تسلیاں دے رہے تھے۔

دونوں جب تیار ہو کر باہر آئے تو شجاعت علی اور ہاجرہ بیگم بھی آن کھڑے ہوئے۔ آمنہ خوفزدہ ہو گئی۔ کیونکہ دونوں اس کو کڑی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس کا دل ڈول گیا۔

"چلو بیٹھو......" شفاعت علی نے آمنہ کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا اور دوسرا دروازہ کھول کر خود بیٹھنے لگے۔

"شفاعت علی! تم نہیں جا رہے......" شجاعت علی کی کڑک دار آواز پر شفاعت کا پاؤں میکانکی انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"میں...... میں اکیلی جاؤں گی؟" آمنہ رو پڑی۔ قدم قدم پر دل توڑ دینے والے فیصلے صادر ہو رہے تھے۔

"ملازمین کی فوج فصل کاٹنے کے لئے نہیں ہے۔ دو ملازم اور ڈرائیور تمہارے ساتھ جا رہا ہے...... اور سنو بہو رانی! ہاسپٹل سے باپ کو دیکھ کر واپس آ جانا وہاں

ٹھہرنے یا گھر جانے کی اجازت نہیں۔" تائی ماں نے کہا۔

اف یہ کیسی زندگی ہے...... اس کی محبت کے کیسے پھول کھلے ہیں اس کے دامن میں کہ روح جھلس گئی تھی۔ ایسی پُر خار زندگی کا خواب تو نہیں دیکھا تھا اس نے۔ اتنی سختیاں، اتنی پابندیاں کہ سگے باپ کے گھر جانے اور رہنے پر پابندی تھی۔ آمنہ نے دھندلی آنکھوں سے شفاعت علی کو دیکھا جو اس وقت اس سے زیادہ بے بس لگ رہے تھے۔ وہ دور تک اس کی گاڑی کو دیکھتے رہے پھر مُردہ دل لئے اندر آ گئے۔



"امی......"

آمنہ ہاسپٹل میں امی کے گلے لگ کر نجانے کون کون سے دکھوں پر آنسو بہا رہی تھی۔

"خدا کا شکر ادا کرو بیٹی! اب تمہارے ابو بہتر ہیں۔ تم اسی روز کیوں نہیں آئیں؟ تمہارے ابو جب بھی ہوش میں آتے تمہارا پوچھتے۔"

"کس روز امی...... مجھے تو آج ہی اطلاع ملی ہے اور آج ہی آ گئی ہوں۔ کیا آپ نے پہلے بلوایا تھا؟" آمنہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا جو اس کے نہ آنے پر شکوہ کر رہی تھیں۔

"ہاں اور نہیں تو کیا۔ تین دن پہلے جب تمہارے ابو کی حالت خراب ہوئی میں نے اطلاع بھیج دی تھی۔"

"اچھا...... مگر امی مجھے تو......" ایک اور پتھر دل میں پیوست ہو گیا۔ گویا حد ہو گئی تھی کہ اس کا باپ موت سے لڑ رہا تھا اور اسے خبر تک نہیں ہونے دی تھی اس پراسرار عورت نے۔

اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ ماں کو دکھی کرنا نہیں چاہتی تھی اپنی زندگی کے زخم دکھا کر۔

ابو سے مل کر کچھ باتیں کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رہو گی نہیں بیٹی؟ رہو چند روز میرے پاس...... بہت دل چاہتا ہے۔" ابو نے نحیف آواز میں کہا تو وہ بمشکل خود پر ضبط کر پائی۔ اس کا اپنا کتنا دل چاہتا تھا رہنے کو مگر اسے اجازت کہاں تھی۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے ابو...... مگر وہ تایا جی ہیں ناں ان سے اجازت نہیں لی۔ آپ تو جانتے ہیں کہ خود شفاعت بھی ان کے حکم کے بغیر قدم نہیں اٹھاتے۔ ہم کیا پوری حویلی، پورا گاؤں ان کے......" بولتے بولتے اس کی آواز بھیگ گئی۔

"جانتا تو میں بہت کچھ ہوں بیٹی! مگر بیٹیوں کے نصیب کا کیا، کیا جائے...... جاؤ بیٹی جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔"

اور پھر وہ بیمار باپ اور دکھی ماں کی آنکھوں میں اپنی محبت کی تشنگی دے کر دکھتے دل کے ساتھ واپس آ گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا توڑ ڈالے سارے رشتے، بغاوت کر دے، اس قید سے مفرور ہو جائے...... مگر وہ اپنے پَر کٹا چکی تھی۔ اب تو اسی قفس میں، اسی زنداں میں جینا تھا۔

وہ واپس لوٹی تو شفاعت علی کو بے تابی سے اپنا منتظر پایا۔

"کیسے تھے انکل؟" وہ تیزی سے آمنہ کی طرف بڑھے۔ وہ بہت خفا تھی۔ اسے ان سے سخت شکایت تھی۔

"اللہ کے کرم سے بچ گئے ہیں۔" ساتھ ہی بے شمار آنسو اس کے رخساروں پر بہہ گئے۔ شفاعت علی قریب آ گئے۔

"کیا بات ہے آمنہ...... خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے اس کے آنسو صاف کر دیئے تو اس نے خفگی سے منہ موڑ لیا۔

"آپ کو معلوم ہے شفاعت کہ ابو کی بیماری کی اطلاع تین دن قبل آئی تھی جب وہ بے حد سیریس تھے اور مجھے اطلاع آج دی گئی۔ کیوں؟ اگر خدانخواستہ ابو کو کچھ ہو جاتا تو......؟"

"کیا واقعی؟ اگر ایسا ہے تو بہت غلط ہوا ہے...... بخدا مجھے قطعی علم نہیں تھا۔"

شفاعت علی کو سخت افسوس ہو رہا تھا۔

"شفاعت علی! ہم نے اسی بے خبری کی نظر ہو جانا ہے ایک دن اور آپ کو خبر بھی نہیں ہو گی۔ شفاعت! آپ اتنے ہی بے بس تھے تو کیوں آپ نے......" آمنہ سسک پڑی۔ شفاعت علی شرمندہ سے ہو گئے۔ مگر وہ خود اس گھر اور اپنے بزرگوں کے پراسرار رویے کو نہیں سمجھ سکے تھے۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں آمنہ! لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟"



"آمنہ......"

تائی ماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پکارا۔

"حکم تائی ماں......" فرمانبرداری مجبوری بن کر اس کے ہونٹوں پر آگئی۔

"یہ لو سنبھالو چابیاں...... اب مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام۔" تائی ماں نے ڈھیر ساری چابیوں کا گچھا اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں تائی ماں...... خدا آپ کو طویل عمر عطا فرمائے۔ میں ابھی اس لائق نہیں کہ اتنی ذمہ داریاں نبھا سکوں۔" اس نے خوف زدہ نظروں سے ان کو دیکھا جن کے ماتھے کی ایک سلوٹ درازیٔ عمر کا سن کر کم ہو گئی باقی ہنوز رہیں۔

"ٹھیک ہے...... آؤ میرے ساتھ۔"

شفاعت علی صبح سے نجانے کہاں تھے۔ ان کے ساتھ کسی انجانی جگہ پر جاتے ہوئے آمنہ کو خوف آرہا تھا مگر حکم تھا، انکار کیسے کر سکتی تھی۔ ان کے پیچھے چلتی نجانے حویلی کے کس حصے میں پہنچ گئی۔

"بہو رانی! اس حویلی کی بہو بننے کا تمہیں بڑا شوق تھا ناں...... اب اس کی ذمہ داریاں بھی سنبھالو۔ یہ گندم پڑی ہے اور یہ چکی ہے...... تمہیں یہ گندم پیسنی ہے۔" انہوں نے ایک طرف گندم کے ڈھیر اور دوسری طرف رکھی چکی کی طرف اشارہ کیا تو آمنہ کی جان حلق میں آگئی۔ یہ کام کرنا تو کجا اس نے چکی کو دیکھا پہلی بار تھا۔

"مگر تائی ماں! مجھے تو یہ نہیں کرنا آتا۔" آواز حلق میں آنسوؤں کے گولے کے ساتھ اٹک گئی۔

"کرو گی تو آئے گا ناں...... مجھے اور سکینہ بیگم کو بھی یہ کام کرنا نہیں آتے تھے مگر ہماری ساس نے شادی کے تیسرے روز یہاں لا کھڑا کیا تھا۔ گھر میں ملازم ہونے کے باوجود ہمیں تمام کام خود کرنا پڑتے تھے۔ ہم نے تو کچھ نہیں کہا تھا، خاموشی سے جی...... جی کرتے کام کرتے جاتے تھے...... یہ حویلی کے ریت رواج ہیں...... ان پر عمل اس گھر کی ہر بہو کو کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں بھی کرنا پڑے گا۔ اپنی ساری ڈگریاں سنبھال کر رکھ دو یا آگ لگا دو...... اب تمہیں یہ سب کچھ ہی کرنا ہے۔ چلو جلدی کرو...... تمہارے تایا کہہ کر گئے ہیں آج وہی روٹی کھائیں گے جس کا آٹا تم اپنے ہاتھوں سے پیسو گی۔"

انتہائی سفاکی سے اس کی ڈگریوں کو آگ لگا کر آٹا پیسنے کا حکم دے کر ہاجرہ بیگم اب منتظر تھیں کہ وہ بیٹھے اور فوراً آٹے کا ڈھیر لگا دے۔

"مگر تائی ماں! میں کیسے پیسوں گی؟ مجھے بالکل بھی نہیں آتا۔"

والدین کی اکلوتی ناز و نعم میں پلی بڑھی آمنہ جس سے امی نے کبھی کوئی کام نہیں کروایا تھا، آٹا تک نہیں گوندھوایا تھا، تائی ماں اسے چکی پر آٹا پیسنے کا حکم دے رہی تھیں۔ آنسو تھے کہ بند توڑ کر بہنا چاہتے تھے۔

"نذیراں چل بی بی کو چکی گھمانا سکھا دے۔"

اور پھر نذیراں نے آمنہ کے نازک ہاتھوں کو چکی چلانا سکھایا۔ چکی اتنی وزنی تھی کہ آمنہ کے بازو ایک ہی چکر میں شل ہو گئے۔ وہ ضبط نہ کر سکی اور شدت سے رو پڑی۔ ہاجرہ بیگم تیکھی نظروں سے دیکھتی رہیں اور نذیراں کو اشارہ کیا کہ اب وہ ہٹ جائے۔

"پہلی بار تو بڑا رونا آتا ہے، چکی چلتی نہیں۔ جب چل پڑتی ہے تو آٹے کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ بارہ سال کی عمر تھی میری جب میں اس گھر میں ووہٹی بن کر آئی تھی۔ ساس نے تیسرے دن چکی کے سامنے بٹھا دیا تھا۔ پھر چاول چھٹنے، لکڑیاں وہ بھی خاص کر گیلی لکڑیاں منگوایا کرتی تھیں۔ پھونکیں مار مار کر میری جان نکل جایا

کرتی تھی۔ مگر حکم ہوتا تھا تو کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے بہو رانی تم بھی اب اس گھر کی بہو ہو اور سارے کام کرنے پڑیں گے۔ آنذیراں میرے ساتھ...... کچھ دیر بعد چکر لگا لینا آٹا کتنا ہوا ہے۔ تاکہ رات کے کھانے پر اسی آٹے سے روٹیاں پکائی جائیں۔"

ہاجرہ بیگم اپنے ماضی کے واقعات سنا رہی تھیں یا اسے ان کاموں کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ آمنہ کو کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ تو کام میں لگی ہوئی تھی۔ اس کے نازک ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے اور بازو لگتے تھے ساتھ ہیں ہی نہیں۔ اس کا جی چاہا توڑ ڈالے ان زنجیروں کو، بھاگ جائے اپنے پیارے ماں باپ کے پاس جو اب اس کی صورت کو بھی ترس گئے ہیں۔

وہ اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی تو قدم کہیں رکھتی پڑتا کہیں تھا۔ تھکن سے سارا بدن چور تھا۔ اس نے ایسی مشقت کہاں کی تھی۔ وہ بستر پر پڑی روئے جا رہی تھی۔ زخموں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ شفاعت تو صبح سے غائب ہوتے تو رات گئے لوٹتے۔ اس وقت بھی جب وہ لوٹے تو آمنہ ہاتھ تھامے روئے جا رہی تھی۔ شفاعت تڑپ کر اس کی طرف بڑھے۔

"کیا ہوا آمنہ...... خیریت تو ہے؟" انہوں نے آمنہ کے ہاتھ تھام لئے۔ پورے ہاتھوں پر چھالے پڑے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا آمنہ...... کیسے ہوا یہ سب...... کیسے چھالے پڑے؟" وہ تڑپ اٹھے آمنہ کی تکلیف پر۔

"یہ زخم محبت کے عطا کردہ ہیں شفاعت! ان کی لذت ہی اور ہے۔" وہ روتے روتے مسکرا پڑی تو شفاعت علی کو کچھ شک گزرا۔ انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"آمنہ! سچ بتاؤ کیا ہوا ہے...... میں تمہارے ساتھ یہ سلوک کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ بتاؤ۔"

جواباً آمنہ نے سب کچھ بتا دیا تو شفاعت علی کھول اٹھے۔ ہاجرہ بیگم پر شدید غصہ آ گیا ان کو۔

"میں ابھی پوچھتا ہوں ان سے جا کر...... آخر وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں...... گھر کے نوکر مر گئے تھے کیا...... کاش...... کاش آمنہ! میری ماں زندہ ہوتی تو تب تمہیں پتہ چلتا کہ محبت کیا چیز ہے۔ ماں کی محبت کتنی بڑی رحمت ہے۔ کتنا ارمان تھا ان کو تمہیں دیکھنے کا، تمہیں میری دلہن بنانے کا...... مگر موت نے انہیں مہلت ہی نہیں دی۔"

شفاعت علی ماں کا تذکرہ کرتے ہوئے دکھی ہو گئے۔ وہ الماری سے مرہم نکال کر آمنہ کے ہاتھوں پر لگانے لگے۔

صبح وہ تائی ماں کی عدالت میں آمنہ کا مقدمہ لڑ رہے تھے۔

"اچھا...... آتے ہی بھر دیا بیوی نے...... لڑکے! زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے وہی کچھ کیا جو اس گھر کی بہوئیں کرتی ہیں۔ وہ اس کو بھی کرنا پڑے گا۔ نہیں کر سکتی تو چلی جائے اپنے والدین کے گھر۔" ہاجرہ بیگم نے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا۔

"تائی ماں! یہ گستاخی نہیں؟ ملازم تو اس گھر میں کسی رواج کی طرح ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ پھر......"

"ملازم تو اس وقت بھی تھے جب میں بارہ سال کی عمر میں یہ سب کرتی تھی۔ تیری ماں کی آنکھیں گیلی لکڑیوں کو پھونکیں مارتے مارتے اندھی ہو جایا کرتی تھیں۔ اس کو کوئی ہیرے تو نہیں جڑے کہ یہ سب کچھ نہیں کرے گی۔ اس تخت پر بیٹھ کر راج کرے گی۔ اور تمہیں کس نے کہا کہ بیوی کے کہنے پر آ کر میرے منہ آؤ...... شرم لحاظ ختم کر دیا ہے اس نے تمہارا۔ جاؤ اندر آرام کرو۔ اور خبردار جو آئندہ اس کی حمایت کی تو...... غضب خدا کا یہ زمانہ آ گیا ہے۔ بیوی نے ذرا کام کیا کہ آ گئے حمایتی بن کے...... ایک ہمارا زمانہ تھا، ساس نجانے کیا کیا ستم ڈھایا کرتی تھیں، کبھی شوہر کو خبر نہیں کی تھی۔"

ہاجرہ بیگم تو نجانے کب تک بولتی رہیں۔ شفاعت علی وہاں سے آ گئے۔ وہ تو

آمنہ سے بھی زیادہ بے بس اور بے اختیار تھے۔



یہ مشقتیں اب آمنہ کی زندگی کا معمول بن گئی تھیں۔ وہ بھی اب عادی ہوتی جا رہی تھی۔ مگر جو بات اذیت پہنچاتی وہ یہ تھی کہ والدین سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر وہ آ جاتے تو ایک آدھ گھنٹہ تک رکتے پھر چلے جاتے۔ اس بار جب ابو آئے تو انہوں نے شجاعت علی کو ان کا وعدہ یاد دلایا کہ انہوں نے کن شرطوں پر آمنہ کا رشتہ لیا تھا۔

”ملک صاحب آپ نے تو کہا تھا کہ شادی کے بعد ہماری بیٹی شہر ہی میں رہے گی۔“ عباس صاحب بیٹی کے باپ تھے۔ ہر بات احتیاط سے کرتے کہ کہیں ان کو ناگوار نہ گزر جائے۔ اور انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ بات شجاعت علی کے تیور بگاڑ گئی ہے۔

”ہاں تو جی ہم کوئی اپنی زبان سے پھرے تو نہیں ناں...... آپ کی بیٹی چاہے تو شہر جا کر رہ سکتی ہے۔ آپ کے گھر رہنا چاہے تو وہاں رہے۔ ورنہ ہماری اپنی کوٹھی کلفٹن میں موجود ہے وہاں رہے مگر......“

مگر کے بعد شجاعت علی نے نظریں چرا لیں۔ حقہ کی نال منہ میں لگائی اور غڑ غڑ کرنے لگے اور عباس صاحب مگر کی کشمکش میں الجھ کر رہ گئے۔

”آپ کچھ کہہ رہے تھے ملک صاحب!“ عباس صاحب نے کہا۔

”ہاں...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ آمنہ دھی ہے...... جہاں چاہے رہے مگر اکیلی۔“ شجاعت علی نے جیسے دھماکا کیا۔

”اکیلی...... یہ کیا بات ہوئی ملک صاحب؟“ عباس صاحب کو قدرے غصہ آ گیا۔

”او دیکھو ناں جی...... یہی بات طے ہوئی تھی ناں کہ لڑکی شہر میں رہے گی۔ میں نے لڑکے کی حامی نہیں بھری تھی۔ آپ چاہیں تو اپنی بیٹی کو شہر لے جائیں۔ آپ کی

لڑکی آپ کے پاس، ہمارا لڑکا ہمارے پاس۔ اگر یہ منظور نہیں تو لڑکی کو سمجھائیں کہ لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر اور سسرال کا ہوتا ہے۔ یہاں دل لگائے......“

شجاعت علی نے بات ہی ایسی کہی تھی کہ عباس صاحب بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ انہوں نے شاکی نظروں سے شفاعت کو دیکھا، وہ نظریں کترا گئے۔ سب ہی تو مجبور تھے۔ مجبور اور بے بس والدین آئے اور اپنا سامنہ لے کر چلے گئے۔ آمنہ سسک کر رہ گئی۔



آمنہ اور شفاعت علی کی زندگی ہر روز ایک نئے ستم، ایک نئے ظلم سے آشنا ہوتی۔ کبھی کبھی تو دونوں فرار کی سوچتے مگر شفاعت علی جانتے تھے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ دونوں تنہائی میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے دل کی باتیں کہتے، سنتے۔

ان کی زندگی دکھوں کی داستان رقم کرتی جا رہی تھی کہ اسی دوران اللہ نے ان کو چاند سا بیٹا عطا کر دیا۔ آمنہ کو لگا جیسے اس کے تمام زخم مندمل ہو گئے ہوں...... وہ بے حد خوش تھی اور خدا کی شکر گزار بھی کہ جس کی پاک ذات نے دکھوں کی اس تاریکی میں اسے روشنی عطا کی تھی۔ مگر اس نے اپنے بیٹے کو جی بھر کے دیکھا بھی نہیں تھا کہ شجاعت علی نے اعلان کر دیا کہ یہ بیٹا وہ پالیں گے اور اس کا نام بھی انہوں نے خود ہی وجاہت علی رکھ دیا۔

آمنہ جو اپنی دکھی روح لئے بیٹے کی معصوم محبت میں پناہ لینا چاہتی تھی، ویسی کی ویسی خالی گود رہی۔ وجاہت علی تمام وقت اپنے دادا اور دادی کے پاس رہتا۔ ہاجرہ بیگم اپنے پرانے طریقوں سے اس کی پرورش کر رہی تھی۔ جب مالش کرتیں تو وہ بلک بلک کر روتا۔ وہ تڑپ کر اسے اٹھانے کو آگے بڑھتی تو ہاجرہ بیگم اسے پیچھے ہٹا دیتیں۔ وہ خالی ہاتھ لوٹ آتی۔

”شفاعت! یہ کیا زندگی ہے کہ میں اپنی ہی اولاد کو پیار نہیں کر سکتی۔ تائی ماں وجاہت پر قبضہ کر رہی ہیں۔ مجھے تو اس کے قریب بھی نہیں آنے دیتیں۔ یہ عورت

ہیں یا ڈائن۔ پہلے میری زندگی کی خوشیوں کو آگ لگائی، اب میرے بچے پر قبضہ کر لیا ہے۔ سن رکھو شفاعت علی! میں اپنا بیٹا ان کو نہیں دوں گی۔ میں ترس گئی ہوں وجاہت کو دل بھر کے پیار کرنے کو۔"

وہ اپنے دکھ اپنے ہمدرد اپنے ساتھی شفاعت علی ہی سے کہہ سکتی تھی جو خود اس کی طرح بے بس و بے اختیار تھے۔

"آمنہ میں خود اس سلسلے میں بے حد پریشان ہوں...... میں خود نہیں چاہتا کہ وجاہت ان کی زیر تربیت پروان چڑھے۔ مگر اب کیا کیا جائے۔ تایا اور تائی اماں بے اولاد ہونے کا خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ابھی سے اس سے اتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں تایا جی جو اس کی سمجھ سے بالا ہیں...... مگر کیا کریں، ابا جی سے کچھ کہتا ہوں تو وہ الگ ڈانٹ دیتے ہیں کہ وہ بے اولاد ہیں اور بے اولاد کی آہ نہ لینا۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" شفاعت علی نے سر تھام لیا۔

"اور یہ تائی ماں نجانے کیا کیا چیزیں اسے کھلاتی اور چٹاتی رہتی ہیں اور مالش تو ایسے کرتی ہیں کہ مجھے لگتا ہے اس کا کوئی عضو اِدھر اُدھر نہ ہو جائے...... اور...... اور کپڑے ابھی سے اسے مردوں والے پہناتی ہیں۔ اس کی معصومیت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کچھ کہوں تو کہتی ہیں تم چپ رہو، تم کون ہو، مرد بیٹا ہے یہ تو مردوں جیسے لباس ہی پہنے گا۔ اس روز امی اتنے قیمتی بچوں والے کپڑے لے کر آئیں تو تائی ماں نے انتہائی حقارت سے ان کو پھینک دیا کہ ایسے کپڑوں سے تو میں اپنے بچے کا گند بھی صاف کرنا گوارا نہیں کرتی۔ امی کا منہ اتر گیا۔ شفاعت! ہمارا کچھ بھی نہیں، ہماری اولاد بھی ہماری نہیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح اپنے شوہر سے دل کا حال کہہ رہی تھی وہ خود بھی رو رو کے اسی صحرا میں بھٹک رہا تھا۔



آمنہ اور شفاعت علی حویلی کے بے زبان قیدی تھے۔ شجاعت علی اور ہاجرہ بیگم کے حکم کے تابع تھے۔ وجاہت کو انہوں نے اپنا عادی بنا لیا تھا۔ وہ شجاعت علی اور

ہاجرہ بیگم ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتا تھا۔ کبھی آمنہ زبردستی اٹھا لیتی تو رونے لگتا اور ہاجرہ بیگم کے پاس جا کر مطمئن اور پُرسکون ہو جاتا اور یہ لمحات جنم دینے والی ماں کے لئے نزع کی اذیت کی طرح ہوتے۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی رہتی۔ بیمار رہنے لگی۔ شفاعت اس کو سمجھاتے کہ وہ اولاد تو ہماری ہی ہے ناں۔ مگر آمنہ کا دل ٹوٹ چکا تھا۔



وجاہت علی ایک سال کا ہوا تو پتہ چلا کہ ذکیہ کے ہاں بیٹی ہوئی ہے۔ شفاعت علی اسے دیکھنے گئے مگر ذکیہ بے حد بیمار تھی۔ چند روز بعد ہی وہ اپنے مراد کے پاس پہنچ گئی۔ شفاعت علی کو ذکیہ کی موت کا بے حد دکھ ہوا۔

وقت گزرتا رہا اور گزرتے وقت کے ساتھ کئی رشتے ساتھ چھوڑتے گئے۔

آمنہ کے ابو کو دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا، وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور سال بعد شفاعت علی کے ابا جی سجاد علی انتقال کر گئے۔

بہت زیادہ ضبط اور برداشت اور دکھوں نے آمنہ کے جگر پر اثر کر دیا۔ وہ جگر کی بیماری میں مبتلا ہو گئی۔

وجاہت علی اپنے دادا شجاعت علی اور دادی ہاجرہ کی آنکھ کا تارا ان کی دی ہوئی تربیت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہا تھا۔ اس میں اپنے باپ والی کوئی صفت نہیں آئی تھی۔ بے حد اکھڑ، بد دماغ اور مغرور قسم کا ہو رہا تھا اور شفاعت علی کی کتنی خواہش تھی کہ وہ بھی اچھے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرے۔ اپنے باپ کی طرح قابل ہو اور امریکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے جائے۔ مگر دیگر خواہشات کی طرح یہ خواہش بھی اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔ وہ اپنی دادی کے کہنے میں تھا۔ اگر آمنہ اسے کوئی بات کہتی تو وہ منہ چڑا کر بھاگ جاتا اور وہ دل تھام کر رہ جاتی۔

شفاعت علی کو بڑھتے ہوئے وجاہت کے اطوار پسند نہیں تھے۔ وہ اسے ٹوک دیتے۔ اس روز بھی اس نے بلاوجہ ہی ایک ملازم کے لڑکے کو مار مار کر لہولہان کر دیا تو اس کا باپ شکایت کرنے آ گیا۔

"او یہ لے رقم اور علاج کروا لے جا کے۔ اور خبردار جو آئندہ میرے پتر کی شکایت کرنے آیا۔ زندہ ہے تیرا پتر، مرا نہیں......" شجاعت علی نے پیار سے وجاہت کو گلے لگایا اور غلامے کو ڈانٹا جو اپنے لڑکے کی شکایت لے کر آیا تھا۔

شفاعت علی آئے تو غلاما روتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر گئے۔ وجاہت بڑی شوخی سے بتا رہا تھا کہ کس طرح اس نے غلامے کے لڑکے کی پٹائی کی۔

"وجاہت علی! تم اپنی حرکتیں درست کرلو...... میں نے شہر میں تمہارا داخلہ کروا دیا ہے۔ اب تم پڑھنے کے لئے ہاسٹل میں رہو گے۔ اور یہ جو تم جنگلیوں کی طرح ملازموں کے بچوں کو مارتے ہو ناں یہ بھی درست نہیں...... کسی روز ان کا ہاتھ اٹھ گیا......"

"او میں اپنے وجاہت پر اٹھنے والے ہاتھ کاٹ نہ دوں گا...... کس میں اتنی جرأت ہے کہ میرے پتر پر ہاتھ اٹھائے۔ اور یہ تم نے کس کی اجازت سے اس کا شہر میں داخلہ کرایا ہے۔ یہ میرا پتر ہے۔ اس کو کیا کرنا ہے یہ میں جانتا ہوں۔"

شجاعت علی کو یہ بات بڑی ناگوار گزری تھی کہ وجاہت علی شہر جا کر پڑھے گا۔

"تایا جی! میں نے کب انکار کیا ہے کہ یہ آپ کا بیٹا نہیں۔ مگر اس کی تعلیم و تربیت کا بھی تو خیال رکھنا ضروری ہے۔ باپ امریکہ سے پڑھ کر آیا اور بیٹا معمولی تعلیم بھی حاصل نہ کرے، یہ مناسب نہیں۔ جب تک یہ علم حاصل نہیں کرے گا اسے کسی بات کا شعور نہیں آ سکتا۔"

"اچھا، اچھا...... زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں۔ کرلوں گا میں خود ہی اپنے پتر کی تعلیم کا بندوبست مگر حویلی میں ہی۔ میرا پتر شہر نہیں جائے گا...... ہاں کہہ دیا ہے میں نے۔"

شجاعت علی نے اپنا فیصلہ سنا دیا تو شفاعت ان کو بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔

"تایا جی جو طور طریقے سکول جا کر آتے ہیں وہ گھر پر کہاں خواہ کتنا قابل ماسٹر رکھ لیں۔ سکول میں ہر طرح کے بچے ہوتے ہیں۔ بچے ایک دوسرے سے سیکھتے

ہیں......" شفاعت علی اور آمنہ چاہتے تھے کہ وجاہت کسی طرح اس گاؤں اور ماحول سے نکل جائے۔ مگر ان کے مقابلے میں شجاعت علی اور ہاجرہ بیگم تھے۔ ان کی دال کیوں کر گل سکتی تھی۔

"دیکھ پتر شفاعت علی! یہ میرا اور ہاجرہ کا پتر ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم نے اس کی تربیت کیسے کرنی ہے۔ تم دونوں کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آئی سمجھ میں کہ نہیں۔ کیوں پتر وجاہت علی......" شجاعت علی نے وجاہت کی طرف دیکھا۔ وہ تو پہلے ہی دادا دادی پر فدا تھا۔ بچے اس عمر میں اپنی بہتری سے نابلد ہوتے ہیں۔ اس عمر میں ان کا اپنا وہی ہوتا ہے جو کھیل تماشے میں ان کا ساتھ دیتا ہے اور ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرتا ہے۔ وہ اسے ہی اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ اور وجاہت علی تو دن رات عیش کرتا تھا اپنے دادا دادی کے ساتھ۔ وہ ان کا حامی نہ ہوتا تو کس کا ہوتا۔ اپنے امی ابو تو اسے یوں بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔ ذرا قریب آتے تو اچھائی برائی سمجھانے لگتے۔ روک ٹوک کرتے۔ بس یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے والدین سے زیادہ دادا دادی کو چاہتا تھا۔ ان کی ہر بات مانتا تھا اور یہی بات آمنہ کو گھن کی طرح چاٹ رہی تھی۔

"میں تو اپنے دادا جان کا پتر ہوں ابا جی! ان کی بات مانوں گا۔" کمسن وجاہت وہی کہتا جو اسے سمجھا دیا جاتا۔ شفاعت علی دل مسوس کر رہ گئے اور افسردگی سے وہاں سے اٹھ کر آ گئے۔



ڈوبنے سے بچنے کی شفاعت علی اور آمنہ کی ہر کوشش دم توڑ گئی تو انہوں نے خود کو لہروں کے حوالے کر دیا۔ ایک تو خطرناک بیماری اوپر سے اکلوتے بیٹے کا چھن جانا۔ آمنہ کے لئے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وجاہت اپنے دادا کے زیر تربیت پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ خوبرو گبھرو اور روایتی جاگیردار بن رہا تھا۔ وہ کوئی بھی غلط کام کر کے آتا، دادا دادی کی طرف سے اتنی حوصلہ افزائی ملتی کہ ماں یا باپ کی

سرزنش آپ ہی دم توڑ جاتی۔

وجاہت میں وہ تمام عیوب تھے جو کسی بھی غیر شریف مرد میں ہوتے ہیں جو آمنہ کے لئے ناقابل برداشت تھے۔

اس روز آمنہ کو خون کی قے آئی تو ساتھ لے کر چلی گئی...... آمنہ اپنی زندگی کی تمام تلخیوں کو سمیٹ کر قبر میں اتر گئی تو شفاعت علی دیواروں سے سر ٹکرا کر روئے۔

''میرے خدا...... میری کیا ضرورت ہے یہاں...... مجھے بھی میری آمنہ کے پاس پہنچا دے...... میری ماں کے پاس پہنچا دے۔''

شفاعت علی ہر وقت روتے رہتے۔ زندگی کی تلخیوں اور حادثات نے شفاعت علی کو بیمار کر دیا۔ آمنہ کے بعد تو وہ ایک منٹ بھی جینا نہیں چاہتے تھے۔ مگر موت ابھی ان پر مہربان نہیں تھی۔

ان کا بے حد دل چاہتا کہ ان کا بیٹا وجاہت ان کے قریب آئے، وہ اس سے آمنہ کی باتیں کریں مگر وجاہت کو تو اپنی عیاشیوں سے فرصت نہیں تھی۔ ماں کی موت پر وجاہت افسردہ ہوا تو ہاجرہ بیگم کچھ ایسے چھائیں کہ ماں کا دکھ جاتا رہا۔

شفاعت علی اپنے کمرے میں پڑے رہتے، تنہائی کو سینے سے لگائے...... یادوں کے دیپ جلائے...... کسی کو ان کی پرواہ نہیں تھی۔



وجاہت علی اب جوان ہو گیا تھا۔ اب اس کی نظریں بھٹکنے لگی تھیں اور یہ نظریں غلامے کی بیٹی شاداں کو دیکھ کر مزید بہک جاتیں۔ جب وہ کام کرنے آتی تو وہ سارا وقت اس کے اردگرد منڈلاتا رہتا اور جان جان کر اس کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کرتا۔

''ٹانگیں پیچھے کریں جی...... صفائی کرنی ہے۔'' اس وقت بھی شاداں صفائی کر رہی تھی تو وجاہت ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔

''نہ ہٹاؤں تو کیا کر لو گی......؟'' وجاہت نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں

جھانکتے ہوئے کہا۔

''تو میں کیا کر سکتی ہوں جی...... کام نہیں کروں گی۔ چلی جاتی ہوں۔'' شاداں نے صفائی کا ارادہ ترک کر دیا اور باہر جانے لگی تو وجاہت تیزی سے اس کے سامنے آ گیا۔

''کام نہیں کرے گی تو دادی ماں تیرے بال نوچ ڈالیں گی اور ایسی باتیں سنائیں گی کہ حد نہیں۔ چل شاباش، صفائی کر......''

وجاہت کی بات بھی درست تھی۔ اگر وہ وڈی بی بی سے شکایت بھی کرتی تو بات خود اسی پر آتی۔ وہ چپ چاپ کام کرنے لگی۔ وجاہت کی گہری نظریں اس کے آر پار ہوتی رہیں مگر وہ جھاڑو لگاتی رہی۔

''شاداں......''

شاداں کو یہ آواز اپنے انتہائی قریب سے سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑی تو وجاہت اس کے قریب کھڑا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ وجاہت پھر اس کی طرف بڑھا۔

''یہ تم حسن والیاں اتنے نخرے کیوں دکھاتی ہو...... تمہیں پتہ ہے تم کتنی حسین ہو۔ تمہاری آنکھیں، تمہارے ہونٹ...... شیشے میں دیکھا ہے کبھی اپنے آپ کو؟'' وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا اس کے حسن کی تعریف کرنے لگا۔

''نہیں...... ہم لوگوں کے ہاں شیشے نہیں ہوتے......'' شاداں کا دل خوف سے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''نہیں ہوتے تو پھر میری آنکھوں میں جھانکو...... دیکھو اپنے حسین چہرے کو۔ تم کتنی حسین ہو...... تم چاہے جانے کے قابل ہو...... یہ ہاتھ جھاڑو دینے کے قابل نہیں۔ چھوڑو اسے۔''

وجاہت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑو دور پھینکا۔ عین اسی وقت دروازہ کھلا اور تائی ماں اندر داخل ہوئیں۔ ایک ہی نگاہ میں صورت حال بھانپ گئیں۔ شاداں سہمی

ہوئی ہرنی کی طرح کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی وجاہت کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچا اور باہر جانے لگی اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔ وجاہت اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''تُو یہ کیا کر رہی ہے......؟'' تائی ماں کی کاٹ کھانے والی نظریں شاداں پر جمی تھیں۔ اس کی روح فنا ہوگئی۔

''وہ...... وہ جی...... صفائی کر رہی تھی۔'' اس کا حلق مارے خوف کے خشک ہو گیا۔

''یہ صفائی ہو رہی تھی کہ...... سن غلامے کی لڑکی! اپنی اوقات سے باہر آنے کی کوشش نہ کر...... خیال کر اپنے بڈھے ماں باپ کی عزت کا۔ اونچی جگہ پیر رکھنے کی کوشش کرے گی تو لنگڑی ہو جائے گی۔ چل جا اب یہاں سے۔''

تائی ماں بڑی فراخ دلی سے اسے الزامات سے نواز رہی تھیں۔ وجاہت ہونٹ دبا کر مسکرائے جا رہا تھا اور شاداں کے بدن کا خون خشک ہو گیا تھا۔ وہ غریب تھی اور غریب تو بے خطا ہو کر بھی مجرم ہوتا ہے۔

''وڈی بی بی...... میں تو صفائی کر رہی تھی۔ یہ چھوٹے ملک جی......'' وہ جانتی تھی کہ اپنی وکالت بے کار ہے مگر پھر بھی وہ اپنے شفاف کردار پر داغ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''اچھا چل اب بڑ بڑ نہ کر...... میں تم جیسے لوگوں کو جانتی ہوں...... تم جیسیاں اپنے حُسن کا جال پھیلا کر ان جیسے لوگوں کو بے ہوش کر کے سب کچھ لوٹ لیتی ہیں اور پھر کہتی ہیں کہ ہمارا کیا قصور ہے۔ جا اب نظروں سے دور ہو جا...... اور سن، آئندہ میں تجھے اپنے پتر کی نظروں کے سامنے نہ دیکھوں۔ سمجھی......؟''

آنکھوں میں بھر بھر کر آنسو آ رہے تھے۔ بدن الزامات اور بے بسی کے احساس سے کانپ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی مگر وجاہت کی بے باک نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

''دادی ماں! یہ زیادتی ہے...... حسین لڑکیوں کو نہ ڈانٹا کریں۔ سچ میرے دل پر چوٹ پڑتی ہے۔ اور پھر شاداں تو......'' اس کے جانے کے بعد وجاہت دادی ماں سے لپٹ گیا۔

''چل ہٹ بے شرم...... گندگی میں کھلے گلاب سے کہیں بہتر باغ کا پھول ہوتا ہے۔''

''دادی ماں گلاب تو گلاب ہے...... گندگی میں کھلے یا صفائی میں کھلے۔''

''ہوں...... اس کا مطلب ہے میرا پتر اب جوان ہو گیا ہے۔ کرتی ہوں بات تیرے دادا جی سے۔''

دادی ماں نے شوخی سے اسے دیکھا تو اس کا بلند قہقہہ دوسرے کمرے میں شفاعت علی کے کانوں تک پہنچ گیا۔ وہ دل تھام کر رہ گئے۔

''یہ ہوئی ناں بات...... میری دادی بڑی سمجھدار ہو گئی ہیں۔ آخر کو دادی کس کی ہیں...... پھر ہو جائے دادی ماں کوئی حسین گڈی......'' وہ بے باکی سے اپنے رشتے کی بات کر رہا تھا۔

''تُو اشارہ تو کر...... میرے شہزادے کے لئے گڈیوں کی کمی ہے کیا۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی ہے۔''

''کوئی لڑکی شاداں سے زیادہ خوبصورت ہو سکتی ہے دادی ماں......؟'' وہ دادی ماں کے گلے میں بازو ڈالے پوچھ رہا تھا۔

''لے، یہ کمین کیا حیثیت رکھتی ہے...... میری ذکیہ کی لڑکی دیکھے گا تو دل تھام لے گا۔''

''ہیں واقعی دادی ماں...... اچھا یہ ذکیہ وہی ہے ناں جو ابا جی کی منگیتر تھی......؟'' وجاہت نے ذہن پر زور ڈالا۔

''ہاں، ہاں...... وہی ہے...... پر کیا حسین لڑکی ہے۔ میں نے تو دیکھتے ہی تیرے لئے پسند کر لیا تھا۔''

"لے...... تو دادی ماں وہ میری بہن نہ ہوئی......؟" وہ دادی ماں کو چھیڑنے کی غرض سے ہنسا۔

"چل بے شرم...... ایسی باتیں کرتا ہے۔ پر ایک بات ہے، لڑکی جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی منہ زور، بدتمیز ہے۔"

"او کوئی بات نہیں دادی ماں...... بڑے بڑے منہ زور قابو کیے ہیں۔ یہ تو پھر کُڑی ہے۔ دیکھ لوں گا۔"

شفاعت علی گھر میں رہتے تھے مگر وہ کسی کی زندگی میں نہیں تھے۔ وہ تھے اور ان کی تنہائیاں تھیں۔ ان کا اپنا بیٹا ان کو کسی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ وہ خوبرو گبھرو جوان تھا مگر اس کی زندگی میں، اس کی تربیت میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ وہ تو خاموش تماشائی تھے۔

اب گھر میں ان کی بہو لانے کے بارے میں سوچا جا رہا تھا مگر ان سے کسی نے رائے تک لینی مناسب نہیں سمجھی تھی۔ گو کہ لڑکی ذکیہ کی بیٹی تھی اور ان کو اعتراض بھی تھا۔ مگر پھر بھی ان سے پوچھا تو جاتا۔

"تایا جی! وجاہت کا رشتہ طے کر رہے ہیں؟" اس دن انہوں نے خود ہی پوچھ لیا۔ انہوں نے حقے کی نال ہٹائی اور قدرے برہمی سے ان کو دیکھا اور پھر حقہ منہ سے لگا لیا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" انہوں نے خفگی سے ان کو دیکھا تو ایک زخمی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"نہیں تایا جی...... اعتراض کیوں ہونے لگا...... یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ کب جانا ہے رشتہ لے کر؟"

"دیکھ شفاعت علی! تُو اپنی کتابوں کی دنیا میں رہا کر...... یہ ہمارے کام ہیں، ہمیں ہی کرنے دے۔ اور ویسے بھی وجاہت علی میرا پتر ہے۔ جو چاہوں اس کے بارے میں فیصلہ کروں۔ جب جانا ہوگا چلے جائیں گے۔"

"جی بہتر......" شفاعت علی نے اپنا چشمہ درست کیا۔ دل میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اپنے ہی بیٹے کی زندگی سے ان کو مکھی کی طرح نکال باہر کیا گیا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے آ گئے۔



"وڈی بی بی...... یہ مٹھائی کے ٹوکرے ہیں، یہ پھلوں کے۔ اور کوئی حکم......؟" عبدالرشید ٹوکرے رکھتا ہوا بتا رہا تھا۔ آج ہاجرہ بیگم نے ذکیہ کے سسرال جانا تھا اس کی بیٹی زیب النساء کا رشتہ لینے۔

"ہاں ٹھیک ہے...... شاداں! چل تُو ان ٹوکروں پر جو گوٹے والے کپڑے تیار کیے ہیں ناں وہ چڑھا دے۔ شگنوں کے کام گج وج کے کرنے چاہئیں۔ اور ہاں زیب النساء کے جوڑے ٹانک دیئے ہیں ناں؟"

"ہاں جی...... سارے کام ہو گئے ہیں...... آپ فکر نہ کریں جی۔"

"اوئے ہوئے بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں دادی ماں...... کہاں جا رہی ہیں؟" وجاہت علی اسی وقت اندر آیا۔ ایک ٹوکرے سے لڈو اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے وہ تخت پر دادی ماں کے قریب آن بیٹھا جو اسے لڈو کھانے پر گھور رہی تھیں۔

"بے شرم کہیں کا...... جیسے پتہ نہیں میں کہاں جا رہی ہوں۔"

"تیری قسم دادی ماں...... نہیں پتہ۔ بتا دو ناں۔" وہ لاڈ لاڈ میں دادی سے ایسے ہی بات کرتا تھا۔ اب بھی بات وہ دادی ماں سے کر رہا تھا اور نظریں شاداں پر جمی ہوئی تھیں جو ٹوکروں پر کپڑے باندھ رہی تھی۔

"اچھا تو دادی ماں! میں بھی جاؤں گا ناں ساتھ؟ آخر کو میری بات طے ہوئی ہے، میں ہی لڑکی کو دیکھوں گا اور پسند کروں گا ناں۔"

"چل بدتمیزی نہ کر...... میں جاؤں گی اور تیرے دادا، بس۔ ہاں بھئی کڑیو! سامان تیار ہے؟"

"بالکل جی...... اب ہم جائیں جی؟" مہراں اور شاداں جانے کو کھڑی ہو گئیں۔

"مہراں تُو جا...... اور شاداں تُو میرے کپڑے نکال کر استری کر۔ میں ذرا اس کے دادا سے بات کر آؤں۔ چلو آؤ تم بھی۔"

میدان صاف ہو چکا تھا۔ مہراں بھی جا چکی تھی۔ اب کمرے میں شاداں تھی۔ پھر وہ بھلا کیسے چلا جاتا۔

"آپ جاؤ دادی ماں...... میں ابھی آتا ہوں۔"

دادی ماں باہر نکل گئیں تو وہ اٹھ کر فرش پر شاداں کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ناراض ہو ہم سے......؟" وہ اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ شاداں کی پلکیں بھیگ گئیں۔ وہ رو پڑی۔

"ارے کیا غضب کرتی ہو لڑکی...... یہ دل بہت نازک ہے، حُسن والوں کے آنسو کب برداشت کر پاتا ہے؟" وجاہت نے جیب سے رومال نکالا اور شاداں کے آنسو صاف کرنے لگا مگر وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

"اب تو میرا پیچھا چھوڑ دیں وجاہت باؤ...... اب تو آپ کی شادی ہونے والی ہے...... اور یوں بھی ایسی حرکتوں سے آپ کا کچھ نہیں جاتا، میری عزت پر حرف آتا ہے...... خدا کے واسطے آپ میرے ساتھ ایسا نہ کیا کریں۔ ہم غریبوں کے پاس عزت ہی تو ہوتی ہے۔ میرے بابا خودکشی کر لیں گے اگر...... اگر......"

وہ بری طرح رو پڑی۔ آئے دن اس کی وجہ سے اس کی بے عزتی ہوتی تھی۔

"ناں...... ناں...... شاداں! دیکھو میرے سامنے رویا مت کرو۔ بڑا دکھ ہوتا ہے مجھے۔ میری ایک شادی تو کیا دس شادیاں بھی ہو جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم تو میری ہو۔ میں تم سے بھی شادی کروں گا۔"

وجاہت بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ شاداں ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں جی...... میری تو منگنی ہو گئی ہے مامے کے لڑکے سے۔"

"کیا...... کیا...... تیری منگنی ہو گئی ہے؟ اور میں جو تیرے عشق میں پاگل ہوا پھرتا

ہوں اس کا احساس نہیں تجھے......؟ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا...... شادی تو تیری میری ہی ہو گی۔" وجاہت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"وجاہت علی......!" شاداں کا غیرت میں اٹھا ہاتھ وجاہت کے منہ پر نشان چھوڑ گیا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور شفاعت علی اندر داخل ہوئے جن کی بندوق کے نشانے پر وجاہت علی تھا۔

"ابا جی آپ......؟" شفاعت علی بندوق تانے کھڑے تھے۔ کچھ دیر کے لئے وجاہت سناٹے میں آ گیا۔ زبان لڑکھڑا گئی۔

"ہاں میں...... کہاں ہیں تمہارے دادا دادی جو ریت رواجوں کے علمبردار بنتے ہیں...... انہوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ عورت کی عزت بھی اس حویلی کی اچھی روایات میں سے ہے۔ اور تم اسی روایت کی دھجیاں بکھیر رہے ہو۔ گند بھر دیا ہے اس تائی کی تربیت نے تمہاری رگوں میں...... نہ نظر میں شرم وحیا اور نہ نیت میں نیکی کا گزر۔ لیکن یاد رکھو وجاہت علی! حویلی کی اس روایت کو اگر توڑا گیا، کسی مظلوم کے ساتھ زیادتی ہوئی تو پھر میری بندوق کی نال سے نکلی ہوئی تمام گولیاں تمہارے سینے کے آر پار ہو جائیں گی۔"

غم و غصے سے شفاعت علی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ خنکی کے باوجود پیشانی پر پسینہ آ رہا تھا۔

"نال کو پیچھے کریں ابا جی! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ آپ نے مجھ پر اس کمی کمین کی خاطر بندوق تان لی ہے۔"

وجاہت علی دادا دادی کا سر چڑھا تھا۔ اسے اپنے باپ کا کوئی لحاظ نہیں تھا۔ اس نے گستاخانہ انداز میں نال کو پیچھے ہٹایا اور حقارت سے سہمی ہوئی شاداں کو دیکھا جو دونوں باپ بیٹے کو خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"بکواس بند کرو...... یہ انداز ہے تمہارا باپ سے بات کرنے کا...... شاداں! جاؤ بیٹا گھر جاؤ اور کل سے یہاں کام پر نہ آنا۔ میں غلامے سے کہوں گا تمہاری شادی

جلد کر دے۔ وہ بھلا مانس نہیں جانتا کہ آستینوں کے سانپ جب ڈستے ہیں تو سارا لہو نچوڑ لیا کرتے ہیں۔ جاؤ شاباش۔"

شفاعت علی نے وجاہت کو ڈانٹا اور پھر شاداں کو سر پر دوپٹہ درست کر کے جانے کو کہا۔ وہ تو اشارے کی منتظر تھی، فوراً بھاگ گئی۔ وجاہت بھی نکل گیا مگر شاداں کے پیچھے نہیں، سیدھا تایا جی کے کمرے میں گیا۔ شفاعت علی اس وقت بے حد دکھی ہو رہے تھے۔

"میرے خدایا...... یہ سب میرے ہی ساتھ کیوں ہو رہا ہے...... وجاہت میرے کس گناہ کی سزا ہے...... پروردگار مجھ کو تو کچھ خبر نہیں، مجھے معاف فرما دے میرے مالک...... میں تو بے بس ہوں۔ یہ تایا جی اور تائی ماں اسے کس دلدل میں اتار رہے ہیں؟"

شفاعت علی بہت دکھی ہو رہے تھے۔ آمنہ کی موت کا دکھ تو تھا ہی مگر وجاہت جو ان کا اکلوتا بیٹا تھا نجانے کن راستوں پر چل نکلا تھا۔ تباہی کے راستوں پر۔ ان کو وہ وقت یاد آنے لگا جب وہ اور آمنہ وجاہت کے لئے خواب دیکھا کرتے تھے۔ آمنہ کی خواہش تھی کہ وجاہت کو سی ایس ایس آفیسر بنایا جائے۔ جبکہ ان کی خواہش تھی کہ وجاہت کو قانون دان بنایا جائے۔ مگر ان دونوں کی خواہشات تائی ماں اور تایا جی کی دی ہوئی تربیت کی قبر میں دفن ہو گئیں اور وجاہت قانون دان بننے کی بجائے قانون شکن کے روپ میں پروان چڑھ گیا۔

وہ دکھ سے کتنی ہی دیر تنہا بیٹھے رہے۔ پھر اٹھ کر باہر آ گئے مگر تایا جی کے کمرے کے سامنے ان کے قدم رک گئے۔

"کیا...... کیا شفاعت علی کی جرأت کہ اس نے میرے گبھرو شیر پر بندوق تان لی...... او اس کا دماغ تو ہمیشہ سے خراب ہے۔" تایا جی کی اس بات سے ہی ان کو اندازہ ہو گیا کہ وجاہت نے دادا سے ان کی شکایت کر دی ہے۔ ایک ٹیس سی ان کے دل سے اٹھی کہ کیا ستم تھا کہ اولاد ان کی تھی اور حکم کسی کا چلتا تھا۔

"دادا جی! میں نے شاداں کو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ خواہ مخواہ ہی ناراض ہونے لگے تھے۔ اور اس نیچ ذات کے سامنے میری بے عزتی کر دی۔"

وجاہت ان کی برائیاں کر رہا تھا۔ شفاعت علی کے دل میں درد بڑھنے لگا۔

"او وجاہت علی! تُو میرا پتر ہے...... کوئی ڈر خوف نہیں ہونا چاہئے تجھے...... کوئی ضرورت نہیں اس کی پراہ کرنے کی۔ اسے روایات کی بات کرتے شرم نہیں آتی۔ سب سے پہلے تو روایات کو خود اس نے توڑا ہے۔ اور آج آ گیا روایات کا پاس دار بن کے۔ مگر تجھے کوئی ضرورت نہیں کسی بات کی پرواہ کرنے کی۔ تُو اپنی مرضی سے جی۔ یہ حویلی، یہ جاگیریں سب تیری ہیں پتر...... مجال ہے کسی کی جو چوں بھی کر جائے تیرے سامنے۔ تُو بتا، تجھے شاداں پسند ہے......؟" تایا جی اسے مسلسل برائی کی تربیت دے رہے تھے۔

شفاعت علی مزید برداشت نہ کر سکے اور اندر آ گئے۔

"خدا کے واسطے تایا جی...... خدا کے واسطے...... مت بھریں برائی کا زہر اس کی رگوں میں۔ اگر یہ زہر اس کے بدن میں پھیل گیا تو مر جائے گا...... ختم ہو جائے گا آپ کا نام، آپ کے خاندان کا نام...... حیوان بنا دیا ہے آپ کی تربیت نے اسے۔ بلکہ حیوانوں سے بدتر ہے یہ۔"

شفاعت علی ایک عرصے کے بعد بولے تھے۔ دکھ سے ان کا دل پھٹنے لگا تھا۔ برداشت کی قوت جواب دے گئی تھی۔ وہ پھٹ پڑے۔ ان کی بات پر شجاعت علی ان کے قریب آ گئے۔ خونخوار نظروں سے ان کو دیکھتے رہے پھر رخ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔

"پتر شفاعت علی! وجاہت علی اس خاندان کا نام، اس کی پہچان ہے۔ اور میری تربیت نے اسے جینا سکھایا ہے۔ اور اس دنیا میں کیسے جیا جاتا ہے یہ میں نے اسے سکھایا ہے۔ تمہاری طرح بزدلوں کی طرح نہیں جئے گا یہ۔ اور یہ کہ یہ حیوان بنے یا انسان تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔"

تایا جی نے گویا ان کو وجاہت کی زندگی سے بالکل الگ کر دیا تھا۔

''کیوں غرض نہیں ہونی چاہیے تایا جی...... میں باپ ہوں اس کا۔'' شفاعت علی تڑپ اٹھے۔

''ہاں بس...... یہیں آ کر ہم بھی تو نرم پڑ جاتے ہیں ورنہ......'' شجاعت علی کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہاجرہ بیگم گھبرائی ہوئی اندر آئیں۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں وجاہت کے دادا......؟'' ہاجرہ بیگم نے وجاہت کو گلے لگایا۔ شفاعت علی نے دکھ سے آنکھیں بند کر لیں۔

''بس یہ شفاعت علی اپنا حق جتا رہا ہے کہ وجاہت اس کا پتر ہے۔'' شجاعت علی نے طنزیہ نظروں سے شفاعت علی کو دیکھا۔

''ناں تو یہ جتانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے انکار تو نہیں کیا۔ مگر یہ ہماری اولاد ہے۔ خون پسینہ ایک کر کے، راتوں کو جاگ جاگ کر اس کو پالا ہے، تربیت کی ہے۔ اب جبکہ جوان ہو گیا ہے تو حق دار بن کے آ گیا ہے۔ واہ شفاعت علی! آفرین ہے تجھ پر۔''

''نہیں...... نہیں تائی ماں...... آپ کی دن رات کی تربیت نے جو اسے بنا دیا ہے اس کے بعد میں تو اسے اپنی اولاد بھی ماننے کو تیار نہیں تو حق کیا جتاؤں گا۔ آپ دونوں ہی کو مبارک ہو آپ کی تربیت کا بگڑا ہوا یہ بھیڑیا۔''

شفاعت علی نے انتہائی دکھ اور حقارت سے وجاہت کو دیکھا جو بڑی بدتمیزی سے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا باپ کو گھور رہا تھا۔

''او بس...... بس شفاعت علی! اپنی عزت بندے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ آج کے بعد میرے وجاہت علی کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں...... تُو اپنی دنیا میں آباد رہ، اپنی یادوں اور کتابوں کی دنیا میں اور ہمیں زندگی کی ان حقیقتوں کے ساتھ جینے دے۔''

شجاعت علی نے انتہائی کھردرے لہجے میں بے گانگی سے کہا تو شفاعت علی ٹوٹے

دل کی کرچیاں سنبھالتے باہر نکل گئے۔

''ہونہہ...... نجانے خود کو کیا سمجھتا ہے...... چلیں دفع کریں جی۔ آج ہی یہ بدشگونی ہونی تھی۔ تیار ہو جائیں، زیب النساء کے گھر نہیں جانا؟''

''بھئی کیوں نہیں جانا...... اپنے پتر کے سسرال تو سر کے بل جانا ہے۔'' شجاعت علی نے وجاہت کو چھیڑا مگر وہ منہ پھلائے بیٹھا رہا۔

''چھوڑیں دادا جان! یہ کوئی زندگی ہے کہ سگا باپ بیٹے پر بندوق تانے۔ اب کوئی خوشی رہ گئی ہے؟'' وجاہت کا خون کھول رہا تھا۔ ''وہ تو غنیمت تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اسی بندوق کی ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دیتا۔''

''او جانے دے پتر...... وہ تو صرف نام کی حد تک تیرا باپ ہے۔ تُو تو میرا شہزادہ گلفام ہے۔ چل دل میلا نہ کر۔ آج تو شگنوں والی رات ہے۔''

''چلیں جی...... میں نے ساری تیاری کر لی ہے۔ کئی بار ان کے ہاں سے فون آ چکا ہے کہ کب تک آ رہے ہیں۔ ظاہر ہے لڑکی والوں میں بڑی چاہ ہوتی ہے لڑکی کے رشتے کی۔ اور پھر اس حویلی کے شہزادے کی آس کس کو نہ ہو گی۔''

تائی ماں نے بڑی محبت سے وجاہت کو پیار کیا۔ شجاعت علی فوراً تیار ہو گئے۔

''ہاجرہ بیگم! شادی کی تاریخ طے کر کے اٹھنا ہے وہاں سے۔''

''آپ چلیں تو سہی...... انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا...... آخر ہمارے شہزادے میں کمی کیا ہے جو انکار کریں گے۔''



ملک شجاعت علی کی حویلی کے لوگ اس گھر کے مہمان بن رہے تھے یہ کوئی کم عزت والی بات نہیں تھی ان کے لئے۔ گو کہ یہ لوگ بھی کم نہیں تھے مگر حویلی کی بات ہی اور تھی۔ اور اس بات کا احساس خود زیب النساء کو بھی تھا۔ مگر وہ کچھ اور سوچ کر خوش تھی۔

"ماشاء اللہ...... میری دھی رانی کو کتنا روپ آیا ہے، نہ سرخی پوڈر پھر بھی۔"

نسرین جس نے مرتے دم تک ذکیہ کا ساتھ دیا تھا اب زیب النساء کا سایہ بنی رہتی۔ اس کی دراز چوٹی بنا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ شہابی رنگت والی زیب النساء بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"ماسی نسرین!" زیب النساء آئینے سے منہ موڑ کر نسرین کی طرف مڑی۔

"جی صدقے دھی رانی......" نسرین تو اس کے واری صدقے ہی جاتی رہتی۔

"ایک بات پوچھنی ہے تم سے...... پر قسم ہے تمہیں جو جھوٹ بولو۔" وہ اس کے قریب فرش پر آن بیٹھی۔

"اللہ نہ کرے میری بیٹی جو میں اپنی دھی کے ساتھ جھوٹ بولوں۔" نسرین نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"ہوں......تو پھر یہ بتا کہ میری ماں نے میری اس نانی ماں سے کہیں کوئی زیادتی کی تھی؟" زینب النساء نجانے کیا پوچھنے جا رہی تھی۔ اب جبکہ اسی گھر سے اس کا رشتہ آ رہا تھا وہ ایسی بات کر رہی تھی۔ نسرین فکر مند ہوگئی۔

"نہیں، نہیں دھی رانی...... ذکیہ اور میں ایک ساتھ اس حویلی میں پل کر جوان

ہوئی تھیں۔ تمہاری نانی ماں نے ہتھیلی کے چھالے کی طرح تمہاری ماں کی پرورش کی۔ مگر جب مراد والا واقعہ ہوا تو اسے پاگل کہہ کر گھر سے نکال دیا۔ یہی روگ میری سہیلی ذکیہ کو کھا گیا...... یہ باتیں تو تم کئی بار پوچھ چکی ہو پھر آج جبکہ وہ رشتہ لینے آ رہے ہیں اور تم اپنے بڑوں کو اپنی رضامندی بھی دے چکی ہو پھر یہ باتیں؟"

نسرین نے حیرت سے اسے دیکھا جس کی آنکھیں کچھ عجیب سے پراسرار خیال سے چمک رہی تھیں۔ بڑی عجیب سی چمک تھی ان آنکھوں میں۔

"ہاں...... کئی بار پوچھ چکی ہوں اور بار بار پوچھتی رہوں گی۔ اس گھر میں جاؤں گی اور اس نانی ماں کو جس نے میری مظلوم ماں کو پاگل کہہ کے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا تھا ناں...... اب نانی ماں کی باری ہے۔"

زیب النساء نے بڑے مضبوط اور پختہ لہجے میں کہا تو نسرین نے پریشانی سے زیب کو دیکھا۔

"پتر! اگر ایسی کوئی سوچ ہے تو منع کر دے اس رشتے سے۔ وہ...... وہ عورت جو تیری نانی ہے، ناگن ہے۔ اس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ اس نے برباد کر دیا تھا ذکیہ کو۔ پتر! وہ بڑی زہریلی شے ہے۔" نسرین بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔

"نسرین ماسی! زہر ہی زہر کو کاٹتا ہے۔ اب تم جاؤ...... میرا خیال ہے مہمان آ گئے ہیں۔" زیب النساء نے جلدی سے دوپٹہ کھینچ کر بڑا سا گھونگھٹ نکال لیا۔ نسرین جلدی سے باہر نکل گئی۔

"ماشاء اللہ زیب بیٹی تو پریوں جیسی ہے...... کیا حُسن دیا ہے اللہ نے میری بیٹی کو۔" ہاجرہ بیگم اس کے واری صدقے جا رہی تھیں۔ کئی بار وہ اس کا گھونگھٹ ہٹا کر اسے پیار کر چکی تھیں۔

"اور ہمارا شہزادہ کوئی کم ہے...... بس جی ملک صاحب! شادی کی تاریخ دیں ہمیں اب۔" شجاعت علی نے مسکرا کر کہا تو ملک یونس اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کی طرف دیکھنے لگے جو چپ چاپ سے بیٹھے تھے۔

"کچھ سوچنے کا موقع تو دیں ملک شجاعت! اتنی جلدی تو......" ملک یونس کچھ ہچکچا رہے تھے۔

"لو اور سنو...... سوچنا وہاں ہوتا ہے جہاں غیر، انجان لوگ ہوں...... پشتوں سے ہماری رشتے داریاں چل رہی ہیں، اب آ کے سوچنے سمجھنے کی باتیں ہونے لگیں۔ ہم یہاں سوچنے نہیں آئے، بغیر سوچے آئے ہیں اور بغیر سوچے تاریخ لے کر جائیں گے۔ رکھ دیں تاریخ ورنہ ہم خود ہی تاریخ رکھ کے بارات لے کر آ جائیں گے۔ پھر نہ کہنا کہ یہ کیا کر دیا، ہاں۔"

شجاعت علی کے لہجے میں دھونس بھی تھی اور کھلی دھمکی بھی تھی۔ ملک یونس جانتے تھے کہ وہ ایسا کر بھی گزریں گے۔ لہٰذا وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے جہاں گھر کے مرد اور عورتیں جمع ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ شادی کی تاریخ رکھ دی جائے۔

"لو جی ملک صاحب! مبارک ہو...... اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ ہماری طرف سے ہے۔ آگے اگر آپ بدلنا چاہیں تو۔"

"توبہ کریں جی، ہم کیوں بدلیں گے۔ ہمیں منظور ہے۔ تو طے ہوا ہم انشاء اللہ پندرہ تاریخ کو گج وج کے آ جائیں گے۔ مبارک ہو۔"

پھر اسی مبارک سلامت میں تاریخ مقرر ہو گئی۔ ایک دوسرے کو مٹھائی کھلائی گئی۔ دونوں طرف شادی کی بھرپور تیاریاں شروع ہو گئیں۔

ابھی بیس دن پڑے تھے مگر حویلی کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ وجاہت علی آج کل کچھ ضرورت سے زیادہ ہی اکڑا ہوا تھا۔ اس شام بھی وہ خوامخواہ اپنی شادی کی خوشی میں فائرنگ کر رہا تھا کہ گولی شیدے کے بچے کے جا لگی۔ حویلی میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

"یہ...... یہ میں تمہیں اسی لئے منع کرتا ہوں باز آ جاؤ اپنے شیطانی کاموں سے...... سوائے عذاب کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کیا ضرورت تھی اس بچے کے سر پہ

سیب رکھ کر نشانہ باندھنے کی۔ خدا کا شکر ہے کہ بچہ بچ گیا...... بڑا گھمنڈ ہے تمہیں اپنی نشانہ بازی پر۔ اسے کچھ ہو جاتا تو پتہ چل جاتا۔"

شفاعت علی کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو وہ اپنی خاموش دنیا سے باہر آ کر وجاہت کی خبر لے رہے تھے۔ وہ بدتمیزی سے غصہ میں آ گیا۔

"ابا جی! میں تو آپ کو اچھا لگتا ہی نہیں۔ کوئی قیامت نہیں آ گئی گولی لگ گئی تو۔ زندہ ہی ہے، مرا تو نہیں۔"

"کیا ہوا...... کیا ہوا وجاہت پتر! خیریت تو ہے ناں؟" شجاعت علی کو بھی خبر ملی تو وہ بھاگے آئے۔

"کوئی قیامت نہیں آئی دادا جی! شیدے کے لڑکے کی ٹانگ پر گولی لگ گئی ہے تو شور مچا رہے ہیں ابا جی۔" وجاہت نے بدتمیزی سے باپ کو دیکھتے ہوئے دانت پیس کر بتایا۔

"خدا کا شکر ہے پتر...... تمہیں تو کچھ نہیں ہوا ناں؟" شجاعت علی نے اسے چھو کر دیکھا تو شفاعت علی کو تاؤ آ گیا۔

"اسے کچھ نہیں ہوا تایا جی! شیدے کے لڑکے کی ٹانگ پر گولی لگی ہے۔ اسے ہسپتال لے کر جائیں۔ لڑکے کی جان اور ٹانگ خطرے میں ہے۔" شفاعت علی نے دونوں کو گھورا۔

اسی وقت شیدا روتا پیٹتا آ گیا۔

"ملک جی...... ملک جی! میرا پتر مر جائے گا جی...... کچھ کریں، اس کی ٹانگ بڑی زخمی ہوئی ہے جی۔"

"او چپ کر شیدے! پتہ نہیں تم لوگ ذرا سی بات پر واویلا کیوں مچانا شروع کر دیتے ہو۔ کوئی خاص زخم نہیں آیا ٹانگ پر۔ مرے گا نہیں لڑکا تمہارا۔ یہ لے، علاج کرا لے جا کر اپنے پتر کا۔" شجاعت علی نے جیب سے کئی ہزار کے نوٹ وجاہت پر سے وار کر شیدے کی طرف اچھالے تو وہ مزید رونے لگا۔

"میرا ایک ہی پتر ہے ملک جی! بد دعائیں نہ دیں اس کو۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"شیدے! ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ میں خود تمہارے لڑکے کو ہسپتال لے کر جاتا ہوں۔" شفاعت علی شیدے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دیتے ساتھ لے گئے۔ وہ ہر سانس کے ساتھ ان کو دعائیں دے رہا تھا۔

"ہونہہ...... یہ شفاعت علی کبھی نہیں سدھر سکتا...... پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اس نے ہی تو گاؤں کے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے ہیں۔ کسی کو کچھ ہو تو اس کا حوالہ لے کر آ جاتے ہیں۔" شجاعت علی شفاعت علی کے خلاف نفرت اگل رہے تھے۔

"کاش دادا جی میں آپ کا ہی بیٹا ہوتا۔" وجاہت علی کے ذہن اور دل میں باپ کے خلاف اتنی نفرت بھر دی گئی تھی کہ وہ ان کو اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔

"او تُو میرا ہی پتر ہے...... گبھرو جوان شیر پتر۔ ہے کوئی تجھ سا۔" انہوں نے وجاہت کو ساتھ لگا لیا۔



وجاہت علی کی شادی پر پورے گاؤں میں چراغاں ہوا۔ شجاعت علی نے آس پاس کے گاؤں بھی مدعو کیے تھے۔ یہ غیر ضروری اور فضول رسمیں شفاعت علی کو کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں مگر وہ کسی بات میں بولتے تو شجاعت علی ان کو ڈانٹ دیتے۔ شفاعت علی کسی بات میں شریک تو نہیں ہونا چاہتے تھے مگر دنیاداری نبھانے کے لئے وہ شادی میں شریک رہے تھے۔ تمام وقت ان کو آمنہ کی یاد ستاتی رہی۔ پھر سوچتے اچھا ہی ہوا کہ وہ نہیں ہے ورنہ وجاہت کو یوں دیکھ کر دکھی ہی ہوتی۔

دلہن کی آمد پر پورا گاؤں دھماکوں سے گونج اٹھا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ دلہن کے لئے بڑے گیٹ سے اس کے کمرے تک پھولوں کو بچھایا گیا تھا۔ کمرے کو بھی پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ قدم قدم پر ملازم تھے۔ مسہری پھولوں

سے لدی تھی جہاں زیب کو بٹھایا گیا۔ اس وقت وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ اس نے بھاری گھونگھٹ ہٹا کر کمرے کا جائزہ لیا۔

"ہونہہ...... پھولوں کو آگ لگانے والی نانی ماں...... تمہیں تو میں سمجھوں گی۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے دل میں...... جس طرح تمہارے لگائے ہوئے زخموں سے میری ماں خون تھوک کر مری ہے، تمہارا بھی ایسا حشر ہوگا۔"

زیب النساء اس رشتے پر تیار ہی اس لئے ہوئی تھی کہ اسے کچھ حساب چکانے تھے۔ اور اس وقت بھی عام دلہنوں کی طرح خوابوں کی بجائے اس کے ذہن میں الٹے سیدھے خیالات آ رہے تھے کہ وہ کس طرح اپنی ماں کا بدلہ لے سکتی ہے۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور وجاہت اندر داخل ہوا۔ اس نے جھٹ گھونگھٹ گرا دیا اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"واہ...... کیا بات ہے...... دادی ماں نے جو تمہاری تعریف کی وہ بہت کم ہے۔ لگتا ہے چاند اتر آیا ہے حویلی میں۔" وجاہت علی کے لئے عورت کی تعریف میں آسمان زمین کے قلابے ملانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مگر اس کی بے تاثر سی تعریف سے زیب النساء کے دل پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا یا پھر وہ اپنے مقاصد کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ دروازہ بجا، وجاہت نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"دادی ماں آپ؟" وجاہت پیچھے ہٹ گیا۔ وہ گلاسوں میں دودھ لئے اندر آ گئیں۔

"ماشاء اللہ...... کیسا جگمگا رہا ہے میری پری کا حُسن...... لے پتر! میں یہ دودھ خاص طور پر اپنے ہاتھوں سے تیرے لئے لائی ہوں۔"

دادی ماں نے بڑی محبت سے زیب النساء کو دیکھا، پیار کیا اور بڑا سا دودھ کا گلاس اس کے منہ سے لگانے لگیں تو اس نے جلدی سے منہ پیچھے کر لیا۔

"کیا مطلب ہے لڑکی تیرا......؟" ساری محبت تھوڑی دیر کے لئے ختم ہو گئی۔ انہوں نے کڑے تیوروں سے زیب النساء کو گھورا۔

"کچھ مطلب نہیں نانی ماں...... یونہی مذاق کر رہی تھی آپ سے۔ آخر میرا آپ سے ڈبل رشتہ ہے۔ آپ تو میرا سب کچھ ہیں۔" زیب النساء نے بڑھ کر ان کو گلے لگا کر کچھ زیادہ زور سے دبایا تو ہاجرہ بیگم کچھ مشکوک سی ہو کر الگ ہو گئیں۔

"اچھا ٹھیک ہے...... بس چلتی ہوں۔ وجاہت پتر! ذرا میری بات سننا۔" ہاجرہ بیگم وجاہت کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئیں۔

"لڑکی بڑی تیز ہے پتر! دو دھاری تلوار ہے۔ اس کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔ ذرا کنٹرول میں رکھنا۔"

"او جانے بھی دو دادی ماں! اس نے شوخی میں ایک بات کہہ دی ہے۔ کوئی بات نہیں...... آپ جاؤ، آرام کرو۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

وجاہت علی تو مکمل طور پر زیب النساء کے حُسن کے سحر میں کھو چکا تھا، دلاسا دے کر بھیج دیا۔

زیب النساء نے آتے ہی حویلی کو اپنے قبضے میں لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہاجرہ بیگم کا تسلط ختم کرنا چاہتی تھی اور اپنی مہم کا آغاز کر چکی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سمیت گھر کے مردوں کو اپنا حامی پہلے ہی کر لیا تھا۔ ایک شفاعت علی تو تھے جن سے اسے قلبی لگاؤ محسوس ہوتا تھا۔ وہ ان سے بڑی عزت اور محبت سے پیش آتی۔ ذکیہ نے جیسا ذکر کیا تھا ویسا ہی وہ ان کا خیال رکھتی تھی۔

"چاچا جی...... آپ سارا وقت یہاں کتابوں میں بند رہتے ہیں۔ آپ کی صحت خراب ہو جائے گی۔"

وہ چپکے سے آ کر کتاب بند کر کے کہتی تو وہ اسے پیار سے دیکھنے لگتے۔ زیب النساء بالکل اپنی ماں ذکیہ کی طرح خوبصورت اور نرم خو تھی۔

"بیٹی! یہ خیال تم نے کیا ہے...... ورنہ تو کبھی سگے بیٹے کو باپ کا خیال تک نہیں آیا۔ تم تو اس گھر میں رحمت بن کر آئی ہو بیٹی۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ تمہاری ماں بھی اسی طرح اچھی تھی۔ بے حد اچھی تھی ذکیہ۔"

شفاعت علی ذکیہ اور اپنا ماضی یاد کر کے اداس ہو گئے تو زیب النساء کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے ناحق ان کو اداس کیا۔ وہ زور سے ہنس پڑی۔

"اگر میری ماں اتنی اچھی تھی تو آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

اس کی اس بات پر شفاعت علی چکرا سے گئے۔ کیا جواب دیتے، چپ سے ہو گئے۔ زیب النساء کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"آپ پریشان کیوں ہو گئے چاچا جی! میں سب جانتی ہوں...... نسرین ماسی نے سب کچھ بتا رکھا ہے مجھے۔ اچھا، خیر میں چلتی ہوں۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتائیں۔ اب آپ کی بیٹی آ گئی ہے اس گھر میں۔"

"جیتی رہو بیٹی...... خدا تمہیں خوش رکھے۔ وجاہت تو اس قابل نہیں تھا۔ پھر تم جیسی اچھی لڑکی خدا نے کس کی دعا میں دے دی۔ بہرحال خوش رہو، آباد رہو بیٹی۔"

شفاعت علی کی دعائیں سمیٹتی وہ شجاعت علی کے پاس آئی۔ وہ بری طرح کھانس رہے تھے۔ وہ کچھ دیر اس سفاک انسان کو گھورتی رہی جس نے ایک نہیں کئی زندگیاں برباد کی تھیں۔ اس کی ماں بھی اس کی سفاکی کا نشانہ بنی تھی۔

"ارے زیب بیٹی آؤ...... کیسے آنا ہوا؟" شجاعت علی کھانسی سے سنبھلنے کے بعد اس کی طرف مڑے۔

"آنا کیسے ہوا...... ارے دادا جی! آپ کی بیماری کی وجہ سے پریشان رہتی ہوں۔ ابھی بھی آپ کی کھانسی کی آواز سن کر آئی ہوں۔ یہ نانی ماں آپ کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتیں۔ لائیں آپ کے شانے دباؤں۔ اور یہ دوائیاں تو بالکل بیکار ہیں۔ میں وجاہت سے کہوں گی آپ کو شہر کے کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھائے اور علاج کرائے۔" پھر اس نے تھوڑی دیر شانے دبائے، دوائیاں اٹھا کر باہر پھینک دیں۔

"یہ نہ پھینکو بیٹی! یہ اچھی دوائیاں ہیں۔ بڑا فرق ہے مجھے۔" شجاعت علی نے کہا۔

"کوئی اثر وثر نہیں ہے دادا جی ان میں۔ ہر وقت کھوں کھوں تو کرتے رہتے

ہیں۔" اس نے زبردستی دوائیاں پھینک دیں۔

"تھوڑی سی تکلیف تو آپ بھی برداشت کر کے دیکھیں دادا جی۔" وہ دوائیاں پھینکتے ہوئے سوچ رہی تھی اور شجاعت علی سمجھ رہے تھے کہ وہ درست کہہ رہی ہے۔

"میں ابھی آپ کے لئے یخنی بھیجتی ہوں دادا جی...... دیکھیں تو کھانس کھانس کر گلا خراب ہو گیا ہے آپ کا۔"

"جیتی رہو بیٹی...... جیتی رہو۔" وہ اپنی اچھائیوں کے جھنڈے گاڑتی آگے بڑھی تو کلثوم اور دوسری لڑکیاں سبزی بنا رہی تھیں۔ توریاں کاٹی جا رہی تھیں۔

"یہ توریاں کس کے حکم سے آئی ہیں؟" وہ سب جانتی تھی۔ مگر صرف ہاجرہ بیگم کو سنانے کی غرض سے پوچھ رہی تھی۔

"بڑی بی بی کے حکم سے۔" کلثوم نے آہستگی سے جواب دیا۔

"اٹھاؤ یہ سب...... مجھے پسند نہیں۔ اور جو چیز مجھے پسند نہ ہو وہ ہرگز نہیں پکے گی۔ کسی کے حکم سے بھی نہیں۔"

وہ جس مقصد کے لئے بلند آواز میں بول رہی تھی اس میں کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ ہاجرہ بیگم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یوں بھی جس روز سے زیب النساء حویلی میں آئی تھی ان کی حکومت کو جیسے زوال آ گیا تھا۔ وہ اپنی بادشاہت کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھیں۔

"کلثوم! تم سب لوگ جاؤ یہاں سے......" ہاجرہ بیگم نے سب کو باہر نکال دیا پھر چند قدم چل کر زیب النساء کے قریب آ گئیں جس کے چہرے پر اعتماد اور سکون تھا۔ کسی قسم کے خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے علاوہ اس حویلی میں کسی اور عورت کا سکہ نہیں چلنے دیا تھا اور یہ کل کی لڑکی ان کی حیثیت کو چیلنج کر رہی تھی۔

"زیب النساء! میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں...... تم اپنی حد اور اوقات سے باہر آ رہی ہو جس سے آج تک کوئی باہر نہیں آیا، کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

ہاجرہ بیگم نے اس کو زور سے دھکا دے کر گویا باقاعدہ جنگ کا آغاز کر دیا۔ زیب النساء جو اس دھکے کے لئے تیار نہیں تھی، تھوڑا سا اپنی جگہ پر لرز گئی پھر تیورا کر مڑی۔

"میں بھی آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں نانی ماں کہ میں ذکیہ، آمنہ یا سکینہ بیگم نہیں ہوں جو آپ کا شکار ہو جاؤں۔ میں زیب النساء ہوں، عبدالرحمٰن کی بیٹی، وجاہت علی کی بیوی، اس حویلی کی بہو۔ اب اس گھر پر میرا حکم چلے گا...... میرا راج ہو گا۔ سمجھیں آپ۔ چابیاں مجھے دے دیں اور اپنی عمر کے حساب سے بیٹھ کر اللہ اللہ کریں...... لائیں چابیاں دیں۔"

مضبوط لہجے میں بولتی، پُر اعتماد انداز میں وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھائے چابیاں مانگ رہی تھی۔ ان کا مارے غصے کے برا حال ہو رہا تھا۔

"تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھ سے چابیاں مانگنے کی...... یہ جرأت آج تک کسی کی نہ ہوئی۔"

"میں نے آپ سے کہا ناں مجھے ذکیہ، آمنہ یا سکینہ نہ سمجھنا...... میں زیب النساء ہوں...... چابیاں دیں۔"

وہ ان کے غصے، ان کی حیثیت نظر انداز کئے چابیوں کے لئے بضد تھیں اور مارے غصے کے ہاجرہ بیگم کے حواس معطل ہو رہے تھے۔

"تم...... تم اس طرح باز نہیں آؤ گی...... اب مجھے تمہارا بھی بندوبست کرنا پڑے گا۔ اور سنو، چابیاں تو تمہیں میں مر کر بھی نہیں دوں گی۔"

ہاجرہ بیگم کو اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے وجاہت کے لئے زیب النساء کا انتخاب کرتے وقت کیوں نہیں سوچا کہ یہ ذکیہ کی بیٹی ہے۔ الٹی آنتیں گلے پڑ سکتی ہیں۔ مارے غصے کے ان کا برا حال تھا۔

"بندوبست تو خیر دیکھیں کس کا ہوتا ہے۔ البتہ چابیاں تو اپنی زندگی میں ہی میرے حوالے کر دیں گی۔ کیونکہ اس حویلی کو پاگل مالکن کی ضرورت نہیں۔ اس حویلی کے معاملات تو بڑی چالاک، عیار اور ہوشیار مالکن ہی چلا سکتی ہے، ایک پاگل عورت

نہیں۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں...... میں پاگل ہوں؟" ہاجرہ بیگم غصے کے مارے خوف ناک ہو رہی تھیں۔

"نہیں...... میں نے کب کہا آپ پاگل ہیں نانی ماں...... لیکن پاگل ہوتے کیا دیر لگتی ہے...... پاگل ہو تو سکتی ہیں ناں...... او وجاہت جی! آپ آ گئے...... آپ کمرے میں جائیں، میں ابھی کھانا وہیں لے کر آتی ہوں۔"

زیب النساء بڑے پُراسرار انداز میں پہلے ہاجرہ بیگم کو پاگل بنا رہی تھی۔ اسی وقت وجاہت آ گیا تو وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"اوہو بھئی کیا باتیں ہو رہی ہیں ساس بہو میں۔" وجاہت نے دادی ماں اور زیب النساء کو دیکھا مگر وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں ایک سرد جنگ تو عرصے سے جاری تھی مگر اب بھڑکنے لگی تھی۔

"وجاہت پتر! یہ لڑکی مجھے پاگل کر دے گی۔ یہ خطرناک لڑکی ہے۔"

ہاجرہ بیگم جھٹ وجاہت کی طرف بڑھیں تو وہ زور سے ہنس پڑا۔

"واہ...... کیا میرے منہ کی بات چھینی ہے دادی ماں...... اس لڑکی نے تو واقعی مجھے پاگل کر دیا ہے۔ واقعی یہ پاگل کر دینے کی حد تک خطرناک ہے۔ پر کیا، کیا جائے۔ انتخاب بھی تو آپ ہی کا ہے۔ آپ نے ہی تو اسے پسند کیا ہے۔" وجاہت بالکل بھی نہیں سمجھ سکا کہ ان کی باتوں کا مطلب کیا ہے۔ وہ تو اپنی محبت میں اپنے مطلب کی باتیں کہہ رہا تھا۔

"تمہیں تو میں خوب اچھی طرح سمجھوں گی زیب النساء! دیکھتی ہوں پہلے پاگل کون ہوتا ہے۔"

ان دونوں کو ایک ساتھ جاتے دیکھ کر ہاجرہ بیگم نے زہریلے انداز میں سوچا اور ایک ساتھ کئی منصوبے ان کے ذہن میں آ گئے جن پر عمل کر کے زیب النساء کا پتہ بھی صاف ہو سکتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکتا تھا۔

سردی بڑھ رہی تھی۔ وہ سوچتے سوچتے بہت دور نکل گئیں۔ تن بدن میں انتقام کی آگ سی بھڑک رہی تھی۔ ان کو گرمی سی محسوس ہونے لگی۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ پوری حویلی نیند کے اثر میں تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئیں۔ کچھ دیر ٹہلتی رہیں۔ کافی دیر بعد جب دوبارہ ٹھنڈ لگنے لگی تو اندر آ گئیں۔ لحاف ہٹا کر لیٹنے لگیں تو ان کی ایک دم چیخ نکل گئی۔ ان کے سفید بستر پر دو انسانی پاؤں خون سے تربتر لگے ہوئے تھے۔ یوں جیسے کوئی بے حد زخمی انسان ان کے بستر سے ہو کر گزرا ہو۔ ابھی کچھ دیر قبل تو بستر بالکل صاف تھا۔ وہ کمرے میں تالا ڈال کر باہر گئی تھیں...... پھر یہ کس کے پاؤں تھے...... کون بند مقفل دروازے سے اندر آیا؟ انسانی سائز سے بڑے خون میں لت پت پاؤں...... خوف سے ان کی گھگھی بندھ گئی...... وہ خوف زدہ ہو کر باہر بھاگیں۔

"وجاہت...... وجاہت پتر...... دروازہ کھول پتر......"

انہوں نے زور زور سے دروازہ پیٹا۔

"کیا ہوا دادی ماں...... خیریت تو ہے ناں...... اور یہ کیا حال ہو رہا ہے آپ کا...... نہ سر پر چادر نہ پاؤں میں جوتا۔ کیا ہوا ہے؟"

وجاہت کو خاصی تشویش ہوئی۔ ہاجرہ بیگم کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"کوئی ڈراونا خواب دیکھ لیا ہے نانی ماں آپ نے۔" زیب النساء نے اطمینان سے ان کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا۔

"نن...... نن...... نہیں...... وہاں کوئی ہے...... وہاں خون...... پاؤں...... ہاں وجاہت پتر! آؤ دیکھو، وہاں پاؤں...... خون......"

مارے خوف اور گھبراہٹ کے ہاجرہ بیگم کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے جملے ادا ہو رہے تھے۔

"اوہو دادی ماں! آپ کا وہم ہو گا۔" وجاہت نے ان کا خوف ختم کرنے کی

غرض سے کہا۔

"نہیں...... میں کوئی پاگل ہوں کہ میرا وہم ہوگا...... وہاں کوئی آیا تھا، میں ذرا دیر کو باہر نکلی تو کوئی خون میں بھرے پاؤں لے کر میرے بستر پر چڑھ گیا...... آؤ دیکھو وہاں اتنے بڑے بڑے پاؤں ہیں خون میں لت پت۔"

ہاجرہ بیگم اس وقت خوف زدہ بچے کی طرح ہو رہی تھیں۔ وہ وجاہت علی کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں لائیں۔ زیب النساء بھی ساتھ آ گئی۔

"کہاں ہے...... کچھ بھی تو نہیں دادی ماں...... کہا بھی تھا آپ کا وہم ہوگا۔ دیکھیں تو، صاف شفاف چادر ہے آپ کے بستر کی۔ مٹی کی گرد تک نہیں تو خون والے پاؤں کہاں ہو سکتے ہیں؟"

وہاں تو واقعی سفید صاف چادر تھی۔ نام و نشان نہیں تھا خون زدہ پیروں کا۔

"نہیں...... کوئی گڑبڑ ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اتنے بڑے بڑے پاؤں خون میں لت پت تھے۔ کہاں گئے؟" ہاجرہ بیگم کا خوف دوچند ہو گیا تھا۔ ان کی آنکھیں خوف سے پھیلی جا رہی تھیں اور دل خوف سے دھڑکنا بند ہو رہا تھا۔

"وہم...... نانی ماں وہم ہے صرف آپ کا...... ورنہ پھر کہاں گئے وہ خون میں لت پت پاؤں...... سو جائیں، کچھ نہیں ہے۔" زیب النساء نے ان کی بات کو وہم قرار دے کر سونے کی تاکید کی۔

دونوں باہر نکلے تو ہاجرہ بیگم پھر ان کے سامنے آ گئیں۔

"تم لوگ کیا سمجھتے ہو میں پاگل ہوں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، انسانی پاؤں تھے۔ بڑے بڑے، خون میں لت پت۔" وہ مستقل اپنی بات پر زور دے دے کر ان کو یقین دلانا چاہ رہی تھیں مگر دونوں ان کی بات پر یقین نہیں کر رہے تھے۔

وہ بے بسی سے خوفزدہ سی کمرے میں آ گئیں۔ وہ تمام رات انہوں نے آنکھوں میں کاٹی۔ ہر طرف ان کو خون میں لت پت پاؤں لہراتے نظر آتے تو نیند اڑ جاتی۔

وہ بے بسی سے ساری رات دیواروں کو گھورتی رہیں۔



اس واقعے نے ہاجرہ بیگم کو سہما دیا تھا۔ مگر ان کو دکھ تو اس بات کا تھا کہ ان کے اپنے شوہر شجاعت علی اس کو ان کا وہم اور عمر کا تقاضا قرار دے کر ہنس پڑے تھے۔

شجاعت علی تو دانستہ کسی بات میں بولتے ہی نہیں تھے۔

اس کے بعد ہاجرہ بیگم کچھ دن تو سہمی سہمی سی گھبرائی ہوئی پھرتی رہیں۔ راتوں کی نیند تو اڑ ہی چکی تھی، انہوں نے اپنا کمرہ بدل دیا۔

اس کمرے میں ان کو تیسرا دن تھا۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ نیند بھی ایک عرصے کے بعد اچھی آئی تھی۔ اس وقت وہ بڑے آرام اور سکون سے گہری نیند سو رہی تھیں۔ وہ آیت الکرسی وغیرہ پڑھ کر سوتی تھیں۔ غالباً آج نیند کے غلبے میں کچھ بھی پڑھنا بھول گئی تھیں۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ ہوتی رہی مگر وہ اتنی گہری نیند میں تھیں کہ ان کی آنکھ ہی نہیں کھلی۔

رات کے تین بجے کا وقت تھا۔ ہو کا عالم...... اس بار زور سے دروازہ بجا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ دل تھا کہ دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ خوف سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

دستک مسلسل ہو رہی تھی مگر ان میں کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، دروازہ کیا کھولتیں۔ تب ہی کسی کی آواز آئی۔

"اماں جان...... دروازہ کھولیں ناں۔"

یہ آواز ذکیہ کی معلوم ہوئی۔ ان کی تو روح فنا ہو گئی۔ وہ کانپنے لگیں۔ مگر اب ان کا کمرہ دوسرے کمروں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ نہ چیخ سکتی تھیں نہ بلا سکتی تھیں۔ شجاعت علی اپنی بیماری کی وجہ سے الگ سوتے تھے بلکہ ہاجرہ بیگم نے ہی تو کہا تھا آپ کی کھوں کھوں سے میری نیند خراب ہوتی ہے۔ آپ دوسرے کمرے میں چلے جائیں۔ اور تب سے وہ الگ تھے۔ مگر اب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ وہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھیں کہ دستک پھر ہوئی۔

"اماں جان...... دروازہ کھولیں...... سردی لگ رہی ہے۔" یہ آواز ذکیہ ہی کی تھی۔ ان کا حلق خشک ہونے لگا۔

"کو...... کو...... کون ہے......؟" زبان خشک ہو کر لڑکھڑا رہی تھی۔

تب ایک بے ہنگم سا قہقہہ ابھرا۔

"آپ دروازہ کھول کر خود ہی پہچان لیں نا اماں جان میں کون ہوں۔" ہنسی کے دوران کہا گیا اور پھر دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ انہوں نے کان بند کر لئے مگر دروازہ کھولنے کا اصرار بڑھتا گیا۔ تب مجبور ہو کر وہ اٹھیں، کانپتی ٹانگوں سے دروازے تک آئیں اور دروازہ کھول دیا۔ مگر چیخ کر وہیں گر پڑیں۔ خون میں لت پت کسی بکرے کا سر تھا جس سے تازہ تازہ خون بہہ رہا تھا۔



"بچاؤ...... مجھے بچاؤ...... وہ بکرا...... وہ خون ٹپکتا ہوا سر...... بچاؤ......"

ہاجرہ بیگم بری طرح چلا رہی تھیں۔ گھر بھر ان کے گرد جمع تھا۔ ڈاکٹر بھی آ چکا تھا مگر وہ خوف زدہ سی ہو کر چلائے جا رہی تھیں۔

"دادی ماں! وہاں کچھ نہیں تھا...... آپ کی چیخ پر ہم بھاگے آئے تو آپ بے ہوش پڑی تھیں۔" وجاہت ان کو بتا رہا تھا۔

"اور...... اور وہ خون میں لپٹی بکرے کی سری...... وہ خون...... وہ نکلی آنکھیں...... وہ سب کیا تھا؟ بتاؤ...... وہ خون میں لت پت سر کہہ رہا تھا اماں جان دروازہ کھولو...... کھولو دروازہ۔"

وہ خوف سے آنکھیں پھیلائے بتا رہی تھیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ دونوں جب چیخ سن کر آئے تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ بے ہوش پڑی تھیں۔ اور اسی بات پر تو ان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ ان کا وہم ہے...... آپ لوگ کوشش کریں کہ ان کو اس قسم کے وہم نہ آئیں ورنہ ان کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ میں نے سکون کی دوائیں لکھ دی ہیں۔ آپ منگوا

کر استعمال کروائیں۔" ڈاکٹر ہدایات دیتا ہوا چلا گیا۔

دوائیں بھی استعمال کرائی گئیں۔ لیکن اگر اس قسم کے واقعات وقوع پذیر ہونا بند ہو جاتے تو شاید وہ ٹھیک ہو جاتیں۔

اس واقعے کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا، اس رات ہاجرہ بیگم قدرے بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ موسم بھی بدل رہا تھا۔ انہوں نے یوں ہی تازہ ہوا کی خاطر کھڑکی کھولی...... مگر جیسے ہی کھڑکی کھولی ان کو لگا جیسے ایک کفن پوش مُردہ ان کی طرف بڑھا ہو اور ان کو دبوچ لینا چاہتا ہو...... وہ خوف سے اپنے حواس گنوا بیٹھیں۔ پھر ان کو شہر لے جایا گیا، چیک اپ ہوا مگر تمام ڈاکٹرز کے مطابق وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی تھیں۔ عمر بھر کی ساتھی کا یہ حال دمے کے مریض شجاعت علی برداشت نہ کر سکے اور کھانسنے کے دورے کے دوران ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شفاعت علی الگ دل تھامے بے بسی کی تصویر بنے سب کچھ دیکھتے رہتے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا...... ہر کوئی اپنے انتقام کو پہنچ رہا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تمام عمر حویلی پر کسی جابر حکمران کی طرح حکومت کرنے والی ہاجرہ بیگم اس حد تک خطرناک ہو گئی تھیں کہ ان کو مقفل کمرے میں بند رکھا جاتا۔

"وجاہت علی! بہت ہو گیا...... اب میں اس پاگل عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ہر وقت شور کرتی رہتی ہے۔ جو ملازم کھانا اندر دینے جاتا ہے اس کو زخمی کر دیتی ہے۔ بہتر ہوگا آپ اس کو پاگل خانے داخل کروا دیں۔"

زیب النساء کو وہ اس گھر میں گوارا ہی نہیں تھی۔ اس نے حکم صادر کر دیا۔

"مگر زیب النساء......" وجاہت علی تھوڑا سا جزبز ہوا۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔ میں اس کا وجود اب اس حویلی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ پاگل عورت ہر وقت چیختی رہتی ہے۔"

اور یہاں بھی زیب النساء کی جیت ہو گئی۔ اس کے اصرار پر ہاجرہ بیگم کو پاگل خانے میں داخل کروا دیا گیا تو اسی رات شفاعت پر دل کا شدید دورہ پڑا۔ ان کو

لے کر شہر گئے۔ وہاں انہوں نے زیب النساء کو آخری سانسوں میں سمجھایا۔

''میں تمہیں جانتا ہوں زیب بیٹی! تم فطرتاً بری نہیں تھیں...... تم نے تائی ماں کے ساتھ یہ سب اپنی ماں کا انتقام لینے کی خاطر کیا۔ مگر بیٹی شاید تم...... معافی کی لذت سے آشنا نہیں ہو...... معاف کرنا انتقام سے احسن ہے...... مگر شاید...... اللہ اکبر ...... لا الہ......'' آخری سانس کی ٹوٹتی ڈور نے ان کو بات مکمل نہیں کرنے دی اور انہوں نے کلمہ شہادت پڑھ کر موت کو گلے لگا لیا۔ وجاہت علی باپ کے قدموں پر گر گیا۔



انسانی رویوں کی اچھائی برائی کا ایک دور ختم ہو چکا تھا۔ دوسرا دور جنم لے رہا تھا۔

زیب النساء اولاد کی دولت سے محروم ہاجرہ بیگم کی صورت اختیار کر چکی تھی اور وجاہت اپنے باپ کی بجائے اپنے دادا شجاعت علی کا روپ دھار چکا تھا۔ وجاہت علی کے لئے اب حویلی میں کچھ نہیں رکھا تھا سوائے بدمزاج زیب النساء کے جس کا ملکوتی حسن حسد اور انتقام کی بھٹی میں جھلس کر ختم ہو چکا تھا۔

وجاہت زیادہ تر زمینوں پر رہتا۔ وہاں پر زمینوں کے مسائل کے علاوہ دلچسپی کا سامان بھی تھا اس لئے وہ حویلی کم کم ہی آتا۔ اور زیب النساء کو اس کی کب پرواہ تھی۔ وہ تو ہاجرہ بیگم بنی حویلی پر حکومت کر رہی تھی۔ اس بار جب وجاہت علی آیا تو وہ اپنے میکے جانے کو تیار تھی۔

''تم ابھی گھر نہ جاؤ۔'' وجاہت علی نے اس کو سولہ سنگھار کے ساتھ تیار ہوتے دیکھ کر کہا۔

''کیوں نہ جاؤں...... میں تو جاؤں گی...... اتنے دن ہو گئے ہیں گھر گئے ہوئے۔'' زیب النساء ہٹ دھرمی سے بولی۔

''اوہو بھئی چلی جانا۔ میرے اپنے دوست نے شہر میں فیکٹری لگائی ہے، میں

وہاں جا رہا ہوں۔ مبارکباد بھی دے آؤں اور دوسرا میں نے سوچا ہے کہ میں بھی شہر میں کوئی فیکٹری یا مل لگا لوں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

آج ایک عرصے کے بعد دونوں میاں بیوی اکٹھے بیٹھے تھے۔ وجاہت نے کتنے دنوں بعد اس سے ڈھنگ سے بات کی تھی۔ وہ پگھل گئی۔

''ٹھیک ہے...... مگر میں بھی تو شہر جانا چاہتی ہوں۔''

''ہاں...... تم بھی چلنا۔ مگر جب میں فیکٹری کا پکا ارادہ کر لوں گا تب۔ فی الحال تم میری تیاری کر دو شہر جانے کی۔''



''یار وجاہت! بڑا بے مروت ہے تو...... اتنے بلاوے بھیجے مگر تیرے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔'' انور وجاہت کو اپنے گھر دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ دونوں دوست گلے ملے شکوے شکایات دور کر رہے تھے۔

''او جوں ہوتی تو رینگتی ناں...... دوسری بات یہ کہ بڑے اوکھے مسائل میں گھر گیا تھا۔ اب خدا خدا کر کے کچھ بوجھ ہلکا ہوا ہے تو تیرے ایک بلاوے پر بھاگا چلا آیا ہوں...... بلکہ یوں سمجھ رسے تڑوا کر آیا ہوں۔''

''اچھا، کیا بھابی بھی سخت ہے؟'' انور اس کی بات پر مسکرایا۔

''او نہیں یار! اب نہ اس کو میری پرواہ ہے اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ۔ بس ایک رشتے کی ڈور ہے جو بندھی ہے۔ میں تو یار اس زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔ وہی زمینیں، ان کے جھگڑے، مسائل۔ یار اب زندگی میں کچھ تبدیلی چاہتا ہوں۔''

وجاہت علی واقعی اپنی زندگی کی یکسانیت سے تنگ آ چکا تھا اور تبدیلی چاہتا تھا۔

''کیسی تبدیلی چاہتا ہے میرا یار......؟'' انور نے معنی خیز نظروں سے وجاہت کو دیکھا تو جواباً ہو سکتا ہے وجاہت کوئی بات کہتا اسی وقت ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی میں نفیس سی نازک سی انور کی بیگم شائستہ آ گئی۔ وجاہت بغور شائستہ کو دیکھتا رہا۔ کتنا سلیقہ تھا اس کو بات کرنے کا، کتنی اسمارٹ تھی یہ عورت۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔ اس بات

کو انور اور شائستہ نے بھی محسوس کیا۔

''کیا بات ہے یار وجاہت! خیریت تو ہے ناں؟'' انور نے قدرے خفگی سے پوچھا تو وہ سیدھا ہو گیا۔

''کچھ نہیں...... یوں ہی ایک خیال سا آ گیا تھا کہ شہر اور گاؤں کی عورتوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔''

''کوئی فرق نہیں وجاہت بھائی! آپ لوگ گاؤں کی عورت کو صدیوں سے گھر کی باندی اور پاؤں کی جوتی سمجھتے آئے ہیں ناں۔ شہر میں تعلیم و تربیت میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے تو فرق تو پڑے گا ہی۔''

شائستہ نے بڑے شائستہ انداز میں اس کی بات کی وضاحت کر دی تو وہ کچھ کھسیانہ سا ہو گیا۔

''یار! تم زیب بھابی کو شہر کیوں نہیں لے آتے؟'' انور نے کباب اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے مشورہ دیا۔

''تو شہر آتے ہی کیا زیب النساء، شائستہ بھابی کی طرح ہو جائے گی؟'' وجاہت طنزیہ ہنسا۔

''اچھا خیر چھوڑو، ابھی تم آرام کرو۔ کل پھر فیکٹری چلیں گے۔''

وجاہت علی کھانا کھانے کے بعد اپنے لئے مخصوص کمرے میں چلا گیا تو انور نے شائستہ کو اپنے پاس بلایا۔

''یہ شخص بلاشبہ میرا دوست ہے اور اچھا بھی ہے مگر عورت کے معاملے میں اس کی نظر اور نیت دونوں خراب ہیں۔ تم زیادہ اس کے سامنے نہ آیا کرو۔ بس کام سے کام رکھنا۔'' انور کو وجاہت کی گہری نگاہیں خوف زدہ کر گئی تھیں۔

''یہ غلطی تو آپ کی ہے ناں انور...... کیا ضرورت تھی اتنے اوباش قسم کے شخص کو گھر میں ٹھہرانے کی۔ ابھی تو عظمٰی عذرا آ جائیں گی تو کیا ہو گا۔ بس آپ اس کا بندوبست کریں۔'' شائستہ نے خاصا مائنڈ کیا۔

''ارے بھئی وہ یہاں تھوڑی رکے گا۔ جاگیردار بندہ ہے، کل اپنی کوٹھی میں شفٹ ہو جائے گا۔ اور سنو، عظمٰی اور عذرا کو فون کر دو ابھی انکل کے ہاں ہی رہیں۔ میں جب لینے آؤں تو تب ہی آئیں۔ تب تک وجاہت بھی اپنی کوٹھی میں چلا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے...... میں ابھی فون کر دیتی ہوں۔'' شائستہ فون کر کے پورے گھر کو دیکھ کر چوکیدار کو ہدایت دے کر سونے کے لئے اپنے کمرے میں آئی تو اسی وقت کوریڈور کی لائٹ آف ہو گئی اور کوئی اس کی طرف بڑھا۔

''کو...... کو...... کون ہے......؟'' آواز شائستہ کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اور جب آنے والے نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخ پڑی۔

''اوہو شائستہ...... یہ میں ہوں...... کیا ہو گیا ہے بھئی...... کیوں چلا رہی ہو؟'' انور اسے پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔ روشنی میں انور کو دیکھ کر شائستہ کو تسلی ہوئی۔ وہ تو یہ سمجھی تھی کہ شاید وجاہت علی آ گیا ہے۔

''یہ آپ ہیں...... خدا کا شکر ہے۔ میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔'' شائستہ اب بھی گھبرائی ہوئی تھی۔ بار بار انور کو دیکھ رہی تھی۔

دراصل جب سے وجاہت آیا تھا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور جب انور نے بھی کہہ دیا کہ بندہ ٹھیک نہیں تھا تو وہ اور بھی خوفزدہ ہو گئی۔

''تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو گئی تھیں بھئی...... کوریڈور کا بلب ایک دم فیوز ہو گیا تھا۔ تمہیں دیکھنے کی غرض سے میں دبے پاؤں آگے بڑھا اور تم چیخ پڑیں۔ ویسے تم کس سے خوفزدہ ہوئی تھیں؟'' انور ابھی بھی اس کے خوف سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''کمال کرتے ہیں، میری جان نکل گئی تھی اور آپ ہنس رہے ہیں۔ دراصل میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا۔ بلب فیوز ہونے سے اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ساتھ ہی آپ کا ہیولا۔ جبکہ میں تو آپ کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر آئی تھی۔ میں سمجھی وجاہت ہے۔''

''توبہ ہے شائستہ...... ٹھیک ہے، وہ بندہ کچھ ٹھیک نہیں۔ مگر اب ایسا بھی گیا گزرا

نہیں کہ...... بہرحال اس کو غلط نہ سمجھنا، ذرا نظر باز ہے۔ اور یوں بھی وہ شاید صبح ہی اپنے بنگلے میں شفٹ ہو جائے۔ بہت خیال رکھنا ہے اس کا۔ بہت بڑا جاگیردار ہے، ہمیں کئی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں اس کی دوستی سے۔"

انور بزنس مین تھا اور ہر بات کو نفع یا نقصان کے تناظر میں دیکھنے کا عادی تھا۔ جبکہ شائستہ سیدھی سادھی خاتون۔ اس کو ان باتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔

"آپ کو اس سے نفع ہو یا نقصان، اسے گھر سے باہر ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ مجھے تو اچھا نہیں لگا یہ دوست آپ کا۔"

"ارے اتنی بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ دیکھو بندہ اچھا ہے، بس بے اولاد اور بیوی سے خائف ہے۔ کسی شہری پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ شائستہ! اگر ہم عظمیٰ یا عذرا میں سے کسی ایک کا اس کے ساتھ رشتہ کر دیں تو کیسا رہے گا؟"

"کیا...... کیا......؟" شائستہ کو انور پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ وہ الماری بند کر کے ان کی طرف غصے سے پلٹی۔ "کیسے بھائی ہیں آپ انور! کہ محض جاگیر کی خاطر پڑھی لکھی معصوم بہنوں کا اس شخص کے ساتھ سوچ رہے ہیں جس کی شرافت ہی مشکوک ہے۔ میں آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔ ارے میں نے ان کو اولاد کی طرح پالا ہے۔ چھوٹی چھوٹی سی تھیں جب میں آئی تھی اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت دے کر محض جاگیر کے لالچ میں ایک غلط آدمی کے سپرد کر دیں...... ہرگز نہیں۔"

شائستہ نے اس بات پر خاصی برہمی کا اظہار کیا تو انور نے ہنستے ہوئے ہاتھ اس کے آگے باندھ دیئے۔

"اچھا بابا، اچھا...... معاف کر دو...... آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اچھا یہ بتاؤ میں نے فیکٹری کے افتتاح کے لئے وجاہت کا انتخاب کیا ہے۔ اس پر تو جناب کو اعتراض نہیں؟ کہ اس پر بھی ہے۔ دیکھو ناں، مالدار بندہ ہے۔ اہمیت ملنے سے چڑھ جائے گا اور ہمارا بھی فائدہ ہو جائے گا۔"

"فائدہ...... فائدہ......" ایک تو آپ ہر بات میں فائدہ سوچتے ہیں۔ جو مرضی ہو کریں۔ مگر گھر سے باہر۔ اس شخص کو گھر سے باہر رکھیں ہاں۔"

"اوکے میڈم......" انور نے شوخی سے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھا اور آئندہ کے لئے پروگرام ترتیب دینے لگا۔



"او چھوڑو یار، فیکٹری کے افتتاح کے لئے کسی بڑے سیاسی لیڈر کو بلاؤ، کسی مشہور ہستی کو دعوت دو۔ ہم ٹھہرے جاہل، اجڈ تیرے یار۔" وجاہت کو جب انور نے افتتاح کی خبر دی تو وہ کچھ انکاری سا ہو گیا۔

"لو...... میرے یار سے بڑھ کر کوئی ہے۔ بس میں نہیں جانتا، تم ہی میری دوسری فیکٹری کا افتتاح کرو گے۔"

"خیر افتتاح کو تم چھوڑو، یہ بتاؤ اگر تمہیں سرمائے کی ضرورت ہے تو بلا کسی جھجک کے بول دینا۔ ورنہ میں سمجھوں گا تم مجھے اپنا یار نہیں سمجھتے۔"

انور جس فائدے کے لئے یہ سب کر رہا تھا وہ اسے کہے بغیر ہی حاصل ہو رہا تھا۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔

"خیر ایسی بات نہیں...... مگر ضرورت تو پڑے گی ہی۔ اور آؤں گا بھی تمہارے ہی پاس۔ لیکن میرا خیال ہے ایسا کرتے ہیں ایک میٹنگ رکھ لیتے ہیں کسی بھی اچھے ہوٹل میں۔" انور اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

"نہیں انور یار! میں ہوں دیسی بندہ، مجھے ہوٹلنگ وغیرہ پسند نہیں۔ میں تو گھر کا کھانا کھاؤں گا۔ بھابھی کے ہاتھ کا۔"

"بھابھی کے ہاتھ کا......" وجاہت کی بات دہراتے ہوئے انور سوچ میں پڑ گیا۔ کیونکہ شائستہ کی طرف سے پابندی تھی کہ وجاہت اس گھر میں نہیں آ سکتا۔ اب تو عظمیٰ اور عذرا بھی انکل کے ہاں سے آ گئی تھیں۔ وہ سوچ میں تھا کہ وجاہت کی آواز پھر ابھری۔

"کیوں کیا ہوا...... بھابھی روٹھ کر میکے تو نہیں گئی ہوئیں؟" وجاہت اسے چھیڑ رہا تھا جبکہ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

"ارے نہیں بھئی ...... ایسی کوئی بات نہیں۔ تم کل رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا...... شائستہ نے کئی کوکنگ کورس کر رکھے ہیں۔ بہت ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں۔"

"ہوں...... کچھ جھلک تو ایک وقت کا کھانا کھا کر میں دیکھ ہی چکا ہوں۔ باقی اب سہی۔"

"اچھا تو پھر کل آ رہے ہو ناں...... اور دیکھو میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا کہ نہیں آ سکتا وغیرہ۔" انور وجاہت جیسی آسامی کو ہاتھ سے ہرگز نہیں جانے دے سکتا تھا خواہ اس کے لئے اسے شائستہ کی ناراضگی ہی مول کیوں نہ لینی پڑتی۔

دوسری طرف وجاہت نے بہت سوچ سمجھ کر دوستی کا پتہ استعمال کیا تھا۔ وہ شہر میں سیٹل ہونا چاہتا تھا اور کسی اچھی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور انور کے تعاون کے بغیر اس کے لئے یہ دونوں کام مشکل ہو جاتے اسی لئے وہ کچھ سوچ کر اس کی جانب بڑھا تھا۔



"انور! میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا مگر آپ نجانے کون سی زبان سمجھتے ہیں۔ کیا ضرورت تھی اسے گھر بلانے کی۔ ہوٹلوں کی کمی ہے شہر میں یا آپ کے پاس دولت کی؟"

"اوہو...... میں تو وجاہت کی ذرا سی برائی کر کے پچھتا رہا ہوں۔ اچھا خاصا بندہ ہے۔ اگر اسے ہوٹل ہی کا کھانا ہوتا تو گھر پر آنے کا نہ کہتا۔ اور پھر تم سمجھتی کیوں نہ ہو، اس بندے سے ہمیں کتنے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔"

انور روٹھی ہوئی شائستہ کو قائل کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس سے رتی برابر متفق نہیں تھی۔ یونہی خفا خفا سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے...... اب آپ کی زبان کا بھرم رکھنے کے لئے میں ڈنر کا انتظام کر رہی ہوں۔ مگر آئندہ اپنے بزنس کے نفع نقصان کو گھر سے دور رکھئے گا۔"

شائستہ اٹھ کر باہر نکل گئی اور انور سوچنے لگا کہ وجاہت سے سرمایہ لے کر ایک اور فیکٹری کی بنیاد رکھ دی جائے تو بہتر رہے گا۔

وہ تنہا بیٹھا وجاہت سے فوائد حاصل کرنے کے بارے میں سوچتا رہا اور شائستہ ملازموں اور کچھ عظمٰی کی مدد سے کھانے کا بندوبست کرنے لگی۔

تمام کام وقت سے پہلے کر کے وہ ذرا لیٹ گئی۔ اسی وقت عظمٰی اندر آ گئی۔

"آپ نے بلایا تھا بھابی؟" عظمٰی بھابی کے قریب ہی آن بیٹھی تو شائستہ بغور اسے دیکھنے لگی۔ عظمٰی کچھ گھبرا سی گئی۔

"کیا بات ہے بھابھی؟" عظمٰی نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی، بال درست کئے اور کھڑی ہو کر آئینے کے سامنے جا رکی۔

"دیکھو عظمٰی! تم دونوں بہنیں کھانا پہلے کھا لینا یا بعد میں۔ مگر مہمان کے سامنے نہیں آنا۔ ٹھیک ہے نا؟" شائستہ کو وہم سا ہو گیا تھا۔

"کیوں...... کیوں مہمان کے سامنے نہ آنا۔ ارے بھئی مہمان میرا گہرا دوست ہے۔ اور یہ کیا جہالت ہے کہ گھر کے افراد مہمان کے ساتھ کھانے پر نہ بیٹھیں۔ جاؤ عظمٰی! ڈھنگ سے تیار ہو جاؤ۔ دونوں ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ مہمان کیا سوچے گا بھئی یہ شہر ہے۔ شہروں والے مینرز ہونے چاہئیں۔" شائستہ کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ انور اس کی بات سن کر اندر آ گیا تھا۔ عظمٰی بھائی کی ہدات پر عمل کر کے تیار ہونے چلی گئی۔

"مگر انور! یہ آپ......" شائستہ کو شوہر کا رویہ قطعی پسند نہیں آ رہا تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں شائستہ! تم نے وجاہت کو ہوا بنا لیا ہے۔ تم خود پڑھی لکھی ہو کر ایسی باتیں سوچتی ہو۔ اور پھر عظمٰی تھوڑی سی اوور ایج ہو گئی ہے۔ اگر وجاہت کو پسند آ جاتی ہے تو ہماری خوش قسمتی ہو گی۔ تم کیوں خطرناک پہلو دیکھ رہی ہو؟"

"وجاہت...... وجاہت...... بزنس کا فائدہ نقصان...... انور! آپ کی سوچ مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ کہاں نازک پڑھی لکھی عظمٰی، کہاں وجاہت۔ نہ زیادہ تعلیم نہ مینرز۔ صرف جاگیر کی نذر کر دیں گے اپنی معصوم بہن کو؟" شائستہ روہانسی ہو گئی۔

"آخر کمی کیا ہے وجاہت میں...... اور پھر......"

"انور! میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے التجا کروں گی، اپنی معصوم بہنوں کو اپنے بزنس کے نفع کی نذر نہ کریں۔ امی نے مرتے وقت دونوں کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور میں ان کی بھابی ہی نہیں ماں بھی ہوں۔ میں......"

"ایک تو تم عورتوں کے آنسو اوپر دھرے رہتے ہیں۔ نہ سوچنا ہوتا ہے نہ سمجھنا بس جذباتی فیصلوں کے سیلاب میں بہہ جاتی ہو تم لوگ۔ اسے کوئی لڑکیوں کی کمی نہیں...... کیا خبر کوئی دیکھ بھی رکھی ہو۔" انور کو ایک خدشہ یہ بھی تھا جس کا اظہار اس نے شائستہ کے سامنے کیا تو اس نے صدق دل سے آمین کہا۔



وجاہت عین وقت پر ہی دعوت پر آیا۔ بھائی کی ہدایت پر دونوں بہنیں بھی آئیں۔ انور نے بڑے جوش سے دونوں کا تعارف، کرایا۔

"وجاہت! یہ میری بہن عظمٰی ہے...... ایم اے کر لیا ہے۔ اب فارغ ہے۔ اور عذرا ابھی پڑھ رہی ہے۔"

"اچھا...... اچھا...... بھئی ہم اتنے قابل تو نہیں جتنے کہ آپ لوگ ہیں کہ آپ کے ساتھ انگریزی میں باتیں کر سکیں۔ البتہ میرے ابا جی اور امی بہت قابل اور پڑھے لکھے تھے۔ ابا جی تو باہر سے پڑھ کر آئے تھے۔"

تھوڑی سی دیر کے لئے وجاہت کو احساسِ کمتری سا ہو گیا مگر پھر اس کی حیثیت اس پر غالب آگئی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

عظمٰی نے ایک نگاہ اس بندے پر ڈالی۔

"ایسی کون سی رکاوٹ تھی آپ کے اور تعلیم کے درمیان کہ آپ نے تعلیم حاصل نہیں کی؟" عظمٰی براہِ راست اس سے مخاطب تھی اور وجاہت جس کی نظریں اس پر تھیں اس کی بات پر خوش ہو گیا۔

"ہوں...... بات تو آپ کی ایسی ہے کہ بڑا تفصیل طلب جواب ہے اس کا۔ اور میں چاہتا تھا کہ کوئی آپ جیسی لڑکی یہ پوچھے تو میں بتاؤں۔ مگر ابھی نہیں۔" وجاہت نے بڑی گہری نگاہوں سے عظمٰی کو دیکھا مگر وہ ان نگاہوں کا مطلب نہیں سمجھ پائی تھی۔ البتہ شائستہ ضرور سمجھ گئی تھی۔

"میرا خیال ہے انور اب کھانا کھا لینا چاہئے۔" شائستہ درمیان سے اٹھ گئی تو پھر

کھانے کا دور شروع ہو گیا۔ شائستہ سمیت انور نے بھی محسوس کیا کہ وجاہت عظمیٰ کی طرف جھک رہا ہے۔ انور کی تو خیر یہی خواہش تھی البتہ شائستہ کو برا لگ رہا تھا یہ سب۔

"میرا خیال ہے انور میں شہر سیٹل ہو کر تمہارے ساتھ مل کر سرمایہ کاری کروں۔" وجاہت نے عظمیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت نیک خیال ہے وجاہت تمہارا...... ویلکم، لیکن تم تو خیر سرمایہ دار ہو۔ کہیں بھی سرمایہ کاری کر سکتے ہو۔ مگر فی الحال تم میری فیکٹری میں سرمایہ لگاؤ تاکہ میں ذرا سنبھل کر چلنے لگوں۔" انور نے دیگ کا منہ کھلا دیکھا تو اپنی پلیٹ بغیر جھجک کے بھرنے لگا۔

شائستہ نے حیران کن اور تنبیہی نگاہوں سے گھورا کہ کیا ضرورت ہے کشکول اس کے سامنے رکھنے کی جس کی نظریں مستقل اس کی بہنوں پر تھیں۔

"یہ کیا غیروں والی بات کر دی تم نے انور! بولو کتنا سرمایہ چاہئے۔ میرا کون ہے کمانے والا، حکم کرو...... ویسے بھابھی! آپ کے ہاتھوں میں تو کیا جادو ہے۔ بڑا لذیذ کھانا ہے۔" وجاہت نے ایک نظر عظمیٰ پر ڈالی جو بڑی چپ چپ سی نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے اٹھ رہی تھی۔ وجاہت بھی ساتھ ہی اٹھ گیا۔

باقی سب کمرے میں چلے گئے۔ وجاہت انور کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گیا اور پھر دونوں کتنی ہی دیر بزنس کی باتیں کرتے رہے۔ انور زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر لینا چاہتا تھا وجاہت سے۔ جبکہ وجاہت عظمیٰ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا مگر اتنی جلدی نہیں۔

"اب اجازت ہے بھابھی؟" وجاہت شائستہ کی ناگواری کو کسی حد تک محسوس کر چکا تھا۔

"شکریہ وجاہت بھائی آپ آ گئے۔" شائستہ نے کچھ اس انداز میں کہا گویا کہہ رہی ہو نہ آتے تو زیادہ اچھا تھا۔

"ایک تکلیف اور دینا چاہتا ہوں بھابھی آپ کو۔" وجاہت کی نظریں پیچھے خاموش کھڑی عظمیٰ پر تھیں۔

"جی فرمایئے......؟" وجاہت کی بات پر جو تاثرات شائستہ کے چہرے پر ابھرے تھے وہ وجاہت کے ساتھ انور نے بھی محسوس کر لئے تھے۔

"وہ یہ ہے کہ میں شہر میں سیٹل ہو رہا ہوں۔ ویسے تو کوٹھی میں ہر چیز موجود ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہر چیز نئی ہو۔ مالکن سے لے کر گاڑی تک۔" یہ کہتے ہوئے پھر اس کی نگاہیں عظمیٰ پر تھیں اور یہی بات شائستہ کو بری لگ رہی تھی۔

"تو اس سلسلے میں، میں کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس کے لہجے میں ذرا سختی اور تلخی تھی جسے وہ باآسانی محسوس کر رہا تھا۔

"آپ یہ کریں کہ میری مدد کریں شاپنگ کرنے میں۔ پہلے میں گھر سیٹ کروں گا پھر شادی اور لڑکی کے سلسلے میں بھی آپ کو میری مدد کرنا پڑے گی۔ بولیں کریں گی ناں؟" وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"میں تو معذرت چاہوں گی وجاہت بھائی! مجھے تو گھر میں اتنی مصروفیت رہتی ہے کہ حد نہیں۔ پھر میری بہن کی شادی ہے، میں زیادہ تر وقت امی کے گھر ہی رہتی ہوں اس لئے میں تو معذرت چاہوں گی۔" شائستہ کے لہجے میں بیزاری سی تھی۔

"چلئے آپ فارغ نہیں تو میں کل گاڑی بھیج دوں گا۔ عظمیٰ آ جائیں گی، میری شاپنگ میں مدد کر دیں گی۔ کیوں عظمیٰ! کیا خیال ہے؟" وجاہت چپ کھڑی عظمیٰ سے پوچھ رہا تھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھ کر انور کو دیکھنے لگی۔

"ہاں، ہاں...... ضرور، وجاہت! اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے...... تم گاڑی بھیج دینا، عظمیٰ تیار رہے گی۔" شائستہ یا عظمیٰ کی بجائے انور نے جلدی سے کہا تو شائستہ نے گھور کر شوہر کو دیکھا پھر عظمیٰ کو اندر جانے کو کہا اور کہا۔

"ہرگز نہیں...... عظمیٰ کیسے جا سکتی ہے انور؟ کل کچھ لوگ عظمیٰ کو دیکھنے آ رہے ہیں۔ مسز قریشی کچھ لوگوں کو لے کر آ رہی ہیں۔ لڑکا بہت اچھا اور قابل انجینئر ہے۔

وجاہت بھائی! آپ سے اس سلسلے میں معذرت چاہوں گی۔"

شائستہ جس کو وجاہت اور اس کی نیت نظر دونوں خراب لگی تھیں جھٹ خود سے جھوٹ گھڑ لیا۔ انور اس بات سے قطعی لاعلم تھا اسے یقین تھا کہ یہ جھوٹ ہے مگر وہ وجاہت کو دیکھ رہا تھا ناگواری جس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"مہمانوں کے بارے میں تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔ ابھی منع کر دو۔ ان کو بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"کیوں منع کروں اتنے اچھے لوگوں کو؟ خدا نے اتنا اچھا رشتہ بھیجا ہے تو ہم ناشکری کیوں کریں؟"

دونوں میاں بیوی میں نوک جھونک سی چل پڑی تھی۔ وجاہت نے دونوں پر ایک نگاہ ڈالی اور جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

"اوکے جی، آپ تو رشتہ طے کریں، ہمیں اجازت دیں۔ اچھا یار انور! کل کا پروگرام مجھے فون پر بتا دینا۔"

وجاہت نے محسوس کر لیا تھا کہ یہاں دال نہیں گلے گی اس لئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی انور بھی جسے اپنا پلان فیل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ پھر دونوں چلتے ہوئے گیٹ تک آ گئے جہاں وجاہت کی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔

"وجاہت مائنڈ نہ کرنا...... یہ شائستہ ہے تو پڑھی لکھی مگر......" انور شائستہ کے رویے پر شرمندہ ہو رہا تھا۔

"او نہیں نہیں...... یار ایسی کوئی بات نہیں۔ چھوڑ ان باتوں کو۔ کل پھر آ جاؤں فیکٹری؟" وجاہت علی نے بڑی فراخ دلی سے شائستہ کے رویے کو نظر انداز کر دیا۔

"کیوں نہیں...... میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ضرور آنا، ورنہ میں سمجھوں گا تم ناراض ہو۔" انور کسی صورت اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا مطلب وجاہت بھی سمجھ رہا تھا اس لئے مسکرا پڑا۔

"آؤں گا...... ضرور آؤں گا۔" اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر وجاہت نے اپنے آنے کا یقین دلایا۔



وجاہت گھر آ کر لیٹ گیا۔ ایسی کوئی خاص خوبی اسے عظمیٰ میں نظر نہیں آئی تھی اس لئے اس سے شادی نہ ہونے کا کوئی خاص ملال بھی نہیں ہوا۔ وہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دروازے کو دیکھا۔

"آ جاؤ شکور......"

اجازت ملتے ہی دروازہ کھلا اور ساتھ ہی اس کا گاؤں کا، کامدار نذیر آ گیا۔

"او نذیر تو...... کیا بات ہے...... خیر کی خبر لایا ہے ناں؟" وہ نذیر کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"بی بی نے بھیجا ہے جی۔ کہتی ہیں کب آئیں گے۔ اتنے دن ہو گئے ہیں۔ وہاں زمینوں پر بھی کچھ گڑبڑ ہے۔"

"ہوں......" نذیر کی ساری بات سن کر وجاہت اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس نے جو پلان بنا رکھے تھے ابھی تو ان کی ابتدا تھی۔ وہ واپس جانا نہیں چاہتا تھا اور زیب النساء کیوں بلا رہی ہے یہ بھی وہ جانتا تھا۔

"آج تو رات یہیں رہ، صبح سویرے ہی نکل جانا۔ بی بی سے کہنا میں ابھی یہاں بہت مصروف ہوں، فرصت ملتے ہی آؤں گا۔ باقی زمینوں کے معاملے خود نمٹا سکتی ہے تو نمٹائے ورنہ میں آ کر دیکھ لوں گا۔ بس اب جا اور آرام کر۔ کھانا کھا لیا ہے ناں؟"

"ہاں جی کھا لیا ہے۔" نذیر احکامات لیتا ہوا باہر نکل گیا اور وجاہت آئندہ کے لئے پلان بنانے لگا۔ وہ اب انور کے ساتھ سرمایہ کاری کرنے کا اپنا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جہاں پڑھی لکھی، سمجھدار عورتیں ہوں وہاں الٹی سیدھی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوتے ہی وہ سفید کلف دار لباس میں انور کے آفس جانے کو تیار تھا۔

◆......◆

"سوری سر......" وہ بدستور روئے جا رہی تھی جبکہ انور بری طرح برہم ہو رہا تھا اس پر۔

"بس نزہت! بند کرو یہ رونا دھونا۔ تم غلطیاں نہیں کرتی، بڑے بڑے بلینڈر کر جاتی ہو۔ اب خود بتاؤ، اسی طرح فائل آگے چلی جاتی تو کیا عزت رہ جاتی میری۔ اٹھاؤ اسے اور درست کر کے لاؤ۔ آ جاتے ہیں سفارشیں لے کر، آتا جاتا کچھ نہیں۔"

انور نے فائل زور سے نزہت پر کھینچ کر پھینکی تو نزہت سے ٹکرا کر اندر آتے وجاہت کے قدموں میں جا پڑی۔ نزہت جھکی تاکہ فائل اٹھا لے مگر اس سے قبل وجاہت نے جھک کر فائل اٹھالی۔ فائل اس کے ہاتھ میں تھی اور نظریں نزہت کے چہرے پر۔ آنسوؤں سے تر چہرہ، بھیگی آنکھوں میں بے بسی لئے اس نے ایک نظر اس کو دیکھ کر فائل کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وجاہت نے فائل اسے تھما دی اور خود انور کی طرف بڑھا جو اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"آؤ، آؤ وجاہت...... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ اور یہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ جائیے درست کر کے لائیں فائل۔"

انور نے نزہت کو ڈانٹ کر باہر جانے کو کہا وجاہت کے لئے کرسی پیش کر دی، پھر بیل بجا کر ملازم کو بلایا۔ انور اس کو بٹھا کر غالباً چائے پانی کا بندوبست کر رہا تھا، فائلیں درست کر رہا تھا۔ جبکہ وجاہت اس کے آفس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"دو فیکٹریوں کے مالک کا آفس کم از کم ایسا تو نہیں ہونا چاہئے۔" وجاہت کو اوسط درجے کا آفس پسند نہیں آیا۔

"ارے یار کہنے کی حد تک مالک ہوں۔ اتنا خسارہ ہو جاتا ہے بعض اوقات کہ...... مس نزہت! جلدی سے اندر آیئے۔" انور نے اس کی بات کا جواب دے کر انٹرکام پر نزہت کو بلایا۔

"ہوں...... ترکش میں کچھ تیر باقی رہ گئے ہیں جو اس بے چاری کو پھر بلا رہے ہو۔ اور سنو، میرے سامنے اسے مت ڈانٹنا۔ میں حُسن کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کر سکتا۔" وجاہت نے تنبیہہ کی تو انور شوخی سے مسکرانے لگا۔

"جانتا ہوں، حسیناؤں سے بڑی ہمدردی ہے میرے یار کو...... مگر دیکھو یہ لڑکیاں بھی تو ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں اپنے حُسن کا۔ اور یہ کوئی بے چاری نہیں۔ بس کام وام آتا نہیں، مجبوریوں کا رونا رو کر فائدے حاصل کر لیتی ہے۔ تم اس کے آنسوؤں پر نہ جانا، مگر مچھ کے آنسو ہوتے ہیں اس کے۔" انور تو بھرا بیٹھا تھا نزہت پر۔

"دیکھو انور یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مگر مجبور کی مجبوری کو ذلیل کرنا طاقتور کی کمزوری ہے۔ اور دوسری بات، یہ آنسو سچے یا جھوٹے ہو سکتے ہیں مگر آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔ اور اس کی آنکھیں......"

وجاہت ابھی شاید کچھ اور کہتا جس کے دل پر اس کی بھیگی آنکھیں نقش ہو گئیں تھیں کہ نزہت اندر آ گئی۔ وہی سہما سہما روپ لئے، ہاتھ میں فائل پکڑے۔ وہ ان دونوں کے سامنے یوں کھڑی تھی گویا دنیا بھر کے جرم اس نے کئے ہوں۔

"ہوں...... غلطیاں درست ہو گئیں......؟" بڑی حقارت اور بے اعتنائی تھی انور کے لہجے میں۔

"جی سر! تمام کی تمام۔ یہ دیکھئے۔" نزہت نے بھیگی آواز میں بولتے ہوئے فائل اس کے سامنے رکھ دی۔ اس وقت وہ انور سے اتنی خوفزدہ تھی کہ نہیں جانتی تھی کہ وجاہت کی نگاہوں کے راستے سے دل میں اتر چکی ہے۔ وہ اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے...... جب تک میں فائل دیکھتا ہوں آپ چائے بنائیں۔" انور نے چائے کی طرف اشارہ کیا تو وہ برقی انداز میں چائے بنانے لگی۔ وہ اپنی ملازمت کے جانے کے خیال سے اور انور کے غصے سے اتنی خوفزدہ تھی کہ وجاہت کی چائے میں شکر ملانا بھول گئی۔ انور کی چائے میں دو چمچ شکر ڈالتے ہوئے اچانک اسے خیال

آیا تو وہ چونک پڑی۔

"آئی ایم سوری سر...... وہ...... میں آپ کی چائے میں شکر ملانا بھول گئی ہوں۔" اس نے خوفزدہ نظروں سے انور کو دیکھا کہ اب نجانے کیا کر گزرے کہ میرے مہمان کو پھیکی چائے پیش کر دی۔

"نہیں، چینی تو ملائی ہے آپ نے۔ اتنی میٹھی اور اچھی چائے تو میں نے آج تک نہیں پی۔" وجاہت کی نظریں اس کی خوف سے پھیلی آنکھوں اور آپس میں الجھی انگلیوں پر تھیں۔

"نہیں سر...... مجھے یاد آ گیا ہے، بے دھیانی میں، میں نے آپ کو چینی ملائے بغیر چائے دے دی اور آپ پھیکی چائے کو میٹھی کہہ رہے ہیں۔" نزہت بری طرح خوف زدہ ہو رہی تھی انور سے۔

"ارے بھئی مس نزہت! یہ تو ہاتھوں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ کچھ ہاتھوں کی میٹھی چائے بھی کڑوی لگتی ہے اور کچھ ہاتھوں کی پھیکی بھی میٹھی اور لذیذ لگتی ہے۔ دیکھئے میں تو ختم بھی کر چکا چائے۔" وجاہت نے کپ خالی کر کے نزہت کے ہاتھ میں دیا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

انور بھی سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ وجاہت کی دل پھینک عادت اور حُسن سے مرعوب ہو جانے والے وصف سے بھی آگاہ تھا۔ وجاہت کام کا بندہ تھا جس کو وہ ہاتھ سے نکل جانے نہیں دے سکتا تھا۔ مگر ایک تو شائستہ کے رویے نے اور دوسرا اب نزہت پر وجاہت کی پڑتی التفات کی نگاہیں اسے بہت کچھ سمجھا گئی تھیں۔

"اٹھائیے فائل اور دوبارہ سے بنائیے۔ جب تک فائل مکمل نہ ہو جائے آپ گھر نہیں جا سکتیں۔" طاقت ور کا غصہ ہمیشہ کمزور پر اترتا ہے۔ اس وقت وجاہت پر اسے غصہ تھا مگر اتارا مجبور نزہت پر تھا جس کو ابو کا خیال بار بار آ رہا تھا جن کو آج تیز بخار تھا۔ صبح سے وہ آئی تھی اور پلٹ کر ان کی خبر بھی نہیں لی تھی۔ اور اب پھر فائل بنانے کا حکم تھا۔

"سر...... وہ...... ایک بات کرنا تھی۔" وہ وجاہت کو دیکھ کر آہستہ سے بولی۔

انور غصے سے اس کی طرف گھوما۔ "جی...... میں سمجھ رہا ہوں۔ ساری باتیں آج ہی آپ کو یاد آئی ہیں۔ فرمائیے...... آج تو آپ کا دن ہے۔" انور کے لہجے میں گہری کاٹ تھی۔

"وہ سر...... ابو کی طبیعت خراب ہے۔ میں کل سارا دن لگا کر فائل درست کر لوں گی سر! مجبوری ہے، ورنہ......"

"اچھا بس بس...... تقریر ختم کریں۔ آپ کے ابو کبھی تندرست بھی ہوئے ہیں۔ نہ آپ کے ابو کی بیماری ختم ہو گی اور نہ آپ کی مجبوریاں۔ لگتا ہے مجھے اور بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ آخر کہاں تک میں بھی لحاظ کروں؟" انور سارا غصہ اس پر اتار رہا تھا۔

"نہیں سر، پلیز ایسا مت کیجئے گا۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے ملازمت کی کتنی ضرورت ہے سر...... پلیز مجھے جاب سے مت نکالئے۔ آپ کہیں گے تو تمام رات بھی کام کروں گی مگر خدا کے واسطے مجھے ملازمت سے مت نکالئے۔"

نزہت مجبور تھی۔ ضرورت مند تھی۔ ضرورت اور مجبوری انسان کی انا کو ختم کر دیتی ہیں۔ نزہت بھی اپنی خود داری کو مارے ملازمت کی خاطر اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔ وجاہت یہ ڈرامہ بڑے تحمل سے دیکھ رہا تھا اور اندر ہی اندر کچھ سوچ کر فیصلہ کر رہا تھا۔ فی الحال وہ بس انور کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک تو میں تمہارے رونے سے بڑا تنگ ہوں۔ جاؤ، فی الحال دماغ خراب نہ کرو۔" انور نے انتہائی حقارت سے ہاتھ اٹھا کر ناگواری سے کہا تو اپنی مجبوریوں میں گھری نزہت دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتی باہر نکل گئی۔

"تم اس حد تک ظالم ہو کہ حُسن پر بھی ظلم توڑتے ہو، یہ تو آج پتہ چلا ہے مجھے۔" اس کے جاتے ہی وجاہت نے انور سے کہا۔

"اور تم کتنے دل پھینک اور حُسن پر مہربان ہو یہ مجھے پہلے سے علم ہے۔ لیکن یار

تم اس لڑکی کو نہیں جانتے۔"

"میں اس کو نہیں جانتا، تم کو تو جانتا ہوں...... او کے، پھر ملاقات ہو گی، چلتا ہوں۔" وجاہت ایک دم ہی کھڑا ہو گیا۔

"اچھا تو پھر اب گھر کب آ رہے ہو؟" انور اسے کسی طور مس کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"گھر نہیں بھئی۔ بھابھی سے مار نہیں کھانی مجھے۔" وجاہت اس کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا مسکرایا۔

"اس کی چھوڑو یار، وہ تو کم عقل عورت ہے، جذباتی......" انور کو شائستہ پر شدید تاؤ آنے لگا جس کی وجہ سے وجاہت جیسی آسامی ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اس کی بات پر وجاہت مڑا۔

"اونہوں...... بے حد سمجھ دار اور عقل مند خاتون ہیں بھابھی۔ اچھا پھر ملاقات رہے گی۔ خدا حافظ۔"

انور تو اسے نیچے تک خدا حافظ کہنے کے لئے آنا چاہتا تھا مگر وجاہت نے اسے روک دیا۔ وہ خود ڈرائیور کے ساتھ اپنی نئی لینڈ کروزر کی جانب بڑھا۔

وہ جب گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تو نظریں نزہت پر پھر گئیں جو چادر میں لپٹی تیزی سے بس سٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"خان......!" اس نے برابر بیٹھے خان کو مخاطب کیا۔

"جی صاحب جی......؟" خان فوراً الرٹ ہو گیا۔

"وہ لڑکی جا رہی ہے ناں...... اسے اچھی طرح دیکھ لو اور نظر میں رکھ لو۔" وجاہت نے نزہت کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھ لیا صاحب!" مالک کے حکم پر خان نے نزہت کو بغور دیکھا تا کہ کہیں بھی پہچان سکے۔

"چلو اب......" اس کے حکم پر گاڑی نزہت کے قریب سے تیزی سے گزر گئی۔

◆......◆

"ابو کتنا تیز بخار ہے آپ کو...... چلئے ابھی اسی وقت ڈاکٹر کے پاس چلئے۔ ہمت کریں، اٹھیں پلیز۔" وہ آفس سے آئی تو ابو بخار میں پھنک رہے تھے۔ نہ کچھ کھایا پیا اور نہ دوا تھی کہ فوراً دے دیتی۔ اس نے فوراً ابو کو سہارا دے کر اٹھایا۔

"رہنے دو بیٹی! یہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی کہ یہ بخار کس قسم کا ہے۔ بدقسمتی ہے میری کہ تمہاری ماں کے ساتھ ہی مر جاتا تو آج تم مشکل میں نہ ہوتیں کہ تمہیں میری بھی فکر ہوتی اور گھر چلانے کی بھی۔ پڑا رہنے دو مجھے یوں ہی۔"

"ابو خدا کے واسطے میرے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ میرا اس دنیا میں آپ کے سوا ہے ہی کون۔ اور پھر بیماری اور اس عمر میں اولاد خدمت کرنے کے لئے ہی ہوتی ہے۔ چلیں اٹھیں، میں چائے بناتی ہوں۔ کچھ کھا کر آپ میں ذرا ہمت آ جائے گی تو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں گی۔" وہ ان پر لحاف درست کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ باورچی خانے میں آئی، جلدی جلدی چائے بنائی اور ساتھ بسکٹ بھی لے کر آ گئی۔

"ابو! یہ جلدی سے تھوڑا سا کھا لیں۔ ہمت تو آ جائے چلنے کی۔" پھر وہ خود ہی ان کو کھلانے لگی۔ اسی وقت ثمینہ آ گئی۔

"کیسی طبیعت ہے چچا جان کی؟ میں آئی تھی دو بار مگر آپ تو بخار میں بے سدھ پڑے تھے۔ میں چلی گئی۔ نزہت! تم نے عاصم کو بلایا تھا؟" ثمینہ ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ نزہت ابو کو لٹا کر اس کی طرف مڑی۔

"او ہاں...... ثمینہ! عاصم کو میں نے بلایا تھا کہ میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلے۔ رکشہ لے آئے۔ تکلیف تو ہو گی تم لوگوں کو مگر......"

"کیسی باتیں کرتی ہو نزہت! ہمسائے بھلا کس لئے ہوتے ہیں۔ اور پھر مشکل میں تو بندہ غیروں کے بھی کام آ جاتا ہے۔ ہم تو پڑوسی ہیں۔ تم چچا جان کو تیار کرو، میں عاصم کو ابھی بھیجتی ہوں۔" ثمینہ باہر نکل گئی تو وہ ابو کو سویٹر وغیرہ پہنانے لگی اور وہ اسے دعائیں دیتے رہے۔

"خدا تمہیں خوش رکھے بیٹی...... یہ عمر تمہاری اپنا گھر بسانے کی ہے۔ نہ کہ میری

بیماری اور تیمارداری کرنے کی...... مگر کیا کروں، اس بیماری نے تو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ خدا میری زندگی میں تمہیں اچھا سا ساتھی دے دے تو جان آسانی سے نکل سکے گی میری۔“ ابو کو ہر وقت اسی کی فکر کھائے جاتی تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ ان کے بعد تو وہ بالکل تنہا رہ جاتی۔



”لڑکی کا نام نزہت ہے صاحب...... والد حسین صاحب ریٹائرڈ کلرک ہیں اور آج کل بہت بیمار ہیں۔ چھوٹا مگر ذاتی مکان ہے اور چند رشتے دار ہیں جو کھاتے پیتے ہیں مگر ان کو نہیں پوچھتے اور......“

”بس اتنا ہی کافی ہے خان......“

خان تو ابھی مزید تفصیل بتاتا مگر شاید وجاہت کو اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے اشارے سے منع کر دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ خان دوسرے حکم کے انتظار میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

”آج شام کو ہم حسین صاحب کی طبیعت معلوم کرتے جائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں......؟“ وجاہت نے کچھ سوچ کر کہا۔

”جی صاحب! اب میں جاؤں صاحب؟“ خان نے جواباً اس کے ہلتے سر کو دیکھا اور باہر آ گیا۔

پھر شام تک وجاہت نزہت ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی بے بسی، اس کا رونا، اس کی بھیگی کنول جیسی آنکھیں اس کی زندگی میں جگہ بنا چکی تھیں۔



نزہت کا گھر تنگ گلیوں میں تھا جہاں وجاہت کی پیجارو نہیں جا سکتی تھی۔ اسے چل کر نزہت کے گھر تک آنا پڑا۔

”کیا بات ہے مس نزہت! آپ مجھے پہچانی نہیں......؟ میں تو آپ کی پھیکی چائے نہیں بھولا اور آپ......“

وہ دروازے پر کھڑی حیرت سے پھیلی نظروں سے وجاہت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات پر وہ نادم سی ہو گئی۔

”جی ایسی تو کوئی بات نہیں سر! پہچان تو لیا ہے۔ مگر آپ...... اور یہاں میرے گھر؟“ حیرت کے ساتھ انجانی سی خوشی بھی تھی۔

”ہاں بھئی...... اس روز آپ بتا رہی تھیں کہ آپ کے والد بیمار ہیں، میں نے سوچا ان کی عیادت کر آؤں اگر آپ نے دروازہ چھوڑ کر اندر آنے کا راستہ دیا تو۔“ وجاہت اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا اور وہ شرمندہ سی ہو کر ہٹ گئی۔

”او سوری سر...... آیئے ناں۔ دراصل میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ ہمارے گھر آ سکتے ہیں۔ میرا تو گھر بھی آپ کے شایانِ شان نہیں۔ کہاں بٹھاؤں گی آپ کو......“

ایک تو اچانک اسے اپنے گھر پر دیکھ کر اسے شدید حیرت ہو رہی تھی، دوسرا یہ خیال کہ اتنا امیر بندہ ہے اس کو کہاں بٹھائے۔ غربت اور بیماری کے گھر میں کہاں کوئی ایسی جگہ تھی جہاں وجاہت جیسے امیر مہمان کو بٹھایا جائے۔

”مس نزہت! گھر کبھی شایانِ شان نہیں ہوتے۔ بندے ہوتے ہیں، انسان ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے تو آپ مجھ سے بھی زیادہ......“ وجاہت نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور چھوٹے سے کمرے میں اس کے ساتھ آ گیا جہاں نحیف و نزار حسین صاحب پڑے تھے۔

”ابو! یہ وجاہت صاحب ہیں...... انور صاحب کے دوست۔ آپ کی خیریت معلوم کرنے آئے ہیں۔“

ابو نے بڑی ہمت کر کے وجاہت کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں دیکھ بھی رہی تھیں اور سمجھ بھی رہی تھیں کہ وجاہت جیسا بندہ کسی بیمار بڈھے کا حال کیوں معلوم کرنے آیا ہے۔ انہوں نے ایک نظر نزہت پر ڈالی۔ وہ بالکل معصوم سی لگ رہی تھی۔

”بڑی مہربانی ہے جناب آپ کی...... ورنہ آج کل تو......“

"ارے اس میں مہربانی کی کیا بات ہے حسین صاحب! بیمار کی عیادت کا تو بڑا ثواب ملتا ہے۔ یہ بتائیں اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

حسین صاحب وجاہت کے اخلاق سے متاثر ہو رہے تھے۔ وہ ہمت کر کے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"بس بیٹے! سانس کا ناتا ہے، جانے کب ٹوٹ جائے۔" وہ بری طرح ہانپنے لگے۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے حسین صاحب! ایسی مایوسی کی بات نہ کریں۔ مس نزہت! کہاں علاج کروا رہی ہیں آپ ابو کا؟"

اور پھر نزہت تفصیل بتانے لگی۔ وجاہت بڑی توجہ اور ہمدردی سے سنتا رہا......

اور پھر نزہت پر وجاہت کی مہربانیوں کا سلسلہ دراز ہوتا رہا...... وجاہت کا جھکاؤ، اس کی مہربانیوں کا مطلب تو کوئی اندھا بھی ہوتا اس کو بھی پتہ چل جاتا۔ حسین صاحب تو باپ تھے۔ یوں بھی وہ بیمار رہتے تھے۔ چاہتے تھے ان کی زندگی میں نزہت کسی قدر دان کے گھر بیاہ دی جائے تا کہ ان کو سکون کی موت آ سکے۔ نزہت کے دل کی کلی بھی کھل چکی تھی۔ وجاہت کی آنکھوں میں وہ اپنا عکس دیکھ کر جھوم جھوم جاتی تھی۔ پھر خوفزدہ ہو جاتی۔

"اتنی بے اعتبار کیوں ہو رہی ہو نزہت...... اتنا اچھا تو بندہ ہے۔" وہ ہر بات ہر اندیشہ ثمینہ کے سامنے کہہ دیا کرتی۔

"ہاں ثمینہ...... اچھا بے حد ہے اور چاہتا بھی بہت ہے۔ مگر پھر سوچتی ہوں اس طرح لڑکیوں کے ساتھ گھومنا پھرنا، تحفے تحائف، شادی کے وعدے کرنا بھی تو رئیس زادوں کی ایک ادا ہوتی ہے۔ بس میں تو یہی سوچ سوچ کر ہول جاتی ہوں۔"

وہ جو وجاہت کے عشق میں سو جان سے ڈوب گئی تھی ایسی باتیں سوچ کر پریشان ہو جاتی۔

"ایسے رئیس زادوں کی ایک خاندانی بیوی تو ضرور ہوتی ہے...... اس کی ہے یا

نہیں......؟" ثمینہ کی بات پر ایک چوٹ سی پڑی نزہت کے دل پر...... کیونکہ وجاہت نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ شادی شدہ ہے اور اس کی بیوی خاندان کی ہے۔

"ہاں ہے تو شادی شدہ مگر...... ثمینہ! وہ کہتا ہے کہ وہ ان پڑھ، جاہل عورت ہے جس کو حویلی اور زمینوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کر کے شہر ہی میں رہنا چاہتا ہے۔ اس نے میرا انتخاب کیا ہے۔ اس نے مجھ سے جواب مانگا ہے...... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔ ابو کو پسند ہے بہت۔"

شام جب وہ اس کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھی کافی پی رہی تھی تو وہ اس کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا کہ وہ اس کو نہ ملی تو وہ مر جائے گا۔ اس نے شادی کا جواب مانگا تھا اور وہ کوئی فیصلہ کر نہیں پا رہی تھی۔

"ہوں...... چچا جان کیا کہتے ہیں؟" ثمینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابو تو تیار ہیں۔ تمہیں تو پتہ ہے میری وجہ سے کتنے فکر مند رہتے ہیں۔"

"تو پھر میرا مشورہ تو یہ ہے نزہت کہ ہاں کر دو۔ زندگی میں ایک بار تو رسک لینا پڑتا ہے۔ دیکھو قدر دان مل رہا ہے۔ یہ موقع نہ گنواؤ۔ زندگی بار بار ایسے مواقع فراہم نہیں کرتی...... بس اللہ کا نام لے کر ہاں کر دو۔"

ثمینہ تو مشورہ دے کر چلی گئی۔ نزہت تمام حالات و واقعات کی کڑیاں ملا کر سوچتی رہی اور وجاہت کے آنے تک وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو......؟" فائیو اسٹار ہوٹل کے خوبصورت ماحول میں وجاہت کے سامنے بیٹھی وہ خود کو بہت محفوظ اور معتبر تصور کر رہی تھی۔ اس نے تو کبھی خواب بھی اتنا حسین نہیں دیکھا تھا جتنی زندگی وجاہت کے آ جانے سے ہو گئی تھی

"کچھ بھی نہیں۔ وہ ابو آپ کا بہت پوچھ رہے تھے۔ ابو آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔ چاہنے لگے ہیں ابو آپ کو۔" اس خوبصورت ماحول میں اس کی گہری نگاہوں

کے حصار میں اسے کوئی بات سوجھ ہی نہیں رہی تھی کہ کیا بات کرے۔

"اور ابو کی بیٹی کا میرے بارے میں کیا خیال ہے......؟" وہ اس کے ہاتھ پکڑے پوچھ رہا تھا۔ وہ لجا گئی۔

"وہی جو ابو کا ہے......" مارے شرم کے اس سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے گول مگر خوبصورت جواب پر وجاہت خوش ہو گیا۔

"خدا کا شکر ہے ورنہ میں سمجھ رہا تھا کہ میری بات کے جواب میں یہ گلدان میرے سر پر پڑے گا۔" وہ ہنسنے لگا تو وہ خفا سی ہو گئی۔

"خدا نہ کرے جو کبھی میں ایسا کروں۔ آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں؟" اس نے شاکی نگاہوں سے وجاہت کو دیکھا۔

"میں تمہیں جو سمجھتا ہوں اس کا اندازہ نہیں ہوا۔ اب میری اور تمہارے ابو کی باتیں ہوں گی۔ لیکن میں اس سے پہلے تمہیں سب کچھ بتا دوں۔ پھر نہ کہنا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ میں تمہیں چاہتا ہوں، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر تمہیں کچھ مشکلات کا سامنا تو کرنا پڑے گا ہی۔"

"آپ ساتھ ہوں گے وجاہت تو کوئی مشکل میرے لئے مشکل نہیں ہو گی۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے اپنی محبت کا یقین دلایا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ آج ہی ابو سے مل کر شادی کی تاریخ رکھ لی جائے؟" اور پھر وہ مستقبل کی باتیں کرتا رہا۔

"آپ میرے سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ ابو سے کریں جا کر۔" وہ شرما گئی۔

"اس لئے کہ اس وقت تمہارے چہرے پر جو حیا کی قوسِ قزح بکھری ہوئی ہے ناں جس کو صرف میں دیکھ رہا ہوں بہت اچھی لگ رہی ہے...... خیر کل پہلا کام تم نے انور کی ملازمت چھوڑنے کا کرنا ہے۔ استعفیٰ اس کے منہ پر مار کر آنا۔ گھٹیا انسان۔" انور کا خیال کر کے وجاہت کو غصہ آ گیا۔ وہ اس کے گھٹیا پن اور مطلب کو

اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"جی بہتر......" نزہت نے فرمانبرداری سے کہا۔ پھر دونوں مستقبل کے خواب بنتے رہے۔ ہنستے مسکراتے اٹھ گئے۔



"اچھا تو آپ ملازمت چھوڑ رہی ہیں...... جس کے لئے منتیں کرتی تھیں مس نزہت! میں سب کچھ جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ آج کل بلندی پر پرواز کر رہی ہیں۔ لیکن یاد رکھو نزہت! انسان جتنی بلندی سے گرتا ہے، چوٹیں بھی اتنی ہی شدید آتی ہیں۔ اور وجاہت، اسے تو میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ جو کچھ تمہارے ساتھ کر رہا ہے ناں یہ اس کا کھیل ہے۔ تم بھی اس کی محبت کے ڈرامے کا ایک کردار ہو۔ چند مہینوں سے زیادہ رول نہیں ہو گا تمہارا۔ یہ میری بات یاد رکھنا۔"

نزہت جس کو بڑی سفارش کے بعد اس نے ملازمت دی تھی اور اچھا خاصا کام کرتی تھی، اس کی ڈانٹ پھٹکار بھی سنتی تھی اس پر یوں قسمت کو مہربان دیکھ کر جل اٹھا۔ دوسری جلن اسے وجاہت کے ہاتھ سے نکل جانے کی تھی۔ وہ خوب خوب دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

"میں آپ کی ممنون رہوں گی سر کہ آپ نے مجھے ملازمت دی...... مگر وجاہت کیا ہیں کیا نہیں، میں خوش رہوں یا ناخوش یہ میری قسمت اور میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ اس معاملے میں بولنے کا اختیار نہیں رکھتے۔"

پہلی بار نزہت نے پوری جرأت سے انور کے سامنے زبان کھولی تھی اور یہ جرأت وجاہت نے دی تھی۔ اس کی بات انور کو تپا گئی اور وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"گیٹ آؤٹ...... تم جیسے فقیر ہی احسان فراموش ہوتے ہیں۔ دو وقت پیٹ بھر کر کھانے کو مل جائے تو بدہضمی ہونے لگتی ہے تم لوگوں کو۔ پاؤں کی جوتی سر کے بالوں کو آنے لگتی ہے۔" وہ بری طرح دھاڑ رہا تھا۔ اسی دوران اس کا ذاتی ملازم اندر آ گیا۔

"جی سر...... ہم جیسے فقراء کو اگر دو وقت کی روٹی مل جاتی ہے تو آپ لوگوں کو تکلیف ہونے لگتی ہے کہ ان کا پیٹ کیوں بھر گیا۔ جو کھانا بھی ہمیں ملتا ہم ذخیرہ کر لیتے، اپنے بینک بھر لیتے اور......"

"شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ...... میں اس وجاہت کو بھی سمجھ لوں گا جس نے تمہارا پیٹ بھرا ہے، جس نے تمہیں زبان دی ہے۔"

وہ تو اور بھی اول فول بکتا، نزہت نے بیگ اٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ انور نے ملازم کو آنکھ کے اشارے سے کچھ سمجھایا۔ وہ بھی نزہت کے پیچھے آ گیا......

ابھی تو کافی سیڑھیاں تھیں۔ وہ ہیل کے ساتھ آرام سے اتر رہی تھی کہ کوئی بجلی کی تیزی سے آیا اور اس کو دھکا دیتا ہوا آگے بھاگ گیا۔ گرتے ہوئے نزہت کو کوئی ہوش نہ رہا۔ وہ سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے ہوش وخرد سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

دوسرے روز ہسپتال میں جب اس کی آنکھ کھلی تو ابو، وجاہت اور ثمینہ اس کے گرد تھے۔ وہ اپنے پیاروں کو، ہمدردوں کو دیکھ کر رو پڑی۔

"شکر ہے میرے خدایا! تُو نے میری بیٹی کو زندگی عطا کی۔ ورنہ اس خبیث نے تو اپنا کام کر دیا تھا۔" حسین صاحب جو اپنی بیماری کی وجہ سے پریشان رہتے تھے نزہت کے اس حادثے نے ان کی جان نکال تھی۔ اسے ہوش میں دیکھ کر وہ خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔

"کون تھا ابو وہ......؟ مجھے تو یوں ہی لگا جیسے میری جوتی کی ہیل پھسل گئی ہو اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔" نزہت کے سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ اس وقت بھی وہ بولتے ہوئے تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

"یہ حادثہ دانستہ ہوا ہے نزہت...... اور انور کے کہنے پر اس کے ذاتی ملازم نے تمہیں دانستہ طور پر دھکا دے کر گرایا اس بات کی گواہی ایک عینی شاہد نے دی ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ انور اس گھٹیا پن پر کیوں اترا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ سمجھ لوں گا میں اسے......" اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے وجاہت نے تسلی دی تو کئی گرم

گرم آنسو وجاہت کا ہاتھ بھگو گئے۔

اور پھر وجاہت کی توجہ، محبت اور ابو کی دعاؤں سے نزہت بہت جلد صحت یاب ہو گئی تو ثمینہ اسے چھیڑنے لگی "اب بھی کوئی شبہ ہے وجاہت بھائی کی محبت میں...... کتنا چاہتے ہیں وہ تمہیں۔"

ثمینہ کی بات پر وہ خوشی سے مسکرا پڑی۔

"شبہ تو پہلے بھی نہیں تھا ثمینہ! پر اب یقین ہو گیا ہے، اعتبار آ گیا ہے۔ پتہ ہے کہہ رہے تھے آج ابو سے شادی کی تاریخ طے کریں گے۔"

"اچھا چلو مبارک ہو بہت بہت...... اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی کی تمام خوشیاں نصیب کرے۔" ثمینہ اسے دعائیں دیتی اس کے گلے لگ گئی۔

اور رات کو جب وجاہت اس کے ابو سے شادی کے معاملے طے کر رہا تھا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ خوش آئند دنوں کے خواب سجائے سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ اپنی وفاداری کا یقین دلا رہا تھا اور ابو خوف زدہ سے ہاں اور ناں کی کشمکش میں الجھے ہوئے تھے۔

"حسین صاحب! آپ اعتبار کر سکتے ہیں مجھ پر...... اتنے عرصے میں آپ نے کیسا پایا ہے مجھے......؟"

اتنے عرصے میں اس نے جو اپنا کردار وضع کیا تھا ان کے سامنے اس کے حساب سے تو ان کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ پھر بھی خوف زدہ تھے اس کی حیثیت سے۔ اس کی پہلی بیوی سے۔ نجانے گاؤں کی رئیس زادی ان کی بیٹی کو دوسری بیوی کی حیثیت سے قبول کرتی ہے کہ نہیں یا آئندہ زندگی ان کی بیٹی کی کیسی گزر سکتی ہے۔ وہ باپ تھے، ان کو سو طرح کی دلیلیں پریشان کر رہی تھیں۔

"وجاہت بیٹے! یوں تو اگر صرف تمہیں دیکھوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر......"

"حسین صاحب! اگر آپ صرف مجھے دیکھ رہے ہیں تو پھر کسی اگر مگر کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی۔ آپ کی بیٹی یہیں آپ کے پاس رہے گی، شہر میں۔ میں اسے

گاؤں نہیں لے کر جاؤں گا۔ اس کے علاوہ کسی قسم کی ضمانت آپ چاہتے ہیں تو میں دینے کو تیار ہوں۔ لیکن بلاوجہ اگر وہم کا شکار ہوں تو اس کا کوئی علاج نہیں میرے پاس۔"

وجاہت علی جو چاہا سو پایا والی حیثیت رکھتا تھا۔ بچپن سے آج تک اسے اپنی پسند کی چیز کے لئے انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اب حسین صاحب کا رویہ اس کو طیش دلا رہا تھا۔ اندر جھانکتی نزہت کا دل بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"میں چلتا ہوں پھر حسین صاحب......" ان کو سوچ میں غرق دیکھ کر وجاہت کو اپنی توہین محسوس ہوئی، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے نہیں بیٹا! میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ چلو جو میرے خدا کو منظور...... نزہت بیٹی اندر آ جاؤ......"

حسین صاحب کی آواز پر وہ لجائی ہوئی اندر آ گئی۔ وجاہت خوش ہو گیا۔ اس نے جیب سے بیش قیمت انگوٹھی نکال کر اس کو پہنا دی۔



"اپنی پسند، اپنی خوشی کا ایک اور معرکہ سر کر کے خوشی میں جھومتا وجاہت جب کوٹھی پہنچا تو قدم جیسے زمین پر جم کر رہ گئے۔

"تم...... زیب تم...... میرا مطلب ہے تم یہاں کیسے آ گئیں؟"

یوں بالکل اچانک، غیر متوقع طور پر زیب النساء کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے وجاہت علی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ کیونکہ اس کے چہرے کے تاثرات آنکھوں کے راز کچھ انجانی سی داستان کہہ رہے تھے جیسے اسے کچھ پتہ چل گیا ہے۔

"کیوں جی...... آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا یا شہر کی ہوائیں مجھے کچھ کہتی ہیں کہ میں شہر نہیں آ سکتی......؟" وہ اپنے بھاری زیورات دیکھتی اس کے قریب آ کر بولی۔

"نن...... نہیں...... میرا یہ مطلب نہیں تھا زیب! دراصل وہ حویلی اور زمینوں کے معاملات کون دیکھے گا؟ تم تو جانتی ہو شریکے والوں کو ذرا سا موقع مل جائے

تو......" چور لہجے میں بولتے ہوئے وجاہت علی نے اس سے نظریں چرائیں جو اس کے چہرے کا بغور مطالعہ کر رہی تھی اور خوب سمجھ بھی رہی تھی۔

"حویلی اور زمینوں کی میں رکھوالی نہیں ہوں اور نہ ہی شہر میں رہنا اور سیر و تفریح میرے اوپر حرام ہے...... کہ ہے؟" وہ کھوجتی نگاہوں سے وجاہت کا معائنہ کر رہی تھی۔ وہ کترا رہا تھا اور اسے یقین بھی تھا کہ زیب کا یوں آنا بلا مقصد نہیں۔ اسے یقیناً کسی نے اطلاع دی ہے تو یہ آئی ہے۔

"میرا یہ مطلب تو خیر نہیں تھا۔ مگر پھر بھی تمہارا یوں بغیر اطلاع کے آ جانا مجھے اچھا بھی نہیں لگا زیب النساء!" وجاہت علی نے آگے بڑھ کر دروازہ اچھی طرح بند کر دیا کیونکہ زیب النساء کو اونچی آواز میں بولنے کی عادت تھی اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ملازم کچھ سنیں۔

اس کی بات پر وہ بڑی معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔ پھر اپنے بھاری کنگن اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پھر پلٹی۔

"یہ تو بڑی غلط بات ہے وجاہت جی! تم تو شہر آ کر اپنی ریت رواج ہی بھول گئے ہو۔" وہ مستقل چڑانے والا انداز اپنائے ہوئے تھی۔

وہ چڑ گیا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا...... کیوں ایسی بے سرو پا باتیں کر رہی ہو؟"

وجاہت علی کا موڈ سخت خراب ہو گیا۔ کتنا خوش اور مطمئن تھا وہ کہ چند روز بعد نزہت اس کی دلہن بن کر اس کوٹھی میں آنے والی تھی۔ کتنی دیر دونوں آئندہ کے خواب بنتے رہے تھے۔ مگر زیب کے آ جانے سے معاملہ گڑبڑ نظر آ رہا تھا۔

"کیسی اوپری باتیں کر رہے ہو وجاہت علی...... میں تمہاری مہمان ہوں۔ گو کہ گھر والی ہوں پھر بھی نہ خیریت پوچھی نہ چائے پانی...... مہمان کی آؤ بھگت تو ہماری بہترین روایات میں سے ایک ہے۔ مگر تم تو لگتا ہے تمام روایات کو موت کی نیند سلانے شہر آئے ہو۔"

"جب گھر والی ہو تو پھر مہمان کیوں بن رہی ہو...... جو چاہو کھاؤ پیؤ، عیش کرو۔"

وجاہت نے ناگواری سے موٹی بھدی بھاری زیورات میں لدی پھندی زیب النساء کو دیکھا جس کے حُسن کو اس کی نیت کی خرابی اور حسد نے ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

''گھر پر کیوں...... میں نے سنا ہے کہ شہر میں بڑے بڑے خوبصورت ہوٹل ہیں، بڑی اچھی تفریح گاہیں ہیں۔ گھماؤ پھراؤ ناں مجھے بھی شہر۔'' وہ بڑے چونچالی موڈ میں وجاہت سے ضد کر رہی تھی جبکہ اس وقت وجاہت کے بس میں ہوتا تو ابھی اسی وقت اسے شوٹ کر دیتا یا واپس حویلی بھجوا دیتا۔

''دماغ خراب ہے تمہارا...... یہاں کام کرنے کے لئے بیٹھا ہوں، بلا مقصد نہیں بیٹھا کہ تمہیں لئے شہر کی خاک چھانتا پھروں۔''

''مقصد تو خیر میں تمہارا خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ اسی لئے تو آ گئی ہوں۔'' آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہوئی وہ وجاہت کی طرف پلٹی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وجاہت کو اب یقین ہونے لگا تھا کہ کسی کی مخبری کام کر گئی اور زیب اسی لئے آئی ہے۔

''بزرگوں سے سنا تھا کہ اگر چور کو تفتیش کے جنگل میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ کہیں نہ کہیں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے چور کو فرار ہونے سے قبل ہی رنگے ہاتھوں پکڑ لو۔ اسی لئے تو میں آ گئی ہوں تاکہ چور فرار نہ ہو سکے۔''

''زیب......'' وجاہت کا غصہ میں ہاتھ اٹھ گیا۔



''ثمینہ! کئی دن ہو گئے ہیں...... وجاہت کا کچھ اتا پتہ نہیں۔ سچ میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔ کہیں دھوکا دینا اس کی عادت نہ ہو۔''

آج چوتھا دن تھا۔ وجاہت اسے انگوٹھی پہنا کر گیا تھا، ساتھ ہی سہانے مستقبل کے خواب بھی سجا گیا تھا اس کی آنکھوں میں۔ اور چار دن سے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اس نے کئی بار فون کئے مگر کوئی جواب نہیں ملتا تھا۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ ابو

سے بھی اس نے جھوٹ بول دیا تھا کہ وجاہت گاؤں گیا ہوا ہے۔

''خدا پر بھروسہ رکھو نزہت! وجاہت بھائی خاندانی ہیں۔ ایسے لگتے نہیں کہ ہاتھ بڑھا کر پکڑنا بھول جائیں۔ ہو سکتا ہے کوئی کام ہو گیا ہو یا وہ واقعی گاؤں گئے ہوں۔ یوں بھی جہاں سے وجاہت بھائی کا تعلق ہے وہاں دوسری شادی کے لئے مرد کو وہاں کی خاندانی، علاقائی روایات سے لڑنا پڑتا ہے۔ پہلی بیوی جو کہ خاندان کی ہوتی ہے اسے تمام خاندان کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا پلہ بھاری ہی رہتا ہے۔ مشکل تو پیش آئے گی وجاہت بھائی کو۔''

''یہی سوچ کر تو میرا دل ہولتا رہتا ہے ثمینہ! میں کیسے مقابلہ کر پاؤں گی ان مخالفتوں کے طوفان کا۔ ابو بھی اسی وجہ سے خوفزدہ رہتے ہیں مگر اب واپسی میرے لئے بھی ممکن نہیں رہی...... یا اللہ میری مدد فرما......'' نزہت نے بے بسی سے دعا کی۔

''اللہ تمہاری مشکلات آسان فرمائے۔ میں چلتی ہوں نزہت! ابو اور بھائی آفس سے آنے والے ہیں۔ روٹی پکانی ہے۔ اور دیکھو ہمسائے ماں جائے ہوتے ہیں۔ کوئی کام ہوا کرے تو جھجکا نہ کرو، بلا تکلف عاصم کو بلا لیا کرو۔ جیسے میرا بھائی ویسے تمہارا بھائی۔''

ثمینہ اٹھ کر جانے لگی تو وہ بھی اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ اس کا شکریہ ادا کر کے خدا حافظ کہہ کر وہ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ بستر پر لیٹے وجاہت کی سنگت میں گزرے چند پل تتلیوں کی طرح نگاہوں میں پھرتے رہے۔ ابو کو وجاہت نے اچھے ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔ اب کافی حد تک وہ ٹھیک بھی تھے مگر نزہت کی جانب سے فکرمند رہتے تھے۔ اس وقت وہ سو رہے تھے۔

ٹھنڈی یخ ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کی درزوں سے ہوا عجیب سی آوازیں پیدا کرتی اندر آ رہی تھی۔ نو بجے کا وقت تھا مگر سناٹے اور ہوا سے اسے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے لحاف اچھی طرح لپیٹ لیا۔

اسی وقت دروازہ بجا۔

''اس وقت کون ہوسکتا ہے...... ثمینہ تو ابھی گئی ہے...... وجاہت......'' اس کا دل زور سے دھڑکا ''ہاں...... وجاہت ہی ہوں گے۔''

وہ بستر چھوڑ کر بھاگی۔



''آ......آ......آپ......؟''

وہ وجاہت کا تصور کرتی بھاگی آئی تھی۔ دروازہ کھول کر سامنے انور کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی۔

''جی میں...... اتنی سردی میں اندر آنے کو بھی نہیں کہیں گی آپ مس نزہت......''

یہ وہ شخص تھا جس نے ملازمت کے دوران اسے ذلیل کیا اور اس روز تو وہ کمینگی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ اور پھر سیڑھیوں پر اسے جان سے مارنے کی ناکام کوشش بھی کر چکا تھا۔ آج اچانک پہلی بار اس کے گھر آ گیا تو وہ اس کی آمد کے مقصد کو سمجھ نہیں پائی۔ حیران نظروں سے دیکھتی ذرا پیچھے کھسک آئی۔

''آیئے پلیز......''

پھر وہ اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ اس کے چھوٹے سے گھر پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ باہر شدید سردی سے یہاں کافی سکون اور حدت کا احساس ہوا۔

''آپ کا گھر چھوٹا ہے، مگر ہے اچھا، گرم اور محفوظ۔ آپ کے والد کیسے ہیں؟ ان کی طبیعت کیسی رہتی ہے......؟'' وہ بڑی اپنائیت جتا رہا تھا۔

''جی اب تو کافی بہتر ہیں...... لیکن میں پوچھ سکتی ہوں کہ آج اتنی ٹھنڈ میں آپ نے آنے کی زحمت کیسے کی؟'' نزہت نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کے چہرے سے یہ سوال آتے ہی پڑھ چکا تھا مس نزہت! مگر اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ میری ساتھی رہی ہیں اور اس روز میں ذرا غصے میں آ گیا تھا۔ آپ کے ساتھ زیادتی ہو گئی تھی۔ سوچا معذرت کر آؤں۔'' وہ

چہرے پر بناوٹی شرمندگی طاری کر رہا تھا۔

نزہت نے ہونٹ بھینچ لئے۔

"اور اپنی اس کوشش کی معذرت نہیں کریں گے جس میں آپ نے مجھے جان سے مارنے کی کوشش کی تھی؟" نزہت کا لہجہ انتہائی طنزیہ ہوگیا۔

اس کی بات پر کچھ دیر کے لئے انور کے چہرے پر سختی آ گئی۔ اس نے انگلیاں زور سے آپس میں جکڑیں پھر چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لے آیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو نزہت...... تم جیسے حُسن والوں کو مار کر خود اپنے ساتھ زیادتی کون کرتا ہے؟ تمہیں اندازہ نہیں نزہت! میں تو شروع دن سے تمہارے حُسن کا قیدی ہوں۔ نزہت میں...... میں آج وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں جو میں دل میں چھپائے رہا۔ نزہت! میں تم سے محبت کرتا ہوں...... تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کیا ہو۔"

"انور صاحب! کیا یہی کچھ کہنے آپ یہاں آئے ہیں؟ میں سب جانتی ہوں آپ کی ڈرامے بازی کو۔ بہتر ہوگا کہ آپ عزت سے تشریف لے جائیں۔ ورنہ آپ کو بتا دوں کہ ہم غریب لوگ مالی مدد تو ایک دوسرے کی نہیں کر سکتے مگر اخلاقی مدد میں سارا محلہ جمع ہو سکتا ہے۔ اور آپ ٹھہرے معاشرے کے دولت مند اور بظاہر عزت دار شہری۔ ایسا نہ ہو ساری عزت دھری رہ جائے۔ شرافت سے چلے جائیں۔"

نزہت نے کھڑے ہو کر دروازے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ اس کے قریب آ گیا۔

"مانا کہ بہت بدگمان ہو مجھ سے...... ہاں میری خطا بھی تو ہے۔ مگر نزہت! اس کے باوجود میں نہیں چاہتا کہ تم اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگاؤ۔ دیکھو نزہت میری بات مان جاؤ...... وجاہت انتہائی اوباش آدمی ہے، اپنی خوبصورتی اور دولت سے وہ خوبصورت لڑکیوں کو پھانس لیتا ہے۔ ارے وہ لڑکیاں تو ٹائیوں کی طرح بدلتا ہے۔"

وجاہت چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ تو عظمیٰ کی شادی اس

سے کرا کے اپنے مقاصد پورے کرنا چاہتا تھا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا تو کیسے برداشت کرتا کہ اس کے آفس میں فقط تین ہزار روپے لینے والی لڑکی وجاہت کی مالک بن جائے۔

اس کی بات سے نزہت کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ہونہہ...... شرافت تو گویا آپ کے گھر کی باندی ہے انور صاحب! وجاہت کیا ہے اور کیا نہیں، وہ لڑکیاں ٹائیوں کی طرح بدلتا ہو یا جوتیوں کی طرح اب وہ میرا سب کچھ ہے۔ آپ میری فکر میں دبلے نہ ہوں۔ تشریف لے جائیں۔" نزہت نے چیخ کر کہا تو بڑی مکروہ سی مسکراہٹ انور کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"دیکھو نزہت! دل نہ توڑو۔ اتنی محبت سے، اتنی سردی میں آیا ہوں۔ وہ جاگیردار ہے۔ اس کے اور ہی جھگڑے ہیں۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں تو ایک امیر، دولت مند شوہر ہی چاہئے ناں۔ دیکھو وجاہت جیسے اوباش کے چکروں میں نہ پڑو۔ چلو نئی فیکٹری تمہارے نام کرتا ہوں۔ کلفٹن کی وہ کوٹھی اور...... اور......"

"انور صاحب! میں آپ کا لحاظ کرتی رہی ہوں...... اور آپ بڑھتے جا رہے ہیں۔ چلے جائیں یہاں سے۔" نزہت کا نازک ہاتھ اٹھا اور انور کے چہرے پر جم گیا۔ سوئیاں سی چبھنے لگیں انور کے چہرے پر۔ وہ خونخوار ہو گیا۔ کچھ دیر اسے گھورتا رہا۔ پھر اس کی شیطانی ہنسی سے چھوٹا سا گھر گونج اٹھا۔ وہ اس کی جانب بڑھا۔

"کانچ کے پیکر کو پتھروں سے دور رہنا چاہئے ورنہ وہ کرچی کرچی ہو جاتے ہیں۔ میں تو چاہتا تھا شرافت سے سب کام ہو جائیں مگر تم...... چلو میرے ساتھ......"

اس کی نازک کلائی اس کے مضبوط شیطانی شکنجے میں آ چکی تھی۔ وہ تڑپنے لگی۔

"عزت عزیز ہے تو چیخنا نہیں۔ یہ جو تمہارے ہمدرد بن کر آئیں گے نا، بظاہر تمہاری ہمدردی کریں گے مگر داغدار تمہارے ہی کردار کو کریں گے۔ اس لئے عزت اسی میں ہے کہ میرے ساتھ چپ چاپ چلو ورنہ......"

بات اس خبیث کی درست تھی۔ یہ مرد کا معاشرہ بے قصور عورت ہی کو قصوروار

گروانتا ہے۔ آنے والے اسی کو خطا کار جانیں گے کہ اتنی رات کو غیر مرد کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی صفائی پر کون یقین کرے گا۔

"یا اللہ میری مدد کر...... میرے خالق میرے مالک میری مدد کر...... میرا معذور باپ ہے، میری مدد کر......"

وہ بے بسی سے خدا سے مدد کی بھیک مانگ رہی تھی۔ انور اسے گھسیٹ کر دروازے تک لے آیا۔ قریب تھا کہ وہ دروازہ کھولتا، کوئی بھاری چیز انور کے سر پر لگی۔ وہ تڑپ کر گر گیا۔ خون کی دھار فرش پر پھیل گئی۔ نزہت چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔



"تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا وجاہت علی......"

خاندان کی عزت دار بہو زیب النساء کے لئے یہ صدمہ جان لیوا تھا کہ اس کے شوہر نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ گو کہ اس نے اس کا ہاتھ درمیان میں روک لیا تھا مگر ہاتھ کا اٹھ جانا ہی پڑ جانے کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اب خونخوار نظروں سے وجاہت علی کو گھور رہی تھی اور وہ اپنی اس حرکت پر پشیمان سا رخ بدل کر کھڑا تھا۔ مگر زیب النساء کا ہڈی بن کر آجانا کسی صورت گوارا نہیں تھا۔

"ہاں اٹھایا۔ تم نے ایسی بات کیوں کی...... کون چور ہے، کس کو پکڑنا چاہتی ہو...... میں تمہارا چور ہوں نہ مجرم۔ ہاں...... ہاں...... میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ڈر نہیں ہے مجھے تمہارا۔ میں شادی کر رہا ہوں نزہت سے۔ اور پھر میں ایک شادی کروں یا دس تم روکنے والی کون ہو......؟"

وجاہت علی جو اب تک زیب سے ذرا خوفزدہ تھا ایک دم ہی اس میں روایتی جاگیردار جاگ اٹھا۔ وہ اپنی بات منوانے والا جاگیردار شوہر بن گیا تھا۔

شوہر کو اپنے روایتی انداز میں آتے دیکھ کر زیب نے فوراً موڈ خوشگوار کیا، چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لائی گو کہ دل میں بھڑک اٹھنے والی آگ کے شعلے آنکھوں سے عیاں ہو رہے تھے تاہم اسے خود کو کنٹرول کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔ وہ اپنی جگہ سے

اٹھی، آہستگی سے چلتی وجاہت کے قریب آ گئی۔

"میرے سر کے سائیں جی...... خفا کیوں ہوتے ہو۔ تم ایک چھوڑو سو شادیاں کرو جی۔"

"کیا تمہیں اعتراض نہیں ہوگا؟" وجاہت پر حیرت کا پہاڑ بھی ٹوٹا کہ ایک تو زیب کا مزاج ایک دم اچھا ہو چکا تھا دوسرا اسے اعتراض بھی نہیں تھا۔

"اعتراض کی مجال ہے میری...... آپ تو میرے سر کے سائیں ہو جی۔ آپ خواہ مخواہ ہی خفا ہونے لگے تھے۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔ میں خود چاہتی ہوں کہ تم دوسری شادی کر لو۔ اب حویلی کی تنہائی مجھ سے بھی برداشت نہیں ہوتی۔ شادی کرنی ہے تو جلدی کر ڈالو، حویلی کی رونق بڑھ جائے گی۔" اپنے آپ کو چھپائے وہ اسے اجازت دے رہی تھی۔

"زیب...... زیب تم کتنی اچھی ہو...... میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی ہے۔" وجاہت بے حد خوش تھا۔ ورنہ اسے تو خدشہ تھا کہ وہ قیامت کھڑی کر دے گی۔

"یہی تو بات ہے جو انسان سمجھنے میں غلطی کرتا ہے۔ شادی کسی سے کرو، جب کرو مجھے غرض نہیں۔ بس میری ایک شرط ہے۔"

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" اتنی بڑی انہونی کے عوض وہ ہر شرط قبول کر لینے پر تیار تھا۔

اس کی بات پر زیب کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔

"سوچ لو...... پھر نہ کہنا کڑی شرط ہے۔" وہ کسی ماہر بیوپاری کی طرح وجاہت سے سودے بازی کر رہی تھی۔

"ارے تم فکر......" اس سے قبل کہ وہ اس کی بات کا جواب دیتا اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ جلدی سے فون کی طرف بڑھا۔

"ہیلو...... کیا...... اوہ...... دیکھو اس سے کہو ہرگز فکر نہ کرے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔"

فون سنتے ہی جلدی سے الماری کی طرف بڑھا، اپنا ریوالور رکھا اور خان کو گاڑی

نکالنے کا حکم دے دیا۔ زیب کچھ کہنے کے لئے آگے بڑھی مگر وجاہت نے اشارے سے منع کر دیا اور تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔



"ابو...... ابو...... میرے پیارے ابو! یہ آپ نے کیا، کیا......؟" نزہت اپنے ابو کی جانب بڑھی جو دواؤں کے اثر سے سو رہے تھے مگر جب ان کی آنکھ کھلی تو انور ان کی بیٹی کو زبردستی لے جا رہا تھا۔ انہوں نے گڑگڑا کر خدا سے طاقت کی بھیک مانگی اور پھر ان کو یوں لگا جیسے وہ تندرست نوجوان ہوں۔ وہ تیزی سے باہر آئے، ہاتھ میں پیتل کا گلدان تھا۔ وہی انور کے سر پر دے مارا۔ اب وہ خون میں لت پت بے ہوش پڑا تھا۔

"بیٹی! یہ سب خدا کا کرم ہے کہ اس نے مجھے ہمت عطا فرمائی کہ میں اپنے پیروں پر چلتا ہوا آ گیا۔ ورنہ یہ شیطان تو...... خدا کا شکر ادا کرو بیٹی اس نے ہماری عزت محفوظ رکھی۔ اب تم فکر نہ کرو۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔"

ابو نے اس کو گلے لگا لیا جو اچانک ہونے والے واقعے پر حواس باختہ ہو گئی تھی۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک اٹھی۔

"کک...... کک...... کون ہے......؟" نزہت بری طرح کانپ رہی تھی خوف سے۔

"میں ہوں، ثمینہ۔ نزہت! دروازہ کھولو۔"

نزہت نے دروازہ کھولا اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"ارے گھبراؤ نہیں نزہت! پتہ ہے میں نے دیوار پر سے دیکھ لیا تھا، شور جو ہو رہا تھا۔ پھر میں نے فوراً وجاہت بھائی کو فون کر دیا۔ وہ بس پہنچنے ہی والے ہیں۔ ہمت سے کام لو۔ ٹھنڈ بہت ہے۔ آؤ ابو کو اندر لے کر چلیں۔"

ثمینہ اور نزہت ابو کو لے کر اندر چلی گئیں۔ انور زندہ تھا یا مر گیا تھا یہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ وہیں برآمدے میں ٹھنڈ میں سکڑ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وجاہت آ

گیا۔ اس نے صورتحال کو سنبھال لیا۔

"وجاہت...... یہ...... یہ سب کیا ہو گیا...... آپ کہاں تھے وجاہت! یہ خبیث انسان نجانے کیوں چلا آیا اور ابو نے......"

وجاہت کو دیکھ کر ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ وہ روتی چلی گئی۔ یہ کوئی معمولی واقعہ تو نہیں ہوا تھا۔

"اوہو، کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہو گئی۔ اللہ سے بہتری کی دعا کرو اور اندر جاؤ تاکہ میں خان کو بلا کر اس خبیث کو اٹھواؤں۔" وجاہت نے اسے تسلی دے کر اندر بھیجا اور پھر آواز دے کر خان کو اندر بلا لیا۔

"خان! یہ شخص انور ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کو ہاسپٹل پہنچا کر اس کے گھر فون کر دو کہ یہ حادثہ ہو گیا ہے۔ میری بات سمجھ میں آ گئی ہے ناں؟" وجاہت نے خان کی طرف دیکھا۔

"بالکل سمجھ میں آ گئی ہے بات صاحب! اور کوئی حکم؟"

"نہیں...... اب تم جاؤ اور ذرا جلدی آ جانا۔"

پھر خان اپنے دیو ہیکل بازوؤں میں انور کو اٹھائے باہر نکل گیا تو وجاہت اندر آ گیا جہاں باپ بیٹی اس حادثے سے سہمے بیٹھے تھے۔

"اوہو بھئی نزہت! اس میں اتنا خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ایسی ہی کوئی حرکت کرنے والا ہے۔ صرف یہ بتاؤ محلے میں تو کسی کو خبر نہیں ہوئی؟" وجاہت نے نزہت کی خوف سے پھیلی آنکھوں میں دیکھا۔

"نہیں...... صرف ثمینہ کو پتہ ہے۔ اس نے دیوار سے دیکھ لیا تھا۔"

"اس کی تو خیر ہے...... اور حسین صاحب! آپ نے جو کیا یہ آپ کا حق تھا۔ کیوں اس قدر خوفزدہ سے بیٹھے ہیں۔ اللہ نے آپ کو ہمت دی تو آپ نے اس شیطان کو مارا۔ اب فکر نہ کریں، اللہ مالک ہے۔"

وجاہت خاموش سہمے ہوئے حسین صاحب کو تسلیاں دے رہا تھا تو انہوں نے

اس کے ہاتھ تھام لئے۔

"وجاہت بیٹا! اب اپنی امانت جلدی لے جاؤ۔ میں بڈھا ہوں، نحیف و نزار ہوں...... مجھ سے اب یہ ذمہ داری نہیں اٹھائی جاتی۔"

اس واقعہ نے ان کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کئی آنسو ان کے بوڑھے رخساروں کی جھریوں میں جذب ہو گئے۔

"آپ فکر نہ کریں حسین صاحب! خدا کا شکر ہے ایک بہت مشکل مرحلہ خود ہی حل ہو گیا ہے۔ اب ہم جلد ہی شادی کر لیں گے انشاء اللہ۔" اور پھر حسین صاحب فکروں سے قدرے سکون ملنے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے لیٹ گئے۔



انور کو سر پر کاری ضرب لگنے سے کئی دن ہاسپٹل میں رہنا پڑا تھا۔ گھر والے، دوست احباب عیادت کے لئے آ رہے تھے۔ وجاہت بھی عیادت کے لئے آیا۔ انور تکلیف کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اختلافات کے باوجود وہ وجاہت سے بات خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"کیسے ہو یار انور......؟" وجاہت اس کے چہرے پر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر انور خاصا مکار تھا۔ سب کچھ چھپا گیا۔

"ٹھیک ہوں یار! تم کہاں رہے اتنے دن...... میں تو سمجھا تھا کہ گاؤں واپس چلے گئے ہو؟" انور نے سر پر ہلکے سے ہاتھ رکھا۔ اسی دوران نرس آ کر دوا دے گئی۔ انور دوا کھانے کے بعد پھر وجاہت کی طرف متوجہ ہو گیا جو بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میرے شہر آنے کے مقاصد سے تو تم واقف ہی ہو۔ ابھی تک ایک بھی پورا نہیں ہوا۔ خیر یہ بتاؤ یہ حادثہ ہوا کیسے؟ تم خود گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے یا ڈرائیور کی غفلت کی وجہ سے حادثہ ہوا؟" وجاہت نے بڑی تفتیشی نگاہوں سے انور کو دیکھا تو وہ نظریں چرا کر باہر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے لئے تو

اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ بہانہ سوچتا رہا۔

"ہاں...... یہ روڈ ایکسیڈنٹ تھوڑی تھا۔ وہ تو یوں ہوا کہ میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ شاید گیلی تھیں۔ میرا پاؤں پھسل گیا اور یوں چوٹ لگ گئی۔"

"ارے یہ حادثہ تو بالکل نزہت کی طرح ہوا ہے ناں؟" وجاہت نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تو انور چونک کر اس کو دیکھنے لگا پھر فوراً نظریں چرا لیں۔

"ہاں شاید...... خیر نزہت سے یاد آیا تم دونوں شادی کب کر رہے ہو؟" انور نے جھٹ بات کا رخ اس کی شادی کی طرف موڑ دیا تو وجاہت مسکرانے لگا۔

"شادی بھی ہو جائے گی۔ پہلے تم اچھے تو ہو جاؤ۔ اب تمہارے بغیر شادی ہونے سے رہی۔ اب جلدی سے بستر چھوڑو۔"

اور پھر ملاقات کا وقت ختم ہونے تک وجاہت انور کے پاس بیٹھا رہا۔



"نذیر! یہ سامان کیوں رکھ رہے ہو گاڑی میں؟" وجاہت واپس آیا تو نذیر گاڑی میں سامان رکھ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ نذیر جواب دیتا، زیب النساء زیورات میں لدی پھندی ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ لئے باہر آ گئی۔ وجاہت کو دیکھا اور اس کی طرف بڑھی۔

"میں واپس جا رہی ہوں۔" زیب النساء نے نذیر کو بیگ پکڑایا تو وجاہت حیرت سے اس کی جانب مڑا گو کہ اس کے جانے کی خبر سے دل کو ایک گونہ سکون ملا تھا۔

"واپسی...... مگر کیوں......"

"میرا خیال ہے اندر چل کر بات کرتے ہیں۔" زیب نے نوکروں کی موجودگی کا احساس کر کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"ہاں...... اب بولو کیا بات ہے؟ تم کہہ رہے تھے واپس کیوں جا رہی ہو، حیرت کی بات ہے...... کہاں تو تمہیں آنا ہی اچھا نہیں لگا تھا اور اب کہہ رہے ہو کیوں؟"

زیب کے لہجے میں حیرت، طنز اور دکھ کا احساس تھا جسے شاید وجاہت محسوس نہیں کر پایا تھا۔

"ہاں...... رک جاتیں۔ میرا مطلب ہے کہ ابھی بھی کیا جلدی ہے۔ منشی جی ہیں نان معاملات دیکھنے کے لئے...... تم رہو کچھ دن اور......"

وجاہت قدرے شرمندہ سے لہجے میں بول رہا تھا۔

"نہیں وجاہت! ایک تو نوکروں پر میں اعتبار کم ہی کرتی ہوں دوسرا آپ کی شادی کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔ آپ دلہن کو بیاہ کر سیدھے حویلی ہی لے آئیں۔ میں حویلی کو دلہن کی طرح سجاؤں گی۔ بالکل ایسے جیسے میری اور آپ کی شادی پر حویلی دلہن بنی تھی۔"

زیب النساء بڑے دل گردے کی خاتون تھی۔ بڑے ضبط سے یہ سب برداشت کر رہی تھی۔

"تو کیا تم شریک نہیں ہوگی؟" وجاہت نے نظریں چرا کر پوچھا تو زیب اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں مصنوعی خوشی اور دل سے اٹھتی ٹیسوں کا امتزاج نمی کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ عورت کتنی ہی صابر، کتنی ہی سخت، بلند حوصلے والی ہو، اپنا سب کچھ دوسرے کے نام کر سکتی ہے مگر شوہر کی محبت میں تقسیم موت سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے اور زیب بھی وجاہت کی تقسیم کا منظر اپنی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لئے اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں شریک کیسے ہو سکتی ہوں...... میں وہاں حویلی میں اس کا استقبال کرنے کے لئے موجود ہونا چاہتی ہوں۔ ہاں البتہ میں شادی سے پہلے اپنی شرط پر وعدہ لینا چاہتی ہوں۔ ایسا نہ ہو دلہن کا منہ دیکھتے ہی آپ مکر جائیں۔"

"نہیں خیر، ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بتاؤ کیا شرائط ہیں؟"

وجاہت کو اس وقت زیب پر کچھ ترس بھی آ رہا تھا۔ وہ نرمی سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس کی بات پر زیب نے ایک چکر پورے کمرے کا لگایا۔ کچھ دیر کھڑکی سے باہر لان میں دیکھتی رہی پھر وجاہت کی طرف پلٹی اور بغور دیکھنے لگی۔

"میری شرائط نہیں صرف شرط ہے۔ وہ یہ کہ تمہاری شہری دلہن وہاں رہے گی جہاں میں رہوں گی یعنی حویلی میں میرے ساتھ۔ آپ چاہے جہاں مرضی رہیں۔"

زیب کی شرط خاصی کڑی تھی۔ نزہت کے نقطہ نظر سے وجاہت کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

"زیب! دیکھو بات یہ ہے کہ نزہت شہر کی لڑکی ہے۔ یہاں کی عادی ہے۔ وہ شاید وہاں سیٹ نہ ہو سکے۔"

وجاہت نزہت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ شہر کے ماحول کی پلی بڑھی نازک سی لڑکی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ نزہت یہاں شہر میں رہے گی اور زیب حویلی میں۔ مگر زیب نے اتنی کڑی شرط رکھ کر پریشان کر دیا تھا اس کو۔

"میرے سر کے سائیں جی! میری تو یہی شرط ہے۔ منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یاد رکھو میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گی۔ اگر کر بھی لی تو جینا حرام کر دوں گی۔ میں حویلی واپس جا رہی ہوں۔ میری شرط منظور ہو تو دلہن کو لے کر حویلی آ جانا...... خدا حافظ۔" زیب النساء مردانہ حوصلے والی عورت تھی۔ اپنا فیصلہ سنا کر وجاہت کو سوچ کے جنگل میں چھوڑ کر باہر جا چکی تھی۔



وجاہت نے آئندہ زندگی کے بارے میں کچھ سوچ کر نزہت کے ابو سے شادی کی تاریخ طے کر لی تو نزہت کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑ گئی۔ شہنائیاں گونج اٹھیں۔ حسین صاحب بھی پُرسکون اور مطمئن ہو گئے۔ ثمینہ نے چھیڑ چھیڑ کر نزہت کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ روزانہ شام کو ڈھولک لے کر بیٹھ جاتی۔

اس وقت بھی وہ محلے کی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی شادی کے گیت گا رہی تھی۔ پیلے جوڑے میں بیٹھی نزہت خوش آئند خوابوں کی بجائے پریشان کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ گو کہ اس پُرخطر راہ میں وجاہت کا ساتھ، اس کی محبت ہمراہ تھی۔ مگر ساتھ

میں اندیشے بھی تھے۔ وجاہت کی جاگیرداری، اس کی پہلی بیوی اور اس کے ساتھ رویے کے بارے میں سوچتی رہی۔ سوچ کے سمندر میں ڈولتی ناؤ ابو کے سامنے آ کر ٹھہر گئی۔

''ابو...... میرے پیارے ابو تنہا رہ جائیں گے۔ کون ان کا خیال رکھے گا۔ ان کا کھانا پینا، ان کی دوائیں، میرے خدا! تُو ہی نگہبان ہے......''

ابو کا خیال کر کے وہ شدت سے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی تو ثمینہ ڈھولک چھوڑ کر اس کے پاس آ گئی۔

''نزہت! کیا بات ہے...... کیوں یوں رو رہی ہو؟''

''بابل کا گھر چھوڑتے ہوئے لڑکی رویا ہی کرتی ہے، قہقہے نہیں لگایا کرتی۔'' ایک لڑکی نے مسکرا کر کہا اور ڈھولک سنبھال کر بیٹھ گئی۔

''ثمینہ! مجھے ابو کی فکر کھائے جاتی ہے۔ ان کا کون خیال رکھے گا؟'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

''کیوں...... ہم مر گئے ہیں کیا؟ اور پھر خدا نگہبان ہوتا ہے نزہت! تم فکر کیوں کرتی ہو؟ فکر کرو اب اپنے دلہا میاں کی، آئندہ زندگی کی۔ ابو کی فکر نہ کرو۔''

ثمینہ جو اس کی بچپن کی دوست، مخلص ساتھی تھی، کتنی ہی دیر اسے سمجھاتی رہی۔ وجاہت کا نام لے کر اسے چھیڑتی رہی اور اسی چھیڑ چھاڑ میں وہ سپنوں کی وادی میں اتر گئی۔ اور جب آنکھ کھلی تو وہ وجاہت کی دلہن کا روپ دھارے شہر کے سب سے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل کے خوبصورت اسٹیج پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ انور تو سب سے آگے آگے تھا چاپلوسی میں۔ وہ حدیں ختم کر رہا تھا۔ اسے نجانے کیا مطلب تھا وجاہت سے کہ بچھا جا رہا تھا۔

''بھابھی! مبارک ہو آپ کو...... یہ حقیر سا نذرانہ میری طرف سے قبول کریں۔ ایسا بھی کوئی تحفہ نہیں، پچاس ہزار کا ڈائمنڈ کا یہ نیکلس آپ کی صراحی دار گردن میں سجے گا تو انمول ہو جائے گا۔''

نزہت نے ذرا نظر اٹھا کر اس چالاک عیار شیطانی خصلت رکھنے والے انور کو دیکھا۔ کس قدر بے غیرت آدمی تھا۔ اس کے ساتھ کیا کچھ کرتا رہا، اتنی بڑی چوٹ کھانے کے بعد بھی کس طرح بے غیرتی سے دانت نکال رہا تھا۔ اس نے تحفے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تو کھسیانہ سا ہنسنے لگا۔

''ارے انور! تم خالی ہاتھ بھی آ جاتے تو تمہاری وہی قدر ہوتی۔ اتنے قیمتی تحفے کی کیا ضرورت تھی؟'' وجاہت نے پیکٹ پکڑ کر ملازم کو تھما دیا تو انور حسرت اور حسد سے نزہت کو دیکھنے لگا۔ اس جگہ پر تو اس نے اپنی بہن کو بٹھانا چاہا تھا اور خود نزہت کو اپنی دلہن بنانا چاہا تھا۔ مگر ہوا کا رخ ہی مخالف سمت کی جانب تھا۔ اب بھی وہ وجاہت کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ تب ہی تو سب کچھ برداشت کر رہا تھا۔

''ارے یار وجاہت! کیسی باتیں کرتے ہو...... تم جیسے دوست کی خاطر تو جان بھی حاضر ہے۔ نزہت تو میری بہنوں کی طرح ہے۔ یقین جانو اسے تمہاری دلہن کے روپ میں دیکھ کر از حد مسرت ہو رہی ہے۔''

مکاری اور چاپلوسی سے ہنستا ہوا انور کہہ رہا تھا تو نزہت کا جی چاہا اس کی صورت پر تھوک دے۔ شیطان آدمی اس کو بہن کہہ رہا تھا جس پر غلط نظر ڈالی تھی۔ مگر جب اس نے اپنے پہلو میں بیٹھے وجیہہ سے وجاہت کو دیکھا تو سر خدا کے حضور شکرانے میں جھک گیا جس نے نہ صرف غلط لوگوں سے بچایا تھا بلکہ وجاہت جیسا ساتھی بھی عطا کیا تھا۔

''یار وجاہت! ولیمے کے بعد پہلی دعوت میرے گھر پر ہے۔ بھولنا نہیں۔ ٹھیک ہے ناں بھابھی؟'' انور بہانے بہانے سے نزہت کو مخاطب کر رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے وجاہت کو دیکھا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔



نزہت کی نئی زندگی کا آغاز اس کے خوابوں سے بھی زیادہ خوبصورت اور دلفریب تھا۔ اس نے تو ایسا گلفام جیسا شوہر، ایسی کوٹھی، نوکر چاکر، اتنا سہانا تو خواب میں بھی

نہیں دیکھا تھا جو خدا نے حقیقت میں دے دیا تھا۔ وہ بے حد خوش اور مطمئن تھی اور خدا کی شکر گزار تھی۔ مگر ابو کی طرف سے مستقل فکر مند رہتی تھی وجاہت اس کا بے حد خیال رکھتے تھے مگر وہ اکثر ابو کی وجہ سے پریشان ہو جاتی۔ حالانکہ روز ہی ان کی خبر گیری کے لئے جاتے۔ ثمینہ بھی ان کا بہت خیال رکھتی مگر نزہت کو کب چین آتا تھا۔

"وجاہت! ایک بات کہوں؟" وہ ڈرتے ڈرتے کہہ رہی تھی۔ وجاہت نے جو کہیں فون کر رہا تھا ریسیور رکھ دیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جناب! ہم تو پیدا ہی آپ کی باتیں سننے کے لئے ہوئے ہیں۔ ارشاد، حکم۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔ وہ جھینپ سی گئی۔

"وجاہت! ابو کی وجہ سے میں پریشان رہتی ہوں۔ ان کا کیا سوچا ہے آپ نے؟"

"ابو...... بھئی میں نے ان کو پہلے روز کہا تھا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اتنی بڑی کوٹھی میں ملازم ہیں خیال رکھنے کے لئے مگر وہ مانتے ہی نہیں۔ کہہ رہے تھے بیٹی کے گھر رہنا مناسب نہیں لگتا۔ میں اور کیا کر سکتا تھا؟"

"آپ اجازت دیں تو میں منا لاؤں ان کو؟" نزہت نے آہستگی سے پوچھا۔ ہر بات وہ اس کا موڈ دیکھ کر کرتی تھی۔

"ہاں بھئی...... کیوں نہیں...... وہ یہاں آ جائیں تو ہم بھی ہنی مون منانے جائیں۔ پتہ ہے نزہت میں نے بڑا طویل اور خوبصورت پروگرام بنایا ہے ہنی مون کا۔ پہلے تو ہم پورے ملک کی سیر کریں گے، اس کے بعد ہم بیرون ملک جائیں گے، گھومیں گے، پھریں گے، عیش کریں گے۔ کہو، کیسا پروگرام ہے؟" وہ اسے اپنے پروگرام کے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ خیالوں میں خوبصورت دنیا میں پہنچ چکی تھی۔

چونکی اس وقت جب وجاہت فون پر کہہ رہا تھا۔

"آواز نہیں آ رہی...... دوبارہ کرو۔"

نزہت اٹھ کر کافی بنانے لگی۔

"کس کا فون تھا؟" کافی کا کپ اسے دیتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

"معلوم نہیں، آواز بہت کم آ رہی تھی۔" وجاہت نے جیسے ہی کافی کا مگ پکڑا پھر بیل ہوئی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر کپ رکھا اور فون سننے لگا۔ نزہت نے اٹھ کر ٹی وی کی آواز آہستہ کر دی۔

"ہاں ہیلو...... اوہ اچھا یہ تم ہو......" دوسری طرف چونکہ زیب تھی۔ وجاہت بے مزا سا ہو گیا بالکل ایسے ہی جیسے بادام کھاتے کھاتے کوئی کڑوا بادام چبایا جائے تو انسان بے مزا ہو جاتا ہے۔ اس وقت نزہت کی سنگت میں خوبصورت باتیں کرتے ہوئے زیب کا فون کڑوا بادام ہی ثابت ہوا تھا۔

"ہاں سائیں جی! میں ہوں...... شادی مبارک ہو جی...... دلہن کہاں ہے؟" زیب بڑے عجیب سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ہے۔" وجاہت نے بے دلی سے کہا۔ نزہت بھی سمجھ گئی تھی کہ کس کا فون ہے۔ وہ بھی مرجھا سی گئی۔

"تو وہاں کیوں ہے جی...... یہاں لاؤ ناں اس کو۔ حویلی اپنی نئی مالکن کا انتظار کر رہی ہے۔"

نزہت کی محبت میں تو وجاہت زیب اور اس کی شرط کو بھول ہی گیا تھا۔ وجاہت نے اس کی بات پر ایک گہرا سانس لے کر نزہت کو دیکھا جس کے چہرے پر عجیب سا خوف اور پریشانی ہویدا ہو رہی تھی۔

"میں نے کچھ کہا ہے وجاہت علی...... میں یہاں حویلی کو دلہن بنائے انتظار کر رہی ہوں اور تم سوچ میں پڑ گئے ہو جی۔ یہ کیا بات ہوئی...... کیا خوشیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے؟" اب کی بار زیب نے اپنے لہجے میں مظلومیت شامل کر لی۔

"نہیں زیب! ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ دراصل ہم چاہتے تھے ذرا گھوم پھر کر آتے۔" وجاہت نے چپ کی تصویر بنی نزہت کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے بننے والے

پروگرام پر بے حد خوش تھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو وجاہت علی! دلہن ہم بھی بنے تھے مگر ہمیں تو کوئی کہیں گھمانے پھرانے نہیں لے گیا۔ بس حویلی کی پتھر سنگلاخ فصیلوں میں قیدیوں کی طرح زندگی گزار دی ہے۔ نئی دلہن میں ایسے کیا سرخاب کے پَر لگے ہیں کہ وہ ہنی مون منانے جائے گی۔ میں کچھ نہیں جانتی...... میں حویلی کو سجا کر تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ اب مجھے دوبارہ فون نہ کرنا پڑے ورنہ مجھے تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

زیب النساء بڑی جی دار عورت تھی۔ وہ بے حد حاسد بھی تھی۔ انتقام لینا بھی جانتی تھی۔ وہ جو کہتی تھی کر گزرتی تھی۔ وجاہت علی سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے نزہت کو دیکھا جس کا غصہ اتر چکا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا جو اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

"دیکھو نزہت! زیب اس گھر کی پہلی بیوی ہے اور پھر خاندان کی ہے۔ تمہیں ہر حال میں اس کے ساتھ رہنا اور گزارہ کرنا ہے۔ دیکھو میں تمہیں جلد ہی لے آؤں گا۔ اور تم ابو کی فکر نہ کرو وہ یہاں آرام سے رہیں گے۔ ہم اگر زیب کی ایک بات مانیں گے ناں تو وہ ہماری دس باتیں مانے گی۔ دل کی بری نہیں ہے وہ۔" وہ کتنی ہی دیر اسے سمجھاتا رہا اور وہ دکھ کے احساس کے ساتھ اس کی باتیں سنتی رہی۔ جب قسمت میں یہی لکھا تھا تو وہ کیا کر سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے وجاہت! اگر یہ محبت کی آزمائش ہے تو مجھے قبول ہے۔ مگر میرے ابو کا خیال خوب اچھی طرح رکھا جائے۔"

کسی بے بس پرندے کی طرح اس نے پھڑپھڑانا چھوڑ دیا۔ سارے خواب ساری خوشیاں آنسوؤں میں بہہ گئیں۔ ابھی تو وہ کھل کر ہنسی بھی نہیں تھی کہ ہنسی چھین لی گئی تھی۔ کہاں تو وہ لوگ ہنی مون منانے کا پروگرام بنا رہے تھے اور کہاں اب گاؤں جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اسے وجاہت سے شکوہ تھا تو صرف اتنا کہ زیب ان کی بیوی تھی کوئی بزرگ تو نہیں کہ جس کی بات ٹالی نہیں جا سکتی تھی۔

وجاہت نے تو بیوی کا حکم بھی بزرگوں کی طرح مانا تھا۔ تاہم وہ خاموش رہی۔



زیب نے جو کہا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ حویلی کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ حویلی کے گیٹ سے وجاہت کے کمرے تک دلہن کے قدموں میں پھول بچھائے گئے تھے۔ ملازمین کی قطار سلام کر رہی تھی۔ اپنے اس خوبصورت استقبال پر دل میں جو زیب کی طرف سے میل آ گیا تھا وہ نزہت کے دل سے اتر گیا۔

"بسم اللہ...... بسم اللہ...... جی آیاں نوں۔" دروازے پر کھڑی زیب نے اس کی پیشانی چوم کر بزرگوں کی طرح اس کا استقبال کیا تو وہ نادم سی ہو گئی۔ وجاہت بھی بے حد خوش تھا اس کو بھی اپنے خیال کی نفی کرنی پڑی کہ زیب بری ہے۔

"ویسے زیب! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ایسا استقبال کرو گی ہمارا۔" وجاہت علی متاثر نظر آ رہا تھا۔

زیب زور سے ہنس پڑی۔ پھر ملازمہ کو اشارہ کیا۔ "پروین! جا کر وہ چیزیں لے آ۔ رسم کرنی ہے۔" پروین کو کہہ کر وہ وجاہت کی طرف پلٹی۔ ایک بار پھر دلہا کے روپ میں خوبرو وجاہت علی اتنا ہی خوبصورت اور وجیہہ لگ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی جو اب تقسیم ہو چکا تھا۔ پھر مسکرانے لگی۔

"تم تو کبھی زیب کو سمجھ نہیں سکتے۔ خیر تم دلہن تو ایسی بیاہ کر لائے ہو کہ لگتا ہے چاند اتر آیا ہے حویلی میں۔" اب زیب دلہن بنی نزہت کے قریب تھی۔ اس کا گھونگھٹ ہٹائے بغور اسے دیکھتی رہی۔ وہ سیدھی سادی شہر کی لڑکی تھی۔ کچھ خوفزدہ سی ہو گئی۔ اسے پراسرار سا ماحول لگ رہا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

"وہ عورت بڑی خوش نصیب ہوتی ہے نزہت بیگم جو شوہر کو پسند ہوتی ہے۔ تم بھی تو خوش نصیب ہو۔ پیا من بھائی ہو۔ اور ہاں پیا جی! یہ تم یہیں بیٹھے رہو گے دلہن کی پٹی سے لگ کر......؟ باہر مردانے میں بھی جاؤ۔ لوگ آ جا رہے ہیں اور تمہیں کیا اعتبار نہیں ہے کسی کا؟ ارے کوئی بھگا کر نہیں لے جائے گا تمہاری دلہن کو۔ بے

فکر ہو کر جاؤ۔"

زیب پہلے نزہت سے باتیں کرتی رہی۔ وہ خوفزدہ سی سنتی رہی۔ پھر زیب وجاہت کی جانب گھومی تو وہ بھی اس کے کہنے پر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا بابا جاتا ہوں...... ناراض کیوں ہوتی ہو؟ اور تم پر کیسی بے اعتباری۔ لو میں چلا۔ تم اپنی رسمیں پوری کر لو۔"

وجاہت اٹھ کر چلا گیا تو نزہت کو لگا جیسے وہ اکیلی رہ گئی ہو۔ حالانکہ ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ پھر بھی اسے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

"ہاں...... ہاں پروین! لے آ مہندی...... سائیں چلے گئے ہیں۔ اب رسم کر لیتے ہیں۔"

نزہت نے ذرا نظریں اٹھا کر دیکھا، ایک تھال میں مہندی سجی تھی۔ آس پاس موم بتیاں جل رہی تھیں۔ زیب نے اس مہندی میں سرسوں کا تیل ڈالا اور پھر پروین کو دے دیا اور پھر کئی نوٹوں سے نزہت کا صدقہ اتار کر پروین کو دیئے۔

"چل پروین! اب چکر دے دلہن کے سر کے اوپر سے۔ تھال مضبوطی سے پکڑنا۔"

اور پھر پروین احتیاط سے چکر دینے لگی۔ زیب بغور نزہت کو دیکھتی رہی جس کا دل لرز رہا تھا۔ یہ کیسی رسم تھی۔ ہو سکتا ہے گاؤں کی ہو۔ نزہت کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ابھی پروین کے چکر باقی تھے کہ تھال اس کے ہاتھ سے لڑکھڑا گیا۔ نجانے یہ حرکت دانستہ تھی یا نادانستہ۔ جلتی ہوئی موم بتیاں نزہت کے اوپر آ گریں۔ ٹشو کے ریشمی لباس نے فوراً آگ پکڑ لی۔ وہ بری طرح چیخنے لگی۔ اس کی آواز پہچان کر وجاہت تیزی سے بھاگا آیا تو منظر ہی کچھ اور تھا...... نزہت کا لباس جل رہا تھا۔ زیب اسے بجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"پیچھے ہٹو...... یہ ہوا کیسے؟" وجاہت بری طرح گھبرا گیا۔ بمشکل نزہت کی آگ بجھائی گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ خدا کا فضل ہوا کہ آگ پر جلدی قابو پا لیا گیا

ورنہ وہ جھلس کر رہ جاتی۔

"زیب! یہ سب ہوا کیسے؟ میں کیا پوچھ رہا ہوں؟" وجاہت گرجا تو زیب جس کے حسد کی آگ میں قدرے کمی واقع ہوئی تھی، پریشانی طاری کیے رونے لگی۔

"ہائے میری قسمت خراب وجاہت علیٰ دلہن کی رسم کر رہی تھی یہ...... یہ جو کمبخت ہے نمک حرام۔ ہاتھوں میں طاقت نہیں تھی۔ جانے کیسے تھال گر گیا دلہن پر۔ جلتی موم بتیوں سے بے چاری جھلس کر رہ گئی۔ ہائے توبہ توبہ...... چل دفع ہو جا میری نظروں سے...... لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے...... سارا الزام میرے اوپر آئے گا کہ سوکن نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ ہائے میرا منہ تو کالا کر دیا ناں...... چل دفع ہو جا ...... اب نظر نہ آنا حویلی میں۔"

زیب روئے جا رہی تھی اور پروین کو مارے جا رہی تھی۔ وجاہت کو بھی یقین آ گیا کہ جیسا زیب کہہ رہی ہے ایسا ہی ہوا ہو گا۔ فی الحال تو اسے نزہت کی فکر تھی جس کو نقصان تو نہیں پہنچا تھا البتہ خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی۔



پہلے دن کے واقعے نے نزہت کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ صدیوں پہلے کی بنی ہوئی یہ خوبصورت مضبوط فصیلوں والی حویلی اسے کوئی پراسرار جزیرہ لگ رہی تھی زیب جس کا اہم کردار تھی۔

وہ خوفزدہ سی کمرے میں بند رہتی تھی۔ زیب اس کے بہت نخرے اٹھاتی۔ وجاہت بے حد چاہتا تھا۔ اس کے باوجود اس کے اندر ایک خوف سا بیٹھ گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ وجاہت کے ساتھ کمرے میں دبکی ہوئی تھی۔ زیب باہر کے کئی چکر لگا چکی تھی۔ وہ بھی عورت تھی۔ کبھی وجاہت کبھی اس کے ناز نخرے اٹھاتا تھا جو آج پورے کا پورا نزہت کا ہو گیا تھا۔ ایسے میں حاسد طبیعت کی مالک زیب کو چین کیسے آ سکتا تھا۔

"وجاہت پلیز مجھے یہاں سے لے چلیں...... بہت خوف آتا ہے مجھے یہاں

سے۔" وہ سسک پڑی تو وجاہت ہنس دیا۔

"کیسی عورت ہو تم نزہت...... کوئی اپنے گھر سے بھی جاتا ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے نزہت! تمہارا سسرال ہے۔ تمہیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ زیب بھی تو رہ رہی ہے ناں۔"

"مگر وجاہت! زیب عادی ہے اس ماحول کی۔ مجھے لگتا ہے میں اس پراسرار ماحول میں زیادہ دن زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔"

"اوہو بھئی...... پہلے روز والا واقعہ ملازم کی غلطی سے ہو گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم سب کو غلط سمجھنا شروع کر دو۔ اپنے آپ کو یہیں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرو۔ تم عادی ہو جاؤ گی تو کچھ بھی عجیب نہیں لگے گا۔" وجاہت اسے جتنا بہلاتے وہ اتنا بے حوصلہ ہونے لگتی۔

"پلیز وجاہت!" وہ منت پر اتر آئی تو وجاہت کو ذرا غصہ آ گیا۔

"دیکھو نزہت! میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا تھا، سب کچھ بتا دیا تھا کہ میں کیا چیز ہوں۔ میری کیا ذمہ داریاں ہیں۔ میری بیوی ہے اور......"

"لیکن وجاہت! آپ نے تو یہ کہا تھا کہ میں اور آپ شہر میں رہیں گے۔" نزہت نے اسے بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا۔

"ہاں کہا تھا...... مگر زیب کو یہ گوارا نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم سب مل کر ایک جگہ، ایک گھر میں رہیں۔ اور پھر اس کا ہمارے سوا ہے ہی کون۔"

زیب کے رویے نے اس کا اور وجاہت کا دل جیت لیا تھا۔

"ہاں تو وجاہت! زیب آپی ہمارے ساتھ شہر جائیں گی ناں۔ ہم گھل مل کر بہنوں کی طرح رہیں گے۔" نزہت کسی طرح سے بھی اس پراسرار حویلی سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"کیوں فساد ڈالنے والی باتیں کر رہی ہو نزہت! حویلی، زمین ہم یہ سب چھوڑ کر شہر چلے جائیں۔ تمہیں ان جاگیروں کے معاملات کی خبر نہیں ناں اس لئے ایسی بات

کہہ رہی ہو۔ اس کو پتہ ہے۔ وہ اس لئے شہر نہیں جانا چاہتی۔ یوں بھی زیب کو شہر میں رہنا پسند نہیں۔ تمہیں ہی یہاں ایڈجسٹ ہونا پڑے گا...... اور شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس شرط پر زیب نے مجھے تم سے شادی کی اجازت دی تھی کہ تم اس کے ساتھ حویلی میں رہو گی۔ ورنہ اس کی اجازت کے بغیر تو میں شادی نہیں کر سکتا تھا۔"

وجاہت اپنی پہلی بیوی کے احسانات کے بوجھ تلے دبا اس کا احسان اسے بتا رہا تھا کہ تم کچھ نہیں ہو۔ تمہیں حویلی، زمینوں کے معاملات کی کیا خبر۔ اور یہ کہ اگر وہ اجازت نہ دیتی تو شاید وہ اس کی بیوی بھی نہ ہوتی۔ اور کس قدر دکھ کی بات تھی کہ زیب کو شہر پسند نہیں تھا تو وہ شہر نہیں رہ سکتی تھی مگر اسے گاؤں اور حویلی سے خوف آتا تھا مگر وہ یہاں رہنے پر مجبور تھی۔

کیا ستم تھا...... یہ کیسی محبت تھی کہ اسے ہی آزمائش کے پُر خار جنگل سے گزرنا تھا اور پابندی تھی کہ کسی خار سے دامن الجھے بھی نہیں۔ وہ سسک پڑی۔ کہاں تو ہنی مون کے پروگرام، ملک سے باہر جانے کے خواب اور کہاں یہ رگوں کو چیرتی حقیقت۔ اتنے روز ہو گئے تھے، ابو کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اپنے گھر پر ہوتے تو ثمینہ یقیناً ان کا بے حد خیال رکھتی مگر اب وہاں کوٹھی میں نوکروں کے سروں پر...... نہ جانے کوئی دوا بھی دیتا ہو گا کہ نہیں......

میں کس مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں...... کاش تم ایک غریب آدمی ہوتے وجاہت! دو وقت کی روٹی کما کر دینے والے۔ مگر پورے کے پورے میرے تو ہوتے۔ حویلی، زمینوں کے معاملات کی دیوار تو نہ ہوتی ہمارے درمیان۔

وجاہت کہیں جانے کو تیار ہو رہا تھا اور وہ پلنگ پر لیٹی سوچے اور روئے جا رہی تھی۔ مگر وجاہت ان بہتے جھرنوں سے بے خبر گنگناتا ہوا تیار ہو رہا تھا۔ اسے تو ہر پل وجاہت دور ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ......"

کسی ملازم کی بجائے زیب موجود تھی۔ نزہت جلدی سے چہرہ صاف کر کے اٹھ بیٹھی۔

"ارے زیب! یہ تم ہو...... میں سمجھا کوئی ملازم ہے۔"

اس کی بات پر زیب نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور نزہت کو دیکھنے لگی۔ نزہت کو زیب کسی جادوگرنی سے کم نہیں لگتی تھی۔

"ارے میرے سر کے سائیں جی! ہم تو ہاتھ باندھے تمہارے اور تمہاری دلہن کے غلام ہیں۔ دیکھ لو، پروین کہہ رہی تھی کہ چھوٹی دلہن کے پاؤں دھونے ہیں۔ میں نے کہا دور دفع ہو جاؤ جیسے پہلی رات تو نے کرتوت گھولے تھے...... وہ تو خدا کو جان بچانی تھی سو بچ گئی ورنہ تو نے تو کسر نہیں چھوڑی۔ میں خود دلہن کے پاؤں دھوؤں گی۔ لاؤ دلہن! پاؤں نیچے کرو۔"

پھر زیب نے زبردستی اس کے پاؤں پکڑے تو اس نے جلدی سے کھسکا لئے۔

"نہیں زیب آپی! میں کون سی نواب زادی ہوں...... خود ہی پاؤں دھولوں گی۔ آپ پلیز پاؤں نہ پکڑیں۔ اچھا نہیں لگتا مجھے۔" نزہت نے زیب کے ہاتھ پکڑ لئے تو وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"دلہن رانی! یہ حویلی کی روایات ہیں...... اور ہم روایات کے امین ہیں۔ لاؤ ادھر پاؤں۔" زیب نے پھر زبردستی اس کے پاؤں پکڑ لئے تو وجاہت یہ منظر دیکھ کر خوش بھی ہوا اور ہنسنے بھی لگا۔

"بھئی واہ...... تم دونوں تو حویلی کی سوکنوں کی بہت اچھی روایات قائم کر رہی ہو تاکہ آئندہ آنے والی رقابت کے اس رشتے سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس رشتے پر فخر کریں۔ بھئی نزہت تم تو بہت خوش قسمت ہو۔"

زیب زبردستی اس کے پاؤں برتن میں دھونے لگی تھی۔ وجاہت مسکراتا ہوا باہر کی طرف جانے لگا تو نزہت کی بے ساختہ چیخ پر مڑ کر وہ اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا نزہت......؟" وہ جلدی سے نزہت کی طرف بڑھا تکلیف سے جس کی

آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

"کوئی سوئی بڑے زور سے چبھی ہے پاؤں میں۔"

"سوئی...... کمال کرتی ہو...... سوئی کہاں سے آ گئی۔ دیکھو صاف شفاف پانی میں کچھ نظر آ رہا ہے بھلا؟" زیب نے کمال ہوشیاری سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سوئی انگلی میں چھپا لی اور پانی نزہت اور وجاہت کے سامنے کر دیا۔ پانی میں کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ وجاہت نے نزہت کو گھورا۔

"یہ جو تمہارے وہم ہیں ناں، تمہارے ہی لئے خطرناک ثابت ہوں گے۔ کہاں ہے سوئی...... کچھ نہیں، تمہارا وہم ہے۔" وجاہت جو اس کا شوہر تھا، جو کبھی اس کی محبت میں آہیں بھرا کرتا تھا آج اس کی تکلیف کو سوئی چبھنے سے ٹپکتے خون کو اس کا وہم قرار دے کر باہر نکل چکا تھا۔

زیب نے ایک فاتحانہ نظر اس پر ڈالی اور باہر چلی گئی۔

"میرے خدا یہ سب کیا ہو گیا...... میں نے ایسی زندگی کا تو خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔" وہ تنہائی سے لپٹ کر رو پڑی۔



زندگی کا یہ رخ تو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا، سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی محبت کا دم بھرنے والا، اس کی خاطر جان دینے والا وجاہت اسے سوکن کے حوالے کر کے بڑا خوش اور مطمئن ہو جائے گا اور اپنی پہلی بیوی پر اندھا اعتماد کرے گا۔ جب کہ نزہت اسے اچھی طرح جان گئی تھی۔ اندیشہ تھا کہ زیب اسے جان سے نہیں مارے گی تو پاگل ضرور کر دے گی۔ وجاہت تو اس کے کردار، اس کے ظرف کا مطیع ہو کر رہ گیا تھا اور اسی لئے تو اب وہ بے فکر ہو کر شہر جا رہا تھا۔ شہر کی باسی نزہت شہر جانے کو مچل گئی۔ وہ شہر سے آنے والی ہواؤں کو ترس گئی تھی۔ وہ شہر سے آ کر ماہی بے آب کی طرح مچل رہی تھی۔

"وجاہت! خدا کے لئے مجھے بھی شہر لے جائیں...... پلیز۔" وہ ہاتھ جوڑے

وجاہت سے منت کر رہی تھی

"کیوں...... شہر میں کیا ہے جو یہاں نہیں؟" وجاہت اجنبی پن سے کہہ رہا تھا۔

وہ سسک پڑی۔

"شہر میں کیا نہیں وجاہت...... میرے ابو ہیں، میرا بچپن ہے، میری جوانی ہے، میرے خواب ہیں...... اور میرے ابو نہ جانے کس حال میں ہوں گے۔"

اس کے رونے پر وجاہت کو ترس آ گیا۔ وہ اس کی طرف پلٹ آیا۔ "دیکھو نزہت! زیب کی حیثیت تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اب اس نے اس بات کو ضد بنا لیا ہے تو کچھ عرصہ تم جیسے تیسے گزارہ کر لو، پھر میں تمہیں شہر لے جاؤں گا۔ رہی بات ابو کی تو میں واپسی پر لیتا آؤں گا۔ تم چاہو گی تو وہ بھی یہیں رہیں گے ورنہ شہر میں بھی ان کو کوئی تکلیف نہیں۔ اور سنو، زیب کی خوب عزت کرنا۔ بڑی اچھی عورت ہے وہ۔" آہستہ آہستہ وجاہت کے الفاظ اس کی جلتی آگ پر پانی کا کام کر رہے تھے۔ کچھ تو زندگی کی جھلک نظر آئی تھی اس کی باتوں سے ورنہ تو وہ اس رویے سے بہت بددل ہو گئی تھی۔

"وجاہت خدا کے لئے اپنا وعدہ پورا کیجئے گا...... ابو کو ساتھ ضرور لے کر آیئے گا۔" وہ گڑگڑائی تو وہ اسے تسلی دینے کے لئے پھر مڑا۔

"جب خدا کا واسطہ دیا ہے تو ضرور لے کر آؤں گا...... اچھا پھر اپنا خیال رکھنا اور زیب کی عزت کرنا۔ خدا حافظ۔" وجاہت اسے تسلیوں کے پتوار تھماتا چلا گیا اور وہ لرزتے دل کے ساتھ آنے والے وقت کے بارے میں سوچتی رہی۔ ہونے والے واقعات اور آنے والے حالات کے بارے میں سوچتے سوچتے اس پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ وہ گہری نیند میں تھی کہ کسی نے سفاکی سے اسے بالوں سے پکڑ کر بٹھا دیا۔



"زیب آپی آپ...... کیا...... کیا بات ہے...... آپ ناراض کیوں ہیں؟ میرے

بال تو چھوڑ دیں پلیز۔" ایک تو گہری نیند سے بال پکڑ کر اٹھایا تھا، اس کا دل خوف سے یوں دھڑک رہا تھا گویا ابھی بند ہو جائے گا۔ اوپر سے زیب اس وقت کسی وحشی کی طرح اس کے بال مٹھی میں بھرے خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا آج سالم ہی نگل جائے گی۔

"دلہن صاحبہ! بہت ہو گیا۔ اور بہت ہو گئی میاں جی سے محبت کی ڈرامے بازی۔ گھونگھٹ کھولو، بستر چھوڑو اور چولہا جھونکو...... چلو اٹھو۔ بڑی آئیں مہارانی بن کر راج کرنے والی۔"

پھر زیب نے خود ہی اس کے خوبصورت دوپٹے کو اتار کر پرے پھینکا۔ وہ چلاتی ہی رہی مگر زیب اسے آزمائش گاہ میں لے آئی جہاں تائی ماں پہلی بار آمنہ بیگم کو لائی تھیں۔

"یہ...... یہ سب کیا ہے زیب آپی...... وجاہت کے سامنے تو آپ......" نزہت زیب کے اس دوہرے رویے کو نہیں سمجھ پائی تھی۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

"چپ کرو...... اور یہ آنسو اپنے کس ہوتے سوتے کے لئے بہا رہی ہو؟ تم نے میرا حق مارا ہے۔ برابری کی کوشش کی ہے تو کیا میں تمہیں معاف کر دوں گی؟ ہرگز نہیں...... چل یہ گندم کا ڈھیر آج شام تک صاف کرے گی تو کھانا ملے گا ورنہ بھوکی رہے گی۔"

زیب نے اسے بڑے سے کمرے میں دھکا دیا جہاں گندم کا اتنا بڑا ڈھیر تھا کہ دس عورتیں مل کر بھی صاف نہیں کر سکتی تھیں کہاں وہ شہر کی پڑھی لکھی نازک لڑکی جس کی ماں جب تک زندہ رہی، چاول تک چننے نہیں دیتی تھی کہاں اب یہ حال تھا۔

"یا اللہ! میں کیا کروں...... میں کس عذاب میں گرفتار ہو گئی ہوں میرے خالق...... میرے مالک، اللہ پاک! میری کس خطا کی سزا ہے یہ؟"

نزہت کے لئے یہ سب بڑا اذیت ناک تھا۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتی

تھی۔ گندم تو کیا صاف کرتی، روتے روتے وہیں گندم پر ڈھیر ہو گئی اور وہیں پڑی رہی اور جانے کب تک پڑی رہتی کہ پیٹ پر زور سے کسی کی لات پڑی تو وہ درد سے بلبلاتی اٹھ بیٹھی۔

"یہ کام ہو رہا ہے کہ آرام؟ ملکہ عالیہ کو یہاں آرام کے لئے، نیندیں پوری کرنے کے لئے نہیں چھوڑا تھا۔ کتنی گندم صاف کی ہے بتا؟" اس کے ریشمی بال پھر زیب کے ہاتھوں میں تھے۔ وہ بلکنے لگی۔

"آپی خدا کے واسطے مجھے نہ مارو...... میری طبیعت بہت خراب ہے...... میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور بخار بھی ہے۔ پلیز مجھے کچھ کھانے کو دے دو۔ دیکھو میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں مجھے کھانے کو دے دو پلیز۔" نزہت نے باقاعدہ اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ زیب نے سفاکی سے اسے پرے دھکا دیا۔ اس کا سر کرسی سے جا لگا اور خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ نازک اندام نزہت ان مظالم کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، متحمل کیسے ہو سکتی تھی؟ بے ہوش ہو گئی۔

ہوش میں آئی تو اپنے بستر پر تھی، سر پر پٹی بندھی تھی۔ اس کے ابو اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگائے رو رہے تھے۔ وہ سمجھی وہم ہے یا خواب......

"ابو! میرے ابو جان...... جان نکلنے سے پہلے ایک بار تو اپنی لاڈلی کو دیکھ لیں۔ اپنی صورت دکھا دیں ابو...... ابو......" وہ بے ہوشی میں بولے جا رہی تھی۔

"میں...... میری جان تمہارے پاس ہوں، میری لاڈلی، میری نزہت! میں تمہارے پاس ہوں...... وجاہت بیٹا مجھے لے کر آیا ہے۔ دیکھو، اٹھو مجھے بتاؤ تو سہی یہ زخم آیا کیسے ہے؟" ابو اس کو گلے سے لگائے روئے جا رہے تھے۔

باپ کے لمس کو، ان کی خوشبو کو محسوس کر کے وہ ہوش میں آ گئی اور جب یقین آ گیا کہ ابو اس کے پاس ہیں تو پھر وہ ان کے گلے لگ کر یوں روئی کہ کمرے کے در و دیوار بھی سسک پڑے۔

"ابو...... ابو...... میری جان ابو! آپ کیسے ہیں...... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" وہ

بار بار ان کو چھو کر محسوس کر رہی تھی۔

"ہاں ہاں میری بچی...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مگر یہ تم نے اپنا کیا حال کر لیا ہے...... اور یہ چوٹ کیسے آئی ہے؟" ابو نے اس کے سر پر بندھی پٹی کو دیکھا تو جیسے اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے زیب کو دیکھا جس کی آنکھوں سے وارننگ مل گئی تھی کہ خبردار جو زبان کھولی تو۔ اس نے برابر کھڑے محبتوں کے دعویدار وجاہت کو دیکھا جس کے کانوں میں فرضی داستان پہنچ چکی تھی۔

"کیسی چوٹ ابو...... کس کس چوٹ کا احوال بتاؤں...... جسم پر لگے ان زخموں کا احوال بتاؤں یا روح پر لگے گھاؤ دکھاؤں یا پھر خون ہوتے ارمانوں کی داستان سناؤں آپ کو...... یہ میری تقدیر ہے۔ میں لڑ نہیں سکتی۔ آپ بھی چھوڑیں اس قصے کو۔ آپ اپنی سنائیں، آپ ٹھیک ہیں؟ آپ دوائیں تو لے رہے ہیں ناں؟"

اس کی ٹیسیں ابو کے دل میں اٹھنے لگیں۔ انہوں نے بغور بیٹی کو دیکھا۔ یہ وہ بیٹی تو نہیں تھی جس کو انہوں نے رخصت کیا تھا دلہن بنا کر۔ یہ تو زرد ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ وہ تڑپ اٹھے۔

"بتاتی کیوں نہیں ہو...... یہ چوٹ تمہیں کیسے آئی؟"

"میں بتاتی ہوں ابو جی۔" قبل اس کے کہ نزہت کچھ بولتی زیب درمیان میں بول پڑی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں بیٹی! تم ہی بتا دو۔"

"ہوا یہ تھا ابو جی کہ ملازمہ صفائی کر کے ہٹی تھی۔ فرش ابھی گیلا تھا، نزہت رانی اپنی ایڑھی والی جوتی پہن کر بستر سے اتریں تو پاؤں پھسل گیا اور ان کا سر کرسی سے جا لگا۔ وہ تو خدا کا شکر ہوا میں گھر پر تھی۔ جلدی سے ڈاکٹر کو بلوا لیا، مرہم پٹی ہو گئی، خون نہیں بہنے دیا۔"

زیب کے جھوٹے بیان سے ایک جان لیوا ٹیس اٹھی۔ اس نے ابو کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

"نزہت تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ تم ایڑھی والی جوتی استعمال نہ کیا کرو مگر تم بھی تو نہیں مانتیں۔" وجاہت نے جس کو اس داستان پر سو جان سے یقین ہو گیا تھا، کہا تو وہ شاکی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"مانوں گی وجاہت جی! اب تو ہر بات مانوں گی۔ آخر زندگی کے دن بھی تو پورے کرنے ہیں کہ نہیں۔" وہ پھر سسکنے لگی۔



اور پھر زندگی اسی ڈگر پر چلنے لگی۔ وجاہت شہر میں رہتا اور وہ زیب کے مظالم کی چکی میں پستی رہتی۔ اسی عرصے میں اوپر تلے تین لڑکیوں کی پیدائش نے نزہت کو اور بھی بے وقعت کر دیا تھا۔ وجاہت کو اپنی جاگیر کے لئے وارث چاہئے تھا مگر لڑکیوں کی پیدائش نے اسے کونے میں لگا دیا تھا۔ نزہت اکثر بیمار رہنے لگی تھی۔ بڑی منت سماجت کر کے وہ ایک آدھ دن کے لئے شہر آ جاتی تو جیسے آئندہ دنوں کے لئے آکسیجن جمع کر لیتی۔ مگر پھر وہی گاؤں اور زیب کی سختیاں۔

زیب اس کی معصوم بیٹیوں کو بھی نہیں بخشتی تھی۔ وجاہت کو یوں بھی ان کی پرواہ نہیں تھی۔ نزہت اپنی بیماری اور بچیوں کی طرف سے ہر وقت فکر مند رہتی زیب جان بوجھ کر لڑکیوں کو گاؤں کے ماحول کا پابند کر رہی تھی۔ زارا، سارا ابھی تین اور چار سال کی تھیں مگر زیب ان کے پھول سے رخساروں پر اس بے دردی سے تھپڑ مارتی کہ نزہت تڑپ کر رہ جاتی۔

اس وقت بھی غالباً زارا سے کوئی غلطی ہو گئی تھی اور زیب اسے بری طرح پیٹ رہی تھی۔ نزہت جو بخار میں پھنک رہی تھی، برداشت نہ کر سکی۔ اس نے ڈنڈا اٹھایا اور زیب کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"زیب! نہیں چھوڑوں گی آج تمہیں۔"

عورت اپنی ذات پر ہر طرح کا ظلم برداشت کر سکتی ہے مگر اپنی ممتا پر کوئی ظلم برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی اولاد اس کی وہ دکھتی رگ ہوتی ہے جس پر کوئی ہاتھ بھی رکھ دے تو وہ تڑپ اٹھتی ہے۔ یہی حال نزہت کا تھا۔ پانچ سال سے وہ اس حویلی

میں قید اپنی سوکن زیب کے مظالم برداشت کر رہی تھی مگر اب زیب کے ظلم کا دائرہ پھیل کر اس کی معصوم بچیوں تک پہنچ گیا تو وہ ظلم کی ہر کو توڑتی اپنے ڈولتے وجود کو لئے جس میں اب انجانی سی قوت بھر گئی تھی بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی۔

زیب ننھی زارا کو پیٹے جا رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں اس کے بال تھے دوسرے ہاتھ سے رخساروں پر تھپڑ مارے جا رہی تھی۔ معصوم بچی بلبلا رہی تھی۔ نزہت کے دل پر چھریاں چل گئیں اس منظر سے۔

"بڑی اماں! مت ماریں...... میں نے کچھ نہیں کیا...ا...ا" معصوم زارا تکلیف سے تڑپ رہی تھی مگر انتقام میں اندھی زیب مارے گئی۔

"ہاں کچھ نہیں کیا...... بہت معصوم ہو تم بھی اپنی ماں سمیت۔ جس نے میرے حق پر ڈاکہ ڈالا، میرے سر کا سائیں چھین لیا۔ میری محبتوں کی حق دار بن گئی اور میں تم لوگوں کو معافی دوں...... تم لوگوں نے آ کر میری محبت کی جاگیر بانٹ دی۔ میری حویلی اور زمینوں کی حقدار بن گئیں۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

قبل اس کے کہ زیب معصوم زارا کا گلا دباتی، نزہت کا ہاتھ اٹھا۔

"زیب النساء...... جلاد عورت! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" پوری قوت سے اٹھا ڈنڈا زیب النساء کے سر پر لگا...... خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اور وہ زمین پر گر گئی۔



اس واقعہ سے حویلی میں گویا زلزلہ آ گیا تھا۔ ہر شے لرز اٹھی تھی۔ زیب النساء کے گھر والے ٹوٹ پڑے تھے اور وجاہت جو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نزہت جیسی حلیم، محبت کرنے والی، ہر کسی کے لئے نرم گوشہ رکھنے والی اتنا بڑا اقدام کیسے اٹھا سکتی ہے، اس پر برس پڑا تھا۔ اور وہ مجرم بنی بچیوں کو ساتھ لگائے سہمی بیٹھی تھی۔

"نزہت! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ایسی حرکت کر سکتی ہو، تم اتنی خطرناک بھی ہو سکتی ہو۔ وہ تو خدا کا احسان ہے کہ اس کی پاک ذات نے زیب کو زندگی عطا

کر دی ورنہ میں تو ہر طرف سے مارا گیا تھا۔ اتنی اچھی بیوی تو ماری ہی جاتی، اس کے گھر والے الگ میرا جینا حرام کر دیتے۔ نزہت بیگم! زیب النساء کوئی لاوارث لڑکی نہیں ہے، بے شمار جاگیر کی مالک ہے۔ اس کو کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ تم کیا جانو جاگیر کے معاملے۔ چھوٹے برتنوں میں جب زیادہ پڑ جاتا ہے تو کناروں سے چھلکنے لگتا ہے۔ میری سمجھ میں تو یہ نہیں آ رہی کہ تمہیں اتنی جرأت ہوئی کیسے کہ تم نے زیب پر ہاتھ اٹھایا۔"

وجاہت اس وقت صرف اور صرف زیب النساء کا شوہر بن کر اس کا محاسبہ کر رہا تھا۔ نزہت کو اس کے بدلتے رویئے نے کچھ تو پہلے ہی توڑ دیا تھا مگر اس وقت تو وہ بالکل غیر اور اجنبی لگ رہا تھا۔ وہ شدت سے رو پڑی۔

"وجاہت! دشمن کے پتھر اتنی تکلیف نہیں پہنچاتے جتنی اپنوں کے پھول دیتے ہیں۔ آپ تو ایسی بات نہ کرتے وجاہت! ایک بار تو پلٹ کر آپ دیکھتے کہ میرے ساتھ، پھر بچیوں کے ساتھ زیب کا کیا رویہ رہا ہے۔ میں پھر بھی برداشت کرتی رہی۔ اپنی ذات پر تو اب بھی سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوں مگر...... مگر اپنی بچیوں پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ وجاہت! اس بری طرح سے زیب آپا نے زارا کو پیٹا ہے کہ......" دکھ کے مارے نزہت بات بھی مکمل نہ کر پائی۔

"تو کوئی قیامت نہیں آ گئی کہ ایک ہاتھ اگر زیب نے لگا دیا تھا۔ وہ بدنصیب اگر ان کو اپنی اولاد سمجھ کر کچھ کہہ دیتی ہے تو کیا قیامت آ جاتی ہے۔ تم نے تو چھوٹے پن کی انتہا کر دی ہے۔ اور سن رکھو! اگر اب زیب کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ اور زیب کو حق حاصل ہے وہ بچیوں کے ساتھ جس طرح چاہے رہے۔ تم کو حق نہیں کہ تم چوں چرا کرو۔ تمہیں میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ زیب میری خاندانی بیوی ہے۔ اس کو درجہ اول کے حقوق حاصل ہیں اور کوئی دوسری عورت اس کے حقوق کو چیلنج نہیں کر سکتی۔ مگر تم نے اس کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیا کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی......"

"بس کریں وجاہت! خدا کے لئے بس کریں۔ حقوق کی بات آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگتی۔ زیب اگر خاندانی بیوی ہے آپ کی تو میں بھی کوئی بے غیرت، بے عزت خاندان کی نہیں ہوں۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک دولت، جاگیر، زر، زمین سے خاندانیت ہوتی ہے تو میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں خاندانی نہیں ہوں...... مگر حقوق کی بات نہ کریں وجاہت! زیب کو آپ نے جاگیردارنی بیوی ہونے کی وجہ سے درجۂ اول میں سوار کر دیا ہے تو ان معصوم بچیوں کا کیا قصور ہے۔ ان کے کون سے حقوق ادا کئے ہیں آپ نے...... یہ بھی تو ایک جاگیردار باپ کی اولاد ہیں۔ آپ کی اولاد ہیں۔ مگر ان کو ایک باعزت مگر غریب ماں کی کم حیثیت کی سزا دی جاتی رہی ہے۔ میں ماں ہوں...... مگر حکمرانی زیب کرتی ہیں ان پر۔ بتائیں یہ بھی تو جاگیردار کی اولاد ہیں...... کیوں ترس رہی ہیں اچھی زندگی کو، اچھی تعلیم و تربیت کو...... وجاہت! یہ آپ کی اولاد ہیں۔ ان کو تو ان کے حقوق دیں...... میں تو زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ ان کا تو خیال کریں۔"

نزہت کو پانچ سال ہو گئے تھے اس حویلی کی پتھریلی فصیلوں میں مقید سوکن کے ظلم برداشت کرتے ہوئے۔ مگر اب وہ اپنی بچیوں کے ساتھ کوئی زیادتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے وجاہت کا لحاظ بھی اب ختم ہو گیا تھا۔ اس کے اس انداز پر، اس جرأت پر حیرت انگیز نظروں سے وجاہت نے اسے دیکھا۔ وہاں تو مختلف نزہت تھی۔ وہ تو نہیں تھی، ڈری سہی، جی حضوری کرنے والی۔

"یہ اتنی جرأت تم میں آئی کیسے کہ تم یوں اچھل اچھل کر میرے اور زیب کے مقابلے میں آ رہی ہو۔" وجاہت نے بڑی تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اولاد عورت کا ہتھیار ہوتی ہے وجاہت علی! اور خدا جس عورت کو یہ ہتھیار دیتا ہے اسے کسی کا خوف نہیں رہتا۔ الحمد للہ پروردگار! تیرا شکر ہے تیری پاک ذات نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔" تشکر کے کئی آنسو نزہت کے آنچل میں جذب ہو گئے۔ اب واقعی اسے کسی سے خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

"ہونہہ...... ہتھیار بیٹے ہوتے ہیں، بیٹیاں نہیں۔ بیٹیاں تو بذاتِ خود قید ہوتی ہیں، پاؤں کی بیڑیاں ہوتی ہیں اور تم نے مجھے ان بیٹیوں کے سوا کیا دیا ہے...... مجھے تو بیٹا چاہئے تھا۔ اتنی بے شمار جاگیر کا وارث۔" وجاہت کو بہانہ چاہئے تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ اوپر تلے تین لڑکیوں نے اسے بدظن کر دیا تھا اور بدقسمتی سے وہ نزہت نے خود فراہم کر دیا تھا۔ وجاہت کا رویہ، اس کا انداز، بچیوں کے ساتھ اس کا رویہ نزہت کے لئے تکلیف دہ تھا مگر وہ مجبور تھی۔

"میں تو غریب، مجبور عورت ہوں وجاہت! میرے لئے تو بیٹا یا بیٹی میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ہی اللہ کی رحمت ہیں۔ مجھ سے بیٹے کا تقاضا کرنے سے پہلے آپ کو اپنی جاگیردار بیوی سے بیٹے کا تقاضا کرنا چاہئے تھا۔ اس کو تو آپ نے کبھی کچھ نہیں کہا۔" نزہت سسک پڑی۔ اس نے چھ ماہ کی ندا کو سینے سے لگا لیا۔

"نزہت! اوقات نہ بھولو اپنی...... تم اپنا مقابلہ زیب سے کر رہی ہو۔ ذرّہ آفتاب کو چھونے کی کوشش کرے تو اپنی پستی بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس لئے اپنی اوقات نہ بھولو۔"

"کہاں بھولی ہوں میں اپنی اوقات وجاہت...... نہ میں اپنی اوقات بھولی ہوں اور نہ آپ کی محبت نہ آپ کے وعدے نہ آپ کے دکھائے ہوئے خواب جن کی اتنی بھیانک تعبیر ملی ہے کہ میں خوف سے آنکھیں بند نہیں کرتی...... لیکن خدا کے لئے وجاہت مجھے میرا حق نہ دیں مگر اپنی بیٹیوں کو تو ان کا حق دیں۔"

آج اگر چپ کا قفل ٹوٹ ہی گیا تھا تو وہ ساری بات وجاہت سے کر لینا چاہتی تھی۔ دوسرے وقت کا کیا بھروسہ تھا، یہ موقع پھر ملتا یا نہ ملتا۔ بچیوں کی تعلیم کی وجہ سے فکرمند تھی۔

"کیوں...... کیا حق حاصل نہیں تمہاری بچیوں کو...... کیا نہیں ملتا تمہاری بیٹیوں کو؟" وجاہت حقارت سے ماں کے ساتھ چمٹی ہوئی لڑکیوں کو دیکھ کر بار بار تمہاری کہہ رہا تھا۔ گویا خود اس کا ان سے تعلق نہ ہو۔

"کیا حق ادا کر رہے ہیں...... اچھی تعلیم ان کا پہلا حق ہے وجاہت! بچیاں اب بڑی ہو رہی ہیں۔ اب ہمیں شہر والے گھر میں سیٹ کر دیں۔ میں...... میں آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں کروں گی۔ ان کی اسکولنگ پہلے ہی لیٹ ہو گئی ہے۔"

"یہ میری بیٹیاں ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت ہمارے روایتی انداز میں ہو گی۔ اگر منظور ہے تو ان کے ساتھ اس حویلی میں رہو۔ ورنہ اپنے باپ کے ہاں جا سکتی ہو۔"

یہ وہ وجاہت تھا جو اس کے ایک اشارے پر جان فدا کرنے پر تیار ہوتا تھا۔ آج روایتی جاگیردار بنا ان کی قسمتوں کے فیصلے سنا رہا تھا۔ نزہت نڈھال ہو گئی۔ ایک تو بیماری نے اسے کھوکھلا کر دیا تھا دوسرا بچیوں کی فکر۔ وہ بچیوں کو اس زنداں سے ہر صورت نکالنا چاہتی تھی اسی لئے وہ ان کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئی۔

"ہرگز نہیں...... میرے خدائے لاشریک کو منظور ہوا تو میں اپنی بیٹیوں کو زیب النساء یا ہاجرہ بیگم بننے سے پہلے اس زنداں سے نکال لوں گی۔"

"حویلی کی روایت سے ٹکرانے والا خود پاش پاش ہوا ہے۔ تم بھی اپنی کوشش کر دیکھنا۔ خدا صرف تمہارا ہی نہیں سب کا ہے۔ اور بچیاں اب تمہارے پاس نہیں زیب کے پاس رہیں گی۔ ان کی تربیت زیب کرے گی۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔ اور میں اب شہر جا رہا ہوں۔ زیب کا خیال رکھنا اور بچیوں کو اس کے پاس چھوڑ دو۔"

وجاہت اسے جان لیوا احکامات سناتا باہر نکل گیا اور نزہت بے بسی سے سہمی ہوئی بچیوں کو ساتھ لگا کر رو پڑی۔

"میرے پروردگار...... تو علی کل شیءٍ قدیر ہے...... میری مدد فرما...... میں رہوں نہ رہوں مگر میری بچیوں کو اچھا اور مضبوط مستقبل عطا فرما دے۔ اچھی تعلیم عطا فرما دے۔"



"خوش آمدید صاحب! اس بار تو آپ نے بڑی راہ دکھائی۔ بڑے دنوں بعد

آئے۔" کوٹھی کے تمام ملازمین وجاہت کے استقبال کے لئے گیٹ پر موجود تھے اور خوش تھے کہ وجاہت نے پھر کوٹھی کی خبر لی۔ اس نے مسکرا کر سب کے سلام کا جواب دیا اور اندر آ گیا۔

"وہاں کچھ مصروفیات تھیں۔ زمینوں کے جھگڑے تھے۔ تم تو اچھے رہے ناں خان! تم سناؤ، گھر میں خیریت ہے ناں...... بچے تو ٹھیک ہیں؟" وجاہت نے اپنے خاص ملازم جو کہ ڈرائیور کی حیثیت سے ہر وقت ساتھ رہتا تھا سے خیریت پوچھی۔

"میرے مولا کا بڑا فضل ہے صاحب! سب ٹھیک ہیں۔ آپ چھوٹی بیگم صاحبہ اور بچوں کو نہیں لائے صاحب! ان کے نانا تو اب بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ بہت یاد کرتے ہیں بیٹی اور بچوں کو۔ اور پھر بیگم صاحبہ کا فون بھی آیا تھا۔"

"فون...... تمہارا مطلب ہے نزہت نے یہاں فون کیا تھا؟" وجاہت نے چونک کر خان کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں صاحب! انہوں نے فون کیا تھا کہ بچوں کے سکول کا پتہ کروں۔ میں نے تو اچھے سے سکول میں بندوبست بھی کر دیا ہے۔ بڑا اچھا سکول ہے صاحب، بڑے لوگوں کا۔" خان تو خوش ہو کر اپنی کارکردگی بتا رہا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ جلتی پر تیل ڈال رہا ہے۔ وجاہت جو ابھی صوفے پر بیٹھا تھا ایک دم غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ خان کی طرف بڑھا۔ خان کی روح فنا ہو گئی۔

"میں نے تم سے کہا تھا سکول کا بندوبست کرنے کے لئے؟" وہ دھاڑا تو باہر کھڑے ملازم بھی کانپ اٹھے۔

"نہیں تو صاحب......" خان کی آواز کپکپا گئی۔

"پھر تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے پوچھے بغیر یہ سب کرنے کی۔ جب میں نے نہیں کہا تھا تو تم نے بیگم صاحبہ کے حکم پر یہ سب کیوں کیا...... کیوں......؟" سارا غصہ جو خان پر اتر رہا تھا نزہت کا حصہ تھا۔ اس کو نزہت پر بری طرح غصہ آ رہا تھا مگر اب اتر غریب خان پر رہا تھا جو ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں صاحب! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میرے کو کیا پتہ تھا کہ......"
خان کی معافی تلافی کا سلسلہ جاری تھا کہ فون کی بیل ہوئی۔ وجاہت نے خان کو گھورا اور سائیڈ پر رکھے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہیلو......"

"ہیلو وجاہت یار! کہاں ہو...... تم نے فون پر کہا تھا کہ جلد ہی شہر آؤ گے مگر پورے ایک ہفتے لیٹ آئے ہو۔ کیا وجہ تھی؟" دوسری طرف وجاہت کا دوست سیٹھ ابراہیم تھا جس کو وجاہت نے اپنے آنے کی اطلاع دو ہفتے قبل دی تھی مگر پھر حویلی میں رونما ہونے والے واقعہ کی وجہ سے دیر ہوگئی تھی۔ سیٹھ ابراہیم بہت بڑا بزنس مین تھا۔ اس کا زیادہ تر بزنس امریکہ میں تھا اور وجاہت اس کے ساتھ مل کر بزنس کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں یار! کچھ مسئلہ ہوگیا تھا۔ حویلی اور زمینوں کے معاملات کا تو تم کو پتہ ہے ناں۔" اندر کی بات وجاہت گول کر گیا۔ مگر ابراہیم ہنس پڑا۔

"اور اگر بندے کی دو دو بیویاں ہوں تو مسئلے ہی مسئلے ہوتے ہیں۔"

"نہیں یار ابراہیم! تم تو جانتے ہو عورت میرے لئے کبھی بھی مسئلہ نہیں بنی۔ نہ زندگی میں داخل کرتے ہوئے اور نہ نکالتے ہوئے۔ بس ذرا......"

"اچھا...... کیا ساری باتیں فون پر ہی کرو گے؟ ایسا کرو ڈنر سوٹ پہنو، کالر پر ادھ کھلی گلاب کی کلی سجاؤ اور آ جاؤ" اور پھر ابراہیم نے اسے ہوٹل کا بتایا جہاں اسے بلایا تھا۔

"ہوٹل میں کیوں بلا رہے ہو...... گھر پر کیوں نہیں؟" وجاہت نے استفسار کیا تو وہ ہنس پڑا۔

"وہ اس لئے جناب کہ آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے اور شادی کی سالگرہ تمہیں معلوم ہے ہم ہوٹل ہی میں مناتے ہیں۔ اور سنو، آنا ضرور ہے۔ دو روز بعد ہمیں امریکہ چلے جانا ہے۔ اچھا اب باتوں میں وقت برباد نہ کرو، تیاری پکڑو......

اللہ حافظ"

اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اب وجاہت مسکراتا ہوا سوچ رہا تھا کتنا اچھا ہوا جو ابراہیم کا فون آ گیا۔ ورنہ تو خان نے اچھا خاصا بے مزا کر دیا تھا۔ خان کو گاڑی کا کہہ کر وہ تیار ہونے چلا گیا۔



شہر کے سب سے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل کے پارٹی ہال میں سیاہ ڈنر سوٹ میں وجاہت علی خوب جچ رہا تھا۔ کچھ انجان حسیناؤں کی نگاہیں بھی آ کر پلٹ رہی تھیں۔ ابراہیم اور اس کی بیگم مونا معزز مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ رنگوں، خوشبوؤں کے اس ماحول میں وجاہت سب کو بھول چکا تھا۔ اپنے نام کی طرح اپنی وجاہت کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ایک مہ جبیں سے بات کر رہا تھا کہ ابراہیم اس کے قریب آ گیا۔

"ہیلو نازیہ! کیسی ہو بھئی...... یہ میرا دوست وجاہت ہے اور......"

"اوہ...... تو فار میلٹی ابراہیم صاحب! ہمارا تعارف ہو چکا ہے۔ کیوں وجاہت؟" نازیہ بے تکلفی سے وجاہت کو دیکھ رہی تھی جس نے سگریٹ کا گہرا کش لگایا اور دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے مسکرایا۔

"ہاں بالکل...... تم جاؤ یار مہمانوں کو ریسیو کرو۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟" وجاہت کو شاید ابراہیم کا یوں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ نازیہ سے گپ شپ کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر نازیہ ہی کو اپنی ممی کے بلانے پر جانا پڑ گیا تو ابراہیم اس کی طرف مڑا۔

"وجاہت علی صاحب! ذرا بد حواسیوں پر قابو رکھئے گا۔ یہ جو نازیہ ہے ناں، خطرناک چیز ہے۔ اور یوں بھی تمہاری دونوں بیویاں بے حد خوبصورت ہیں۔" ابراہیم کی بات وجاہت کو بے مزا کر گئی۔

"شادی کے بعد ساری لڑکیاں ایک جیسی ہو جاتی ہیں، لڑاکو، جھگڑالو۔ اور جب ماں بن جاتی ہیں تو صرف ماں بن کر زندگی عذاب کر دیتی ہیں۔" وجاہت نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو ابراہیم خوش دلی سے ہنس پڑا۔

"تو میرے یار کا اب تیسری شادی کرنے کا ارادہ ہے..... اگر ایسا ہے تو نازیہ اس مقصد کے لئے ان فٹ ہے، یہ ذہن میں رکھنا۔ اس لئے ذرا سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا۔" ابراہیم نے شانہ دبا کر اسے سمجھایا اور واپس آتی نازیہ کو دیکھنے لگا جس کو وجاہت بے حد پسند آ گیا تھا۔

"مجھے بھی تم اچھی طرح جانتے ہو ابراہیم! میں بھی کسی اچھی چیز پر ہی گرتا ہوں، ایسی ویسی چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ہاں وقت گزاری میں تو ہرج نہیں ناں۔"

"نہیں وقت گزاری میں تو ہرج نہیں۔" ابراہیم وجاہت کی بات پر مسکرا پڑا۔

"اچھا اب چھوڑو..... یہ تم لوگ کیک کب کاٹ رہے ہو۔ بھابھی! بھئی اب جلدی کریں ناں..... کس کا انتظار ہے..... اب تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وجاہت نے قریب آتی مونا کو دیکھ کر کہا تو وہ بھی مسکرا پڑی۔

"بس وجاہت بھائی! تھوڑا سا انتظار کر لیں۔ میرا خاص مہمان آنے والا ہے۔ وہ آ جائے تو پھر۔"

"خاص مہمان..... اس کا مطلب ہے بھابھی ہم سب عام مہمان ہیں اگر خاص مہمان کوئی اور ہے تو۔" وجاہت نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"یار وجاہت! جیسے تم میرے خاص مہمان اور دوست ہو اسی طرح ان کی بھی دوست اور خاص مہمان ہیں۔ آنے ہی والی ہیں۔"

"چلیں جی..... کچھ انتظار اور سہی۔" وجاہت دوسری جانب مڑ گیا اور سائیڈ میں لگی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ نازیہ دوسرے لوگوں سے گپ شپ میں مصروف تھی۔ تاہم اس کی نگاہیں بار بار وجاہت پر اٹھ رہی تھیں۔ وجاہت کو بھی اس بات کا احساس تھا اس لئے وہ کچھ بن بھی رہا تھا۔

اور اس وقت جب وہ سگریٹ سلگا رہا تھا تو نظریں گویا مونا کے ساتھ آنے والی لڑکی پر ٹھہر سی گئیں۔ لیمن کلر کی سادہ سی ساڑھی میں ملبوس دراز چوٹی اور ہلکے سے میک اپ میں وہ تمکنت اور وقار سے مونا کے ساتھ چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ آنکھوں

کے راستے وہ سیدھی وجاہت کے دل میں اتر گئی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ جان گیا تھا یقیناً یہی وہ خاص مہمان ہے جس کا انتظار ہو رہا تھا۔ وجاہت کو لگا جیسے اسے بھی اس کا انتظار تھا۔ محفل دھنک رنگ ہو گئی تھی۔ پھر وہ پری پیکر جس طرف گئی وجاہت کی نگاہیں اسی طرف گئیں۔ اس پیکر ضیا بار سے ہم کلام ہونے کو جی چاہ رہا تھا مگر وہ مونا کے ساتھ مہمانوں سے مل کر مسکراہٹ کی چاندنی بکھیر رہی تھی۔ قریب تھا کہ وہ اٹھ کر مونا کے قریب جاتا اسی وقت نازیہ اٹھلاتی ہوئی آ گئی۔

"ارے آپ تنہا بیٹھے ہیں..... سوری میں ذرا ممی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ آپ بور تو نہیں ہوئے؟" وہ بے تکلفی سے اس کے برابر بیٹھتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ وجاہت نے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑا۔ دھوئیں کی ہلکی سی دھند میں اس پری پیکر کا وجود کسی شاعر کے حسین خیال سے مشابہہ لگ رہا تھا۔

"ارے سامنے جب نظارے اتنے دلفریب ہوں تو کون بور ہوتا ہے۔" وجاہت نے ایک خاص انداز سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو نازیہ اترا کر رہ گئی جیسے اس کا اشارہ اسی کی طرف ہو۔

"وجاہت صاحب! ممی آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں آپ کو اپنے گھر بلاؤں۔"

ہو سکتا ہے کہ یہ آفر جو نازیہ کر رہی تھی وجاہت کو بھاتی اور وہ اس کی طرف قدم بھی بڑھاتا مگر سامنے مونا کی دوست شہلا سلیم تھی جس کی شخصیت کے وقار اور متانت سے وہ بے حد متاثر ہو گیا تھا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا وجاہت صاحب!" نازیہ تو اس پر پوری طرح فدا ہو چکی تھی۔ اپنی بات کے جواب میں اس کی خاموشی پر خود ہی بول پڑی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ سولہ سنگھار اور ماڈرن لباس میں نازیہ اسے قطعی نہ بھائی۔ وہ پھیکی سی ٹالنے والی ہنسی ہنس دیا۔

"ہاں چکر لگاؤں گا کبھی۔ چلئے میرے خیال میں وہ لوگ کیک کاٹنے لگے ہیں۔"

کیک کاٹنے کے بعد کھانے کی مصروفیت رہی مگر وجاہت کی نگاہیں بار بار شہلا سلیم پر جا ٹھہرتیں۔ کھانے کے فوری بعد نازیہ کی ممی کو جلدی تھی۔ وہ نازیہ کو لے کر چلی گئیں تو وجاہت پُر سکون ہو کر انتظار کرنے لگا کہ کب اس مہ جبیں سے تعارف ہوتا ہے اور اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مونا اچانک ہی اسے لے کر اس کی طرف آ گئی۔

"یہ وہ خاص مہمان ہے جس کا انتظار ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا آپ دونوں کا تعارف کرا دوں۔ یہ......" مونا نے تعارف کرانا چاہا تو وجاہت نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

"ارے بھابھی! تعارف کی کیا ضرورت ہے۔ بہار اپنا تعارف آپ ہوا کرتی ہے۔ بہار کا آپ کسی نام سے تعارف کرا دیں رہے گی تو وہ بہار ہی۔ کیوں مس شہلا۔" وجاہت نے گہری نظروں سے شہلا کو دیکھا جس کے ہونٹوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ آئی اور معدوم پڑ گئی۔

"اچھا بھئی...... پھر آپ دونوں خود تعارف کرائیں۔ میں ذرا دوسرے مہمانوں کو دیکھ لوں۔" مونا یہ کہہ کر دوسری جانب بڑھی۔ وجاہت خوش ہو گیا۔ وہ اس پُر وقار لڑکی کے ساتھ تنہائی ہی چاہتا تھا۔

"دیکھنے میں تو آپ شاعر قسم کی چیز نہیں لگتے مگر باتیں شاعرانہ انداز میں کرتے ہیں۔" وہ اس سے پہلی بار ہم کلام ہوئی تو اس کی آواز کی جلترنگ وجاہت کے حواسوں پر چھا گئی۔ اس نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی اور پُر شوق نظروں سے شہلا کو دیکھنے لگا۔

"مصور کے لئے کسی دلفریب منظر اور شاعر کے لئے کسی پری پیکر کا وجود تحریک کا کام کرتا ہے۔ مصور کے رنگ حرکت کرنے لگتے ہیں اور شاعر کے خیال لفظوں کا پیراہن پہن لیتے ہیں۔ آپ نے درست کہا۔ میں شاعر تو نہیں مگر......" وجاہت دانستہ طور پر خاموش ہو گیا مبادا برا مان جائے۔ پھر دونوں مختلف موضوعات پر بات

کرتے رہے۔ وجاہت اس کی سنجیدگی، اس کے وقار میں ڈھلے سادہ سے روپ کو نگاہوں میں بسائے اسے اپنانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔



ابراہیم اور مونا کو امریکہ جانا تھا۔ وہ جا چکے تھے مگر وجاہت کے لئے ایک نئی منزل کی نشاندہی کر گئے تھے۔ وجاہت فطرتاً دل پھینک اور کمزور واقع ہوا تھا۔ ہر بار وہ محبت سے یوں مغلوب ہو جاتا تھا گویا یہ واردات پہلی بار وقوع پذیر ہو رہی ہو۔ مگر شہلا سلیم کی شخصیت میں ایک وقار تھا۔ اس کی شخصیت میں، بول چال میں ہر بات ہی دوسروں سے انوکھی تھی۔ وہ اس کے مزاج کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا اس لئے اس کے مزاج کے عین مطابق بات کرتا۔

"ہیلو جی علی صاحب! کیسے ہیں آپ؟" اس وقت بھی شہلا لیٹی کتاب پڑھ رہی تھی کہ وجاہت جس نے اپنا آدھا نام بتایا تھا فون آ گیا۔ وجاہت نے اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا سوائے اس کے کہ وہ جاگیردار ہے اور زیب اس کی خاندانی بیوی ہے۔ بس نزہت اور تین بچیوں کے وجود کو ختم کر دیا تھا اس لئے کہ وہ ہر قیمت پر شہلا کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"ہم نے کیسے ہونا ہے جناب! اگر اب میں یہ کہوں گا کہ جب سے آپ کو دیکھا ہے، آپ سے ملا ہوں برا حال ہے، آپ یقیناً میرے جذبوں کو ایک مرد کی عامیانہ سی سوچ اور وقتی شاعر ہونے کا طعنہ دیں گی۔ مگر شہلا حقیقت یہ ہے کہ جب سے آپ کو دیکھا ہے ایک انجانی سی تلاش ختم ہو گئی ہے۔ اب آپ اسے کچھ بھی کہہ دیں مگر......"

وجاہت کو آج تک جتنی بھی لڑکیاں ٹکرائی تھیں اسے ذرا بھی تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی وہ جھٹ عشق پٹ اظہار اور فوراً اپنا لینے کا عادی تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ شہلا سلیم نے اسے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اظہار بھی بڑے نپے تلے انداز میں کر رہا تھا۔ شہلا کو بھی اس نے متاثر تو ضرور کیا تھا مگر وہ مطمئن

نہیں تھی۔ اس لئے ریزرو ہی رہتی۔ وہ اسے زیادہ پھیلنے کی اجازت دیتی ہی نہیں تھی۔

"دیکھئے علی صاحب! ہم لوگ میچور ہیں، کوئی ٹین ایجر نہیں ہیں اس لئے ہمیں اس قسم کی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ یہ بتائیں آج رات آپ کھانے پر آرہے ہیں یا نہیں؟ ابو آپ کا پوچھ رہے تھے۔" شہلا نے نارمل سے لہجے میں کہا مگر دوسری طرف سے وجاہت کی گہری آہ سننے کو ملی۔ وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے شہلا! آپ کی بھی کہ دل توڑ کے جینے کی دعا دیتی ہیں۔ سلیم صاحب کو ہی میرا خیال آگیا ورنہ آپ تو......" وجاہت نے شاکی سے لہجے میں شکوہ کیا تو شہلا کو قدرے غصہ آگیا کہ وجاہت شادی شدہ ہو کر بھی ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے۔

"آپ مرد بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں کہ جب پہلی لڑکی سے محبت کرتے ہیں تو ایسے یقین دلاتے ہیں کہ وہ ہی آپ کا سب کچھ ہے۔ اور جب شادی کے بعد وہ حاصل ہو جاتی ہے تو بے وقعت ہو جاتی ہے۔ آپ اپنی پہلی بیگم کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

شہلا پڑھی لکھی، سلجھے مزاج کی لڑکی تھی۔ وہ انسانی رویوں کو خوب اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اور یوں بھی وہ فطرتاً اس بات کی قائل تھی کہ جو اس کا ہو صرف اسی کا ہو۔ وہ شوہر کی محبت شیئر کرنے کی قائل نہیں تھی۔ اسے بٹا ہوا شوہر نہیں چاہئے تھا اسی لئے وہ وجاہت کو حوصلہ افزا جواب نہیں دیتی تھی۔

اس کی بات پر وجاہت بے مزا ہو گیا۔ وہ ایسی باتوں کا عادی کب تھا۔

"شہلا سلیم صاحبہ! میں عورت کی نیچر کو اچھی طرح جانتا ہوں مگر آپ کی اطلاع کے لئے زیب سے شادی میری خاندانی مجبوری تھی ورنہ اس سے مجھے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں۔ شہلا! آپ کو یقین تو آئے گا نہیں مگر میری تلاش میری خواہش آپ پر آ کر ختم ہوئی ہے مگر آپ ہیں کہ......"

وجاہت نے گہرے دکھ کا تاثر دیتے ہوئے گہرا سانس لے کر شہلا کو متاثر کرنا چاہا اور وہ قدرے ہوئی بھی مگر وہ کمزور لڑکی نہیں تھی کہ پھسل جاتی فوراً۔

"اچھا چھوڑیں ان باتوں کو۔ ابو کھانے پر آپ کا انتظار کریں گے۔" شہلا نے ٹالنے والے انداز میں کہا تو وہ چڑ سا گیا۔

"اور آپ......؟"

"اس میچور ایج میں اس قسم کی باتیں سوٹ نہیں کرتیں۔ خدا حافظ۔" شہلا نے قدرے سخت لہجے میں کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ مگر وجاہت کے اندر کا مخصوص وجاہت جوش میں آگیا تھا۔ وہ ریسیور کو گھورتا رہا۔

"میری پسند سے میری ضد نہ بنو شہلا سلیم...... خدا حافظ۔" وجاہت نے ریسیور پٹخ دیا اور ہاتھوں کا تکیہ بنا کر نیم دراز ہو کر آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ اپنی اس بے مثل کوٹھی میں شہلا سلیم کو چلتے پھرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ شہلا کو پا کر پیچھے والوں کو بالکل بھول گیا تھا۔



حویلی میں آج کل مکمل سکوت تھا۔ بلکہ اس واقعے کے بعد ماحول میں خاصا فرق آگیا تھا۔ زیب اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ نزہت جو کہ اس واقعے کے بعد خود میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کر رہی تھی اس میں اعتماد سا آگیا تھا۔ اب اسے لگ رہا تھا گویا اس کی بھی کوئی حیثیت ہے حویلی میں۔ گو کہ وہ اپنی اس حرکت پر نادم تھی اور زیب سے معافی بھی مانگنا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں ہو پاتی تھی۔ وہ اپنے لئے مخصوص کئے گئے پورشن میں بچیوں کو ساتھ لگائے سہمی بیٹھی رہتی۔ اپنی بڑھتی ہوئی بیماری اور بچیوں کے مستقبل سے وہ خوفزدہ رہتی۔ وجاہت کی محبتوں کا راز تو فاش ہو ہی چکا تھا۔ وہ صرف ہنستوں کا ساتھی تھا، روتوں کا نہیں۔ اس کو بچیوں کی قطعی پرواہ نہیں تھی نہ ان کی تعلیم و تربیت کا خیال تھا۔ وہ نماز میں بھی روتی رہتی...... "میرے پیدا کرنے والے اللہ لاشریک! میں کیا کروں...... مجھے بتا میں کہاں جاؤں...... میری

بچیوں کی نگہبان تیری ہی پاک ذات ہے میرے رب عظیم...... میری مدد فرما...... میری مدد فرما۔" وہ سجدے میں گری نجانے کب تک روتی رہتی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آؤ نوراں...... کیا بات ہے؟" اس نے سامنے نوراں کو دیکھ کر چہرہ صاف کیا۔

"وہ جی...... بڑی بی بی نے آپ کو بلایا ہے۔ جلدی آئیں جی۔"

نوراں زیب کا پیغام دے کر جلدی سے واپس پلٹ گئی تو وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی۔ اس گمبھیر خاموشی کے پیچھے جو طوفان تھا اس کو تو آنا ہی تھا۔ وہ لرزتے دل کے ساتھ اس طوفان کی منتظر بھی رہتی تھی۔

"خدایا خیر کرنا...... میں مجبور و بے کس تیری بندی تیری مدد کی طالب ہوں۔ میری مدد فرما۔" آنے والے وقت کے خوف سے اس نے خدا سے دعا کی، بچیوں کو دیکھا۔ تینوں سو رہی تھیں۔ اس نے چند ماہ کی ندا کو اٹھایا اور زیب کے کمرے کی طرف آ گئی۔ ٹانگوں سے گویا جان نکل رہی ہو۔ بے جان ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔ کمرے کا ماحول عجیب پراسرار سا ہو رہا تھا۔ زیب خود نجانے کہاں تھی۔ اس نے سارا کمرہ خوف زدہ نظروں سے دیکھا مگر کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ لیکن کمرے سے کسی کے تیز تیز سانس لینے کی آواز ضرور آ رہی تھی۔ وہ مزید خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس نے ندا کو زور سے چمٹایا۔ قریب تھا کہ وہ باہر نکل جاتی، کھڑکی کا ایک پٹ دھماکے سے یوں کھلا گویا تیز ہوا چل رہی ہو جبکہ ہوا بالکل بھی نہیں چل رہی تھی۔ ساتھ ہی گہرا دھواں بھی اندر آنے لگا۔

نزہت کا خوف کے مارے دم گھٹنے لگا۔ اس نے آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔ وہ خنکی کے باوجود پسینے میں نہا گئی۔ اس نے اندھا دھند بھاگ جانا چاہا۔ دروازہ کھولا مگر جیسے دروازہ لاک ہو۔ اس نے جیسے ہی زور لگایا تو دروازہ یوں کھلا گویا کسی نے دھکا دیا ہو۔ وہ منہ کے بل گر پڑی۔ سارا بوجھ بچی پر پڑا تو وہ بلبلا اٹھی۔ اس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی تو کسی نے زور سے دھکا دیا اور وہ گر پڑی۔ اب کی بار وہ

خود نیچے گری۔ بچی کو اس نے اوپر کر لیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اس نے دھندلی آنکھوں سے دیکھا، کوئی بندہ بشر نہیں تھا۔ پھر اسے کچھ ہوش نہیں رہا کہ وہ کمرے میں کیسے واپس آئی کیسے بچی کو بستر پر پھینکنے کے سے انداز میں ڈالا اور ساری کنڈیاں چڑھا کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مار کر بستر پر گر گئی۔ لمبے لمبے سانس بھی بمشکل آ رہے تھے۔ اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے آخری سانس ہوں...... بچیوں کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ تمام رات وہ جانے کہاں پڑی رہی۔

صبح جب ندا بری طرح رو رہی تھی، ساتھ زارا اور سارا بھی رو رہی تھیں تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر کے لئے اس کے حواس معطل رہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بچیوں کو روتا دیکھتی رہی۔

"امی...... امی جان......" زارا نے اس کا شانہ ہلایا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ "امی جان! آپ کو کیا ہو گیا ہے...... ندا کو بھوک لگی ہے۔" زارا نے ندا جو بری طرح رو رہی تھی اس کی گود میں دی تو وہ حواسوں میں آ گئی۔

"میں...... میں...... اُف میرے خدایا میں کس عذاب میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ یہاں آ جاؤ میری بچیو...... آؤ میرے قریب آ جاؤ۔" نزہت نے تینوں بچیوں کو ساتھ لگا لیا۔ پھر وہ کتنی ہی دیر رات کے واقعے کے خوف میں بچیوں کو چمٹائے بیٹھی رہی۔ وجاہت کی بے وفائی، غیر معمولی ماحول، اپنی بیماری اور بچیوں کی فکر نے اسے بری طرح ہراساں کر دیا تھا۔

کافی دیر بعد جب حواس بحال ہوئے تو اس نے وجاہت سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں اس بے یقینی کی زندگی کے بھنور میں نہیں پھنس سکتی۔ میری بچیاں ہیں، ان کا کیا ہو گا؟" وجاہت جو رات ہی شہلا کے گھر سے دعوت اڑا کر آیا تھا اور تمام رات اس نے خوابوں کی وادی میں شہلا کے ساتھ آئندہ زندگی کے خواب دیکھے تھے، ایسے میں نزہت کا فون کڑوے بادام سے زیادہ کڑوا اور تلخ محسوس ہوا۔ وہ چیخ پڑا

اس نزہت کی آواز پر جس کی آواز کبھی اسے کوئل کا گیت لگا کرتی تھی۔ آج اسے سن کر کوفت ہونے لگی۔

"اوہو...... کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری بچیوں کا کون دشمن ہے۔ آرام سے رہو ناشکری عورت! کیوں بن رہی ہو؟" وہ اسے برے انداز میں جھڑک رہا تھا۔

"وجاہت...... وجاہت...... آپ سب کچھ کھو دیں گے۔ میری بات غور سے سن لیجئے، ورنہ آپ پچھتائیں گے۔"

پھر نزہت نے وجاہت کی خفگی کے باوجود وہ واقعہ بتا دیا تو بجائے ہمدردی کے وہ اس پر غصہ ہونے لگا۔

"نجانے کیا خناس بھرا ہوا ہے۔ زیب اتنی اچھی عورت ہے۔ تم نے کبھی اس کے ساتھ بنا کر نہیں رکھی۔ ہمیشہ اس کو شک کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اس نے تم پر جادو کر دیا ہے؟" وجاہت اس کی کوئی بات بھی سننے، ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"یہ میں نے کب کہا ہے وجاہت! لیکن آپ بھی میری کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔ جو مجھ پر گزرتی ہے یا گزاری جاتی ہے آپ کو کیا خبر...... مجھے چھوڑیں میری تو قسمت ہی ایسی تھی مگر اپنی بچیوں کا تو خیال رکھیں۔"

"کیوں...... کیا ہو گیا ہے بچیوں کو؟ ایک ایشو بنا دیا ہے تم نے بچیوں کو۔ صرف زیب سے حسد کرتی ہو، اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں اور بہانے بنا کر وہاں سے جانا چاہتی ہو۔ مگر یاد رکھو تم وہیں رہو گی جہاں زیب رہے گی سمجھیں۔ اور بچیاں بھی ٹھیک ہیں۔ زیب جیسا چاہے گی ان کی تعلیم و تربیت کرے گی۔ تمہیں بولنے کا حق نہیں۔ اور آئندہ مجھے بے سکون کرنے کی ضرورت نہیں۔" پھر اس کی مزید کسی بات سے بچنے کے لئے اس نے خدا حافظ کہے بغیر ریسیور پٹخ دیا۔

نزہت اپنے نصیبوں کو روتی رہی۔ "میرے خدا میں کیا کروں...... میرے کس گناہ کی سزا ہے یہ زندگی...... لیکن وجاہت علی! تمہارے اس ہرجائی پن کا جواب

بس تمہیں اچھی طرح دوں گی۔ میں اپنی بچیوں کو برباد نہیں ہونے دوں گی۔ میں زیب کی غلام بن کر نہیں رہوں گی۔ دیکھ لوں گی وجاہت تمہیں بھی اور تمہاری زیب کو بھی۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم دونوں نے مجھے۔" ضبط جب برداشت کی سرحد پار کر جاتا ہے تو کچھ بھی کر گزرنے کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ نزہت کو محبت اور نفرت کا جو تلخ تجربہ ہوا تھا اس نے حلیم طبع نزہت کو جارحانہ انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور کچھ اس روز والے واقعے نے ہمت بڑھا دی تھی۔

"میرے خدائے پاک میری مدد فرما......" اس نے صدقِ دل سے دعا مانگی۔ وہ اب وجاہت اور زیب سے مقابلے کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی۔ اسے اپنی بچیوں کا مستقبل عزیز تھا۔

پھر کئی روز اسی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ اس روز کی طرح پھر نوراں آئی۔

"بڑی بی بی نے بلایا ہے؟"

وہ سر تا پا کانپ اٹھی۔ کچھ دیر کے لئے خوف کی جھرجھری آ گئی۔ نجانے یہ جادوگرنی کیا چاہتی ہے؟ وہ خوفزدہ سی کچھ دیر سوچتی رہی پھر خدا کا نام لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بچیاں سو رہی تھیں۔ اس نے ایک نظر ان کو دیکھا اور نوراں کے ساتھ آ گئی۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے اس نے پلٹ کر دیکھا، نوراں نظر بچا کر کھسک رہی تھی۔ نزہت کو یہ عورت زیب کی چال میں شریک محسوس ہوئی۔ اس نے جھٹ نوراں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو نوراں؟"

"آپ جائیں چھوٹی بی بی! بڑی بی بی نے کہا تھا آپ اکیلی اندر آئیں۔ ان کے حکم کی خلاف ورزی تو ہم نہیں کر سکتے ناں...... آپ اندر جاؤ جی۔"

اپنی جان کس کو پیاری نہیں ہوتی۔ نوراں اسے کمرے کی طرف دھکیل کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ خوفزدہ سی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی

تھی کہ دروازہ آپ ہی کھل گیا۔

"اندر آؤ......" اندر سے گویا شاہی حکم صادر ہوا۔ وہ لرزتے قدموں سے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر آ گئی تو دروازہ دھڑ سے آپ ہی بند ہو گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔



وجاہت علی دل پھینک لاپرواہ انسان تھا۔ وہ صرف اپنی خواہشات کا غلام تھا۔ اس سے وابستہ لوگ کس حال میں ہیں، اس کی اسے قطعی پرواہ نہیں تھی وہ سر سے پیر تک شہلا کے عشق میں ڈوب چکا تھا۔ اسے کسی بھی صورت حاصل کرنا چاہتا تھا مگر اس نے یہ بات بھی اچھی طرح جان لی تھی کہ شہلا بہت ذہین لڑکی ہے۔ اس کے دام میں آسانی سے نہیں آ سکتی۔ تاہم اس کی کوشش جاری تھی۔ وہ شہلا کے والد سلیم صاحب کی نظروں میں اپنا ایک مقام بنا چکا تھا۔ شہلا کی امی بھی وجاہت کو پسند کرنے لگی تھیں۔

"شہلا بیٹی! ناشکری نہیں کرتے۔ اتنا اچھا لڑکا ہے، وجیہہ ہے، دولت مند ہے۔ اور پھر اس قدر چاہتا ہے تمہیں۔ بس قدموں تلے ہاتھ رکھنے کی کسر رہ جاتی ہے۔" مسز تسلیم اسے سمجھاتیں تو وہ لاڈ سے ان کے گلے میں بازو ڈال کر مسکرا پڑتی۔

"ممی! یہی تو فرق ہے۔ آپ سادہ دل ہیں۔ لیکن ممی ہر چمکتی چیز سونا تو نہیں ہو سکتی ناں۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں یہ مرد جو عورت کے پیروں تلے ہاتھ رکھتے ہیں ناں ان کی محبت میں نہ پائیداری ہوتی ہے اور نہ ہی وفاداری۔ یہ محض دکھاوا ہوتے ہیں۔ عورتیں پسند آنے اور شادیاں کرنے کے شوقین یہ رئیس زادے اگر وفادار ہوتے ہیں تو صرف اپنی اس بیوی کے جو ان کے خاندان کی ہوتی ہے۔ دوسری کوئی عورت ان کے گھر میں جگہ نہیں بنا سکتی۔" شہلا وجاہت کو بہت اچھے طریقے سے سمجھ گئی تھی مگر مسز سلیم سادہ دل تھیں۔ وہ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ تو یہ دیکھ رہی تھیں کہ ایک جاگیردار جو کہ خوبرو اور اسمارٹ بھی ہے ان کی بیٹی کا

طلب گار ہو رہا ہے۔ لہٰذا اسے کھٹ سے ہاں کر دینی چاہئے جبکہ شہلا تامل سے کام لے رہی تھی۔

"شہلا بیٹی اتنی بھی بدگمانی درست نہیں ہوتی۔ زندگی میں کہیں نہ کہیں تو کسی پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر خاندان کی شادی ان لوگوں کی مجبوری ہوتی ہے ورنہ......"

"اماں جان! اعتماد کے لئے بڑی دنیا پڑی ہے۔ یہی رہ گیا ہے کیا۔ اینی وے چھوڑیں اس ذکر کو۔ یہ بتائیں کیا بنایا ہے آپ نے؟ شدید بھوک لگی ہے۔" شہلا نے دانستہ طور پر ماں کا دھیان دوسری طرف بٹا دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اب اس کی شادی کی شدت سے خواہاں ہیں اور اس مقصد کے لئے ان کو وجاہت پسند آ گیا ہے۔ جبکہ وہ کسی جذباتی فیصلے کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر اپنی زندگی عذاب نہیں بنانا چاہتی تھیں۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہتی تھیں۔ وہ کوئی خواب دیکھنے والی عام سی لڑکی نہیں تھی، اصول پرست اور ارادوں پر ڈٹی رہنے والی میچور لڑکی تھی۔ اس وقت بھی ماں کو ٹال کر وہ کتاب لے کر پڑھنے لگی۔

اسی وقت پتہ چلا کہ وجاہت آ گیا ہے۔ اس خنکی میں باہر نکلنے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا مجبوراً آنا پڑا۔ وہ سلیم صاحب سے کسی موضوع پر بات کر رہا تھا ڈارک براؤن شلوار سوٹ پر گرم شال شانوں پر ڈالے وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کی وجاہت کی تو وہ قائل تھی مگر وہ اپنی سوچ اور کردار سے اسے متاثر نہیں کر سکا تھا۔ جبکہ خود شہلا سر سے پیر تک اسے بھا گئی تھی۔ اس کا پُر وقار روپ اور اس کا حصول اس کی زندگی بن چکا تھا۔

"ہیلو وجاہت صاحب! کیسے ہیں آپ؟" شہلا ابو کے برابر جا بیٹھی تو وجاہت اسے دیکھ کر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس وقت سادگی میں بھی وہ کیا لگ رہی تھی۔ اس کے ابو کی وجہ سے وہ تعریف بھی نہ کر سکا۔

"الحمدللہ ٹھیک ہوں جی...... انکل سے کہہ رہا تھا کہ بک فیئر لگی ہیں چلئے دیکھتے ہیں مگر......"

"شکریہ وجاہت میاں! تم نے اتنا خیال کیا۔ مگر ٹھنڈ بہت ہے۔ یوں بھی کتابوں سے شہلا کو دلچسپی ہے۔ تم دونوں ہو آؤ۔" کمزور سے سلیم صاحب نے کمبل لپیٹ لیا۔

"ارے بک فیئر لگی ہے تو ضرور جاؤں گی...... آپ ذرا انتظار کریں میں ابھی آئی۔" شہلا اُٹھ کر چلی گئی۔ وجاہت خوش ہو گیا۔ وہ جو چاہتا تھا خود ہی ہو گیا۔ شہلا کو اپنی وہ لسٹ تلاش کرنے میں دیر لگ گئی جو اس نے بنا کر رکھی تھی۔ وہ باہر آئی تو وجاہت گاڑی سے ٹیک لگائے منتظر تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"معافی چاہتی ہوں وجاہت صاحب! آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی، وہ بھی اتنی ٹھنڈ میں۔" وہ واقعی شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ مگر کتابوں کی لسٹ ڈھونڈنے میں اسے کافی دیر لگ گئی تھی مگر وجاہت ابھی تازہ دم تھا۔ شاید ہر نیا عشق اسے نیا حوصلہ دے دیتا تھا یا نازنینوں کی کمزوریاں وہ جانتا تھا اس لئے ایک خاص ادا سے وہ مسکرا دیا۔

"عشق کے ماروں کو اتنی ٹھنڈ کیا کہتی ہے شہلا جی! میں تو برف کے پہاڑ پر تمام عمر آپ کا انتظار کر سکتا ہوں آپ انتظار کو کہیں تو۔" اور جس مقصد کے لئے وجاہت نے یہ لہجہ، یہ الفاظ ادا کئے تھے اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ شہلا واقعی متاثر ہو گئی تھی۔

"اچھا خیر یہ بتائیں آج آپ کا خاص ڈرائیور کہاں ہے...... خود ہی گاڑی ڈرائیو کر رہے ہیں؟" وہ اپنے لئے کھولے گئے فرنٹ ڈور کو پکڑ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

"کباب میں ہڈی مجھے قطعی پسند نہیں شہلا سلیم۔" وجاہت نے بڑے دلبرانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سامنے دیکھنے لگی۔ اسے اس کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

پھر دونوں نے بک فیئر دیکھی۔ حیرت ناک بات تھی کہ شہلا کی وہ مطلوبہ کتابیں جن کی اسے تلاش تھی وہ تمام یہاں سے مل گئی تھیں اور اس کے لئے وہ وجاہت کی ممنون بھی تھی

"وجاہت صاحب! میں آپ کی بہت ممنون ہوں کہ آپ کے تعاون سے مجھے میری مطلوبہ کتابیں اک عرصے کے بعد مل گئیں۔ شکر ہے خدا کا۔" وہ واقعی بڑی خوش تھی۔ وجاہت نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی، پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے آپ میری مقروض ہو گئی ہیں۔" وہ شوخی سے مسکرایا مگر وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں پائی۔

"یہ بات تو ہے...... مگر میں زیادہ دیر مقروض رہنا پسند نہیں کرتی۔ جلد ہی آپ کا قرض چکانے کی کوشش کروں گی۔" اس نے یوں ہی سادہ سی بات کہہ دی مگر وجاہت سنجیدہ تھا۔

"اچھا تو پھر چکایئے قرض...... لایئے اپنا ہاتھ۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" شہلا نے ناگواری سے اس کے پھیلے ہاتھ کو دیکھا۔

"شہلا کیا ابھی بھی مجھے اپنا مطلب سمجھانا پڑے گا؟ شہلا! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، تم میری تلاش کا اختتام ہو۔ میری محبت، میری منزل ہو۔ میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا یا جان دے دوں گا۔ اگر تم زیب کی وجہ سے گریزپا ہو تو...... تو میں اسے بھی چھوڑ دینے کو تیار ہوں۔ تم کچھ کہو تو سہی...... کوئی مطالبہ تو کرو۔" وجاہت خاصا سنجیدہ اور جذباتی ہو گیا تھا۔ زیب کے بارے میں اس کا ارادہ شہلا کو اچھا نہیں لگا۔

"وجاہت صاحب! آپ آئندہ اپنی بیوی زیب کے لئے ایسا کوئی جملہ نہیں کہیں گے۔ اس بیچاری کا کیا قصور ہے کہ اسے اتنی بڑی سزا دی جائے۔"

"ہاں...... قصوروار تو میں ہوں جس کو اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا کے طور پر خاندان کی عزت اور بزرگوں کی ناک کی خاطر زیب جیسی اجڈ لڑکی سے شادی کرنا پڑی۔ اگر اولاد ہوتی تو شاید میں سب کچھ بھول جاتا۔ مگر ہر طرف سے محرومی۔ میں نے اپنی پسند کی ساتھی کا خواب آئیڈیل بنایا تھا بدنصیبی سے اس پر آپ پوری اتری ہیں تو...... تو میرا اتنا حق بھی نہیں کہ آپ کو چاہ سکوں۔ اپنانے کا خواب دیکھ سکوں۔ الحمدللہ، اللہ کا فضل ہے مجھ پر...... اللہ نے جاگیر، دولت سب کچھ عطا کر رکھا ہے۔

مجھ جیسے ایک تو کیا کئی شادیاں کرتے ہیں اور...... لیکن میری تو قسمت ہی بری ہے۔"

وجاہت کو بڑے گُر آتے تھے عورت کو متاثر کرنے کے۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ شہلا متاثر نظر آ رہی تھی اور واقعی شہلا سوچ رہی تھی کہ اس جیسے جاگیرداروں کے ساتھ بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ خواہ کوئی بھی پسند ہو، کوئی بھی آئیڈیل ہو شادی ان کو خاندان ہی میں کرنا پڑتی ہے۔

کچھ دیر کے لئے ہمدردی ہوئی اس کے دل میں۔ اس نے مڑ کر وجاہت کو دیکھا، گہرے دکھ کے تاثرات طاری کئے، سنجیدگی سے گاڑی ڈرائیو کرتا وجاہت آج پہلی بار اسے اچھا لگا۔

"اچھا اب ایسا بھی کیا کہ کچھ کھلائیں پلائیں گے بھی نہیں...... مجھے تو سخت بھوک لگی ہے۔" پہلی بار شہلا نے بڑی اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو وجاہت نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر بڑی ملائم سی مسکراہٹ تھی۔ لوہے پر اپنی چوٹوں کا اثر دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔

"او شہلا تھینکس۔" وجاہت نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے روک دی۔

ہال کے قدرے تاریک گوشے میں وہ سامنے بیٹھی شہلا کو دیکھے جا رہا تھا جس کے چہرے کی تحریر میں اب اسے اپنا نام واضح نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شہلا کے وقار نے ہمیشہ کی طرح جذبات کے اظہار پر پابندی لگا رکھی تھی۔ فی الحال وہ اسی بات کو کافی سمجھ رہا تھا۔ شہلا کی کسی بات کا جواب دیتے دیتے وجاہت کی نگاہیں گیٹ پر ٹھہر گئیں۔

"اوہ نو......!"

◆......◆

شہر میں وجاہت علی اپنی زندگی، اپنے جذبات کی نئی کہانی رقم کر رہا تھا مگر گاؤں میں اس کی حویلی میں اس کے نام سے وابستہ دو عورتیں متضاد رویوں کا شکار برسر پیکار تھیں۔ زیب چوٹ کھائی ناگن کا روپ دھار چکی تھی۔ اس وقت بھی اگر نزہت بروقت پیچھے مڑ کر نہ دیکھ لیتی تو ڈنڈا اس کا کام کر چکا ہوتا۔ وہ وحشی ہرنی کی طرح پھولے سانسوں اور پھٹی آنکھوں سے اپنی شکاری زیب کو دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس وقت وہ کوئی خوبصورت جادوگرنی یا چڑیل لگ رہی تھی جو نزہت کو سالم نگل لینا چاہتی تھی۔ مارے خوف اور گھبراہٹ کے نزہت کی جان نکل رہی تھی۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"آ...... آ...... آپا...... یہ...... یہ سب کیا ہے......؟" وہ خوف سے بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ اس کی بات کے جواب میں زیب کا جناتی قسم کا خوفناک قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج کر فضا کو مزید خوفناک اور پراسرار بنا گیا۔ زیب آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی اور سفاکی سے اس کا چہرہ اوپر کیا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

"بہت خوب...... بہت بھولی ہو، معصوم ہو...... شہر کی پڑھی لکھی ہو جو مردوں کو اپنی اداؤں کے جال میں پھانس لینے کا ہنر تو جانتی ہو مگر یہ سب کیا ہے، یہ نہیں جانتیں۔ ہاں اس کو نہیں پہچانتیں۔ یہ کیا ہے...... یہ دیکھو...... اس کو پہچانو یہ کیا ہے...... یہ وہی ڈنڈا ہے جس سے تُو نے مجھے مارا تھا۔ مجھے یعنی کہ گاؤں کی چوہدرانی کو، حویلی کی مالکن کو...... وجاہت کی پہلی محبت کو...... اسی سے اس کا نایاب خون بہایا تھا

ناں...... ہوں بولو اسی سے مارا تھا ناں...... بولتی کیوں نہیں ہو؟" خونخوار انداز میں بولتی زیب کے ہاتھوں کی گرفت اس کی گردن پر بڑھ گئی تو نزہت کو اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

"میں...... میں نادم ہوں...... شرمندہ ہوں زیب آپا! مجھے معاف کر دیں...... میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں، معاف کر دیں۔" وہ باقاعدہ اس کے قدموں پر جھک گئی مگر اس نے زور سے اسے ٹھوکر ماری۔

"معاف کر دینا میری فطرت میں شامل نہیں۔ میں نے آج تک اپنے کسی دشمن کو معاف نہیں کیا تو تم تو میری رقیبہ ہو...... میری دشمن ہو...... میرے شوہر کی محبت کی حصے دار...... تم کو میں کیسے معاف کر دوں؟ تم نے میرے وجاہت کو مجھ سے چھین لیا۔ میرے اوپر ہاتھ اٹھایا۔ اب کہتی ہو معاف کر دوں؟ اور سن نادان عورت! یہ جو تجھے گھمنڈ ہے ناں کہ تُو صاحب اولاد ہے، اولاد ماں کا ہتھیار ہوتی ہے تو بے وقوف! ماں کے ہتھیار بیٹے ہوتے ہیں جو وقت پڑنے پر ماں کے سامنے ڈھال بن جایا کرتے ہیں۔ بیٹیاں تو بیڑیاں ہوتی ہیں ماں کے پاؤں کی۔" زیب بڑے پُراسرار انداز میں بول رہی تھی۔ خوف کے مارے نزہت کی جان نکل رہی تھی۔

"زیب آپا! اولاد بیٹی ہو یا بیٹا خدا کی رحمت ہے۔ پلیز آپا! میری انہی معصوم بچیوں کے صدقے میں مجھے معاف کر دیں۔ میں آئندہ آپ کا ہر حکم بجا لاؤں گی۔" نزہت نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تو وہ سفاکانہ انداز میں ہنس پڑی۔

"میں نے کہا ناں میری مجبوری ہے میں معاف نہیں کر سکتی۔ معاف تو میں نے اپنی نانی ماں کو بھی نہیں کیا تھا جس نے میری ماں کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ تم تو میری سوکن ہو، تمہیں کیسے معاف کر سکتی ہوں؟" زیب عجیب پاگل عورت کا روپ دھارے اس کے خون کے درپے تھی۔

"کیا کرنا چاہتی ہیں آپ آپا...... کیا چاہتی ہیں آپ؟" نزہت نے بے بسی سے اسے دیکھا تو کچھ دیر کے لئے زیب خاموش ہو گئی۔ وہ چپ چاپ کتنی ہی دیر اسے

دیکھتی رہی۔ اس کا یہ رویہ جان لینے سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ پھر یک دم زیب کی آنکھوں میں بجلی کوندی۔ وہ نزہت پر جھپٹی۔

"میں کیا چاہتی ہوں نزہت رانی...... تم سے انتقام لینا چاہتی ہو۔ ایک بار ڈنڈا تمہارے سر پر ایسے ہی ماروں گی جیسے تم نے میرے سر پر مارا تھا۔ بچ گئیں تو تمہاری بچیوں کی قسمت، مر گئیں تب بھی ان کی قسمت۔" زیب کسی جلاد کی طرح موٹا سا ڈنڈا اس کے سامنے لہرا رہی تھی۔ نزہت نے بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ موت بن کر سامنے کھڑی تھی۔ فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اس نے بے بس ہو کر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ جب ڈوبنا ہی مقدر ٹھہرا تو ہاتھ پاؤں مارنے سے کیا حاصل۔

"ٹھیک ہے آپا...... آپ اپنا انتقام پورا کریں...... میری بچیاں اللہ کی حفاظت میں ہے۔ میرا خدا جو ان کا پیدا کرنے والا ہے وہی ان کا پالنے والا اور پرورش کرنے والا ہے۔ میرے ربِ عظیم! تُو دیکھ رہا ہے میری بچیاں تیرے سپرد میرے خدا۔ آپا! اپنے انتقام کی آگ بجھا لو۔" نزہت نے ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کی اور پھر آنکھیں موند کر موت کے لئے تیار ہو گئی۔ وقت کی نبضیں ٹھہر گئیں۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ ظالم اور مظلوم آمنے سامنے کھڑے تھے۔ دھڑکتے دل کے ساتھ نزہت کسی وقت بھی چوٹ کا انتظار کر رہی تھی جبکہ زیب آنکھوں میں انتقام کی آگ لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے۔ پھر اس کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا جب نزہت نے اسے مارا تھا۔ وہ پاگل سی ہو گئی۔ پوری قوت سے ڈنڈا اٹھایا۔ قریب تھا کہ قوت سے اٹھا ہوا ڈنڈا نزہت کو ختم کر ڈالتا اندر آنے والے نے اتنی ہی قوت سے ڈنڈا روک لیا اپنے بازو پر۔

"حیدر تم......" اپنا وار خالی جانے پر زیب نے شعلے اگلتی نظروں سے حیدر کو دیکھا۔ اسی وقت نزہت نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ سامنے حیدر کھڑا تھا۔ حویلی کے ملازم رشید کا لڑکا۔ خوبرو، گبھرو جوان۔ نزہت پڑھنے لکھنے میں اس کی مدد کر دیتی تھی۔ وہ اس کی بہنوں کی طرح عزت کرتا تھا اور وہ بھی اس کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ اس

نے اسے اپنا چھوٹا بھائی بنایا ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ زیب کو یہ لڑکا پسند نہیں تھا۔ مگر جو حرکت آج اس نے کی تھی وہ نا قابل معافی تھی۔

"میں پوچھتی ہوں تم کو جرأت کیسے ہوئی میرے کمرے میں بغیر اجازت کے آنے کی؟" اب زیب کی توپوں کا رخ حیدر کی طرف تھا۔ اس کا بازو بری طرح زخمی ہو گیا تھا مگر اس کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے معذرتی انداز میں سر جھکا لیا۔

"میں خود نہیں جانتا بڑی بی بی یہ سب کیسے ہوا...... مجھ میں کہاں سے اتنی ہمت، اتنی جرأت آ گئی کہ میں آپ کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا...... میں اپنی اسی جرأت پر آپ حیران ہوں۔ مگر بی بی! نہیں جانتا کہ یہ سب ہوا کیسے۔" حیدر واقعی اپنی جرأت پر حیران تھا۔ آج تک حویلی کے گیٹ تک محدود رہنے والا حیدر زیب کے کمرے میں کیسے پہنچ گیا۔ یقیناً خدا کو نزہت پر رحم آ گیا تھا۔ اس کی ذات نے نزہت کو بچانا تھا تب ہی ایسا ہوا مگر منفی سوچ کی مالک زیب سوچ کی ان بلندیوں سے نا آشنا تھی۔ خناس بھرے ذہن میں شیطانی خیال ہی کودا۔

"تم نہیں جانتے ناں کہ تم نے یہ کیا، کیا۔ لیکن میں جانتی ہوں...... میں جانتی ہوں یہ سب کچھ جو اس حویلی میں ہو رہا ہے اور تم نے یہ سب کیوں کیا ہے۔" زیب نے بڑی مشکوک نظروں سے پہلے نزہت کو دیکھا پھر حیدر کو۔ اس کی نگاہوں کی تحریر اتنی صاف اور واضح تھی کہ نزہت پڑھ کر تڑپ اٹھی۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی مگر کردار پر کوئی بات نہیں برداشت کر سکتی تھی۔

"آپا پلیز...... خدا کے لئے اب کوئی ایسی بات نہ کر دینا کہ میں اپنی نظروں میں گر جاؤں۔"

"تم دونوں ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے نکل جاؤ۔" زیب نے اتنے حتمی انداز میں کہا کہ دونوں چپ چاپ باہر نکل آئے۔

"ہوں...... تو یہ سلسلہ ہے۔ سارا پول کھول کر رکھ دوں گی تیری پارسائی کا شوہر

کے سامنے۔" زیب کو نزہت سے انتقام کی نئی راہ زیادہ پسند آئی تھی۔ ان کی نقل و حرکت پر ہر وقت زیب اور نوراں کی نظریں تھیں مگر وہ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتی تھی۔ وہ دونوں معصوم اس ڈرامہ بازی سے قطعی لاعلم تھے۔ نزہت کو شبہ تو تھا کہ زیب اسے غلط سمجھتی ہے مگر وہ آخری حد تک بھی جا سکتی ہے یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

انہی دنوں حیدر نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تو وہ بے حد خوش ہوا اور چونکہ نزہت نے اسے خوب محنت کروائی تھی اس لئے وہ مٹھائی اور اپنی حیثیت کے مطابق اس کے لئے ایک جوڑا لے کر آ گیا۔ پہلا ٹکراؤ اس کا زیب ہی سے ہوا۔

"یہ کیا ہے اور کہاں لے جا رہے ہو؟"

زیب کو دیکھ کر چیزیں بے ساختہ حیدر نے پیچھے چھپا لیں۔

"وہ...... کچھ نہیں ہے جی...... بس ذرا مٹھائی ہے بچوں کے لئے۔" اس نے پریشان کن نظروں سے نزہت کے بند دروازے کو دیکھا۔ زیب کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔

"بچوں کے لئے مٹھائی لائے ہو تو بچوں کی ماں کے لئے بھی کچھ لے آتے۔ اتنا تو چاہتی ہے وہ تمہیں۔ کتنا دل خراب ہو گا جب اسے پتہ چلے گا کہ تم اس کے لئے کچھ بھی نہیں لائے۔" اس کا لہجہ بڑا چبھتا ہوا تھا۔ حیدر بھی سمجھ رہا تھا مگر اب وہ کیا کر سکتا تھا۔

"نہیں جی باجی نزہت......"

زیب کی معنی خیز سی ہنسی حیدر کو شرمندہ کر گئی۔ اسے اس خیال سے جھرجھری آ گئی کہ نجانے اب نزہت کا کیا حشر ہو گا۔

"اچھا جاؤ اپنی بھانجیوں کو مٹھائی کھلاؤ جا کر۔ اور دیکھو اطمینان سے بیٹھ کر مٹھائی کھلانا۔ آخر کو ماموں جو ہو بچوں کے۔ ہے ناں۔" زیب نے عجیب سے انداز میں نوراں کو دیکھا۔ وہ بھی معنی خیز انداز میں مسکراتی ہوئی زیب کے ساتھ

آگے بڑھ گئی۔ حیدر شش و پنج میں پڑ گیا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے نزہت کی پارسائی پر الزام آئے۔ وہ واپس پلٹ رہا تھا کہ نزہت باہر آ گئی۔

"ارے حیدر! تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ اور یہ بتاؤ آج تو تمہارا رزلٹ آنا تھا۔ کیا بنا؟"

"اللہ پاک کا احسان ہے باجی...... اور اللہ کی مہربانی کے بعد آپ کی محنت۔ میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گیا ہوں...... یہ...... یہ میں بچوں کے لئے لایا تھا۔ بچوں کے لئے اور یہ آپ کے لئے۔"

حیدر نے جھجکتے ہوئے مٹھائی اور کپڑے اس کی طرف بڑھائے تو نزہت نے گھبرا کر چاروں جانب دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔

"ارے میرے بھائی مبارک ہو...... خدا کرے تم زندگی کا ہر امتحان ایسے ہی پاس کرتے چلے جاؤ۔ یہاں کیوں کھڑے ہو...... اندر آ جاؤ ناں۔" نزہت نے شفقت سے اس کے جھکے شانے پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے لے کر اندر آ گئی۔ اور یہ منظر مہندی کی باڑ میں چھپی نوراں بھی دیکھ رہی تھی۔ نوراں اور زیب کی نظروں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

"تم نے ناحق تکلیف کی حیدر...... بھلا کیا ضرورت تھی اتنے پیسے برباد کرنے کی۔ مٹھائی ہی کافی تھی۔" نزہت جانتی تھی کہ حیدر بہت غریب ہے۔ محنت سے اپنا پیٹ اور پڑھائی کا خرچ کر رہا تھا۔

"چھوڑیں جی یہ باتیں...... یہ بتائیں آپ کو پسند تو آیا ہے؟ باجی! یہ دوپٹہ تو میں نے خاص کر اپنی بہن سے آپ کے لئے بنوایا ہے...... دیکھیں تو آپ پر بہت اچھا لگے گا۔"

پھر حیدر نے خود ہی چھوٹا بھائی بن کر دوپٹہ اس پر پھیلا دیا تو اسی وقت دروازہ کھلا۔ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔



اپنے گھر اور اپنی ذات سے وابستہ لوگوں کے حالات سے بے نیاز وجاہت ایک نئی داستان تیار کرنے میں مگن تھا۔ جس شخص کو دیکھ کر وجاہت ٹھٹھک گیا وہ انور تھا...... اور انور کی نگاہیں بھی براہ راست شہلا سے ہو کر وجاہت پر ٹھہر گئیں۔

"وجاہت میاں! نیا شکار کر رہے ہو...... نزہت کے بعد شہلا، پروفیسر سلیم کی اکلوتی بیٹی۔ یار کیا قسمت پائی ہے تم نے۔ خدا نے سب کچھ چھپر پھاڑ کر دیا ہے۔ نزہت پر میری نظر تھی، تم نے اسے چھین لیا۔ میری بہن کو اگنور کر کے اب شہلا پر مہربان ہو۔ خیر، دیکھ لوں گا۔" انور خود سے ہم کلام ہوتا ہوا دوسری جانب جانے کی بجائے سیدھا انہی کی طرف آ گیا۔ یہ الگ بات کہ وہ وجاہت کے چہرے پر اپنی آمد پر ناگوار تاثرات دیکھ چکا تھا۔

"ہیلو یار وجاہت! تم کہاں ہو بھئی؟" انور بڑی گرم جوشی سے وجاہت کی طرف بڑھا۔ وجاہت بھی کھڑا ہو چکا تھا۔ دونوں بغل گیر ہو گئے۔

شہلا حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

"آپ سر سلیم صاحب کی صاحب زادی ہیں ناں؟" اب انور شہلا کی جانب مڑا کچھ جانچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جی ہاں...... مگر میں آپ کو پہچانی نہیں۔" شہلا کو حیرت ہونے لگی کہ یہ اجنبی سا بندہ اسے کیسے جانتا ہے۔

"اصل میں، میں پروفیسر سلیم کا اسٹوڈنٹ رہا ہوں۔ ایک بار آپ کو دیکھا تھا ان کے ساتھ تو آج یہاں دیکھ کر فوراً پہچان لیا۔ اور آپ کیسی ہیں؟" انور شہلا کے ساتھ فری ہونے لگا تو وجاہت کو غصہ آ رہا تھا۔ وہ بیٹھنے لگا تو ایک دم دھماکہ ہوا۔

دھماکے کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی...... وجاہت شہلا کے ساتھ جلدی سے باہر آ گیا۔ انور نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ وجاہت کے لئے یہ بہتر ہوا تھا۔ کیونکہ عین وقت پر اس کا شہلا کے سامنے آ جانا اور اس کے والد کا طالب علم ہونا وجاہت کے

لئے اچھا نہیں تھا کیونکہ انور اس کو بھی جانتا تھا۔ کیا خبر کہ اس کا کوئی پول کھول دیتا اور شہلا بد دل ہو جاتی۔ مگر وجاہت کا یہ اطمینان وقتی ثابت ہوا۔ کیونکہ انور بھی بہت کائیاں تھا۔ شہلا کو وجاہت کے ساتھ دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ وجاہت گاڑی اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ انور آ گیا۔

"یار وجاہت! ہے تو یہ زحمت۔ مگر اس وقت حالات درست نہیں۔ ذرا گھر تک چھوڑ دو۔ میں اصل میں ایک دوست کے ساتھ آیا تھا مگر وہ اس بھگدڑ میں جانے کہاں چلا گیا ہے؟" پھر انور اجازت ملنے سے پہلے ہی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ وجاہت اسے غصے سے دیکھتا رہ گیا مگر وہ شہلا کے سامنے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

"انور صاحب! پتہ چلا کہ یہ دھماکہ کیسا تھا؟" شہلا ابھی تک دھماکے کے خوف سے سہمی ہوئی تھی۔

"جی کوئی خاص خبر تو نہیں ملی۔ البتہ ایک شخص بتا رہا تھا کہ کچھ دیر قبل ایک نوجوان اپنی بائیک کھڑی کر کے فوراً چلا گیا اور اس کے جاتے ہی دھماکہ ہوا اور بائیک اُڑ گئی۔ خدا کا شکر ہے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مجرم اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہوا۔"

انور کو جو تھوڑی بہت تفصیل ملی تھی، بڑی لگاوٹ سے شہلا کو بتا رہا تھا۔

"نجانے کیوں لوگ ایسا کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کو اتنا ارزاں کیوں سمجھتے ہیں۔ صرف اپنے مفاد کے لئے۔ خدا کا شکر ہے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔"

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ابھی تو یہ معمولی واقعہ تھا اور ایسی بھگدڑ مچ گئی۔ جب کوئی بڑا دھماکہ ہوتا ہو گا تو کیا قیامت خیز منظر ہوتا ہو گا۔ بس اللہ تعالیٰ بچائے ہمارے ملک کو ایسی آفتوں سے۔" کافی دیر بعد وجاہت نے بھی لب کشائی کی۔ شیشے سے انور کو دیکھا جو بڑے مزے سے سیٹ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اسے اچھا نہیں لگا تو پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے انور تم یہاں سے کوئی ٹیکسی لے لو۔ کیونکہ ہمیں کافی دیر ہو گئی ہے اور سلیم صاحب فکر مند ہو رہے ہوں گے۔ ورنہ ہم تمہیں ضرور چھوڑ دیتے۔"

انور نے اس کی بات پر بڑی معنی خیز سی نگاہ اس پر ڈالی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

شہلا کو یہ بات کچھ غیر اخلاقی سی لگی کہ ایک معزز بندہ خود لفٹ مانگ کر بیٹھا ہو تو اسے یوں راستے میں اتار دیا جائے۔

"میرا خیال ہے وجاہت! انور صاحب کو گھر تک ڈراپ کر دیں۔ کیونکہ کافی رات ہو گئی ہے۔ میں ابو کو بتا دوں گی۔"

وجاہت ہر قسم کی محبت کو بلا شرکت غیرے اپنانے کا قائل تھا۔ انور کی حمایت شہلا کے منہ سے اسے اچھی نہیں لگی۔ مگر وقت کا تقاضا تھا، کڑوی گولی نگل گیا۔

"اوکے..... جیسا تم چاہو۔" وجاہت نے آہستگی سے کہا اور پھر گاڑی تیز کر دی۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد انور کا گھر آ گیا۔

"مس شہلا آئیے ناں..... میری مسز اور گھر والوں سے ملئے۔ چائے کافی ہو جائے۔ اب اتفاق سے میرے گھر آ گئی ہیں تو میرے لئے عزت کا مقام ہے پلیز۔" انور حسب عادت بچھا جا رہا تھا۔ وجاہت کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی اس لئے اس نے شہلا کے جواب سے پہلے ہی جواب دے دیا۔

"نہیں انور! پھر کبھی سہی۔ ابھی تو جلدی ہے۔"

انور کو بھی وجاہت کی بات بری لگی۔

"بھئی یہ درخواست مس شہلا سے کی ہے جو خاموش ہیں اور خاموشی نیم رضا مندی ہوتی ہے۔" انور بھی چالاک اور شاطر تھا۔ خود پر کئے گئے وار کا اس انداز سے جواب دیتا کہ اگلا بس دیکھتا رہ جاتا۔ وجاہت گہرا سانس لے کر شہلا کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی اس کی خاموش نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"ارے نہیں انور صاحب! وجاہت صاحب درست کہہ رہے ہیں۔ پھر کبھی سہی۔ اچھا خدا حافظ۔ چلئے وجاہت!" شہلا انور کو جواب دے کر وجاہت کی

طرف پلٹا تو وجاہت خوش ہو گیا۔ جھٹ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا مگر اسی وقت انور نے روکا۔

''ارے ہاں یار میں نے تم سے بھابھی کا حال تو پوچھا ہی نہیں۔ اور وہ......''
انور نے دانستہ طور پر ذکر چھیڑا تا کہ شہلا کو اس کی اصلیت معلوم ہو جائے۔ مگر وہ وجاہت کی چالاکی سے خود بھی بے خبر تھا۔ وجاہت اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ بڑے سکون اور مطمئن نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے...... سب ٹھیک ہیں۔ اوکے پھر، بھابھی کو سلام کہنا۔ آئیں گے میں اور شہلا کسی روز تمہاری طرف۔'' وجاہت نے مسکرا کر شہلا کی طرف دیکھا۔ انور کو الوداعی ہاتھ ہلایا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

''وجاہت علی! میں سب جانتا ہوں تم کن چکروں میں ہو...... نزہت کے بعد اب شہلا تمہارا شکار ہے۔ وہاں وہ بے خبر اور یہاں شہلا بے خبر۔ دیکھ لوں گا وجاہت علی...... ہونہہ...... شہلا اور میں چکر لگائیں گے...... چکر تو میں تمہیں لگاؤں گا وجاہت علی۔'' اپنے گیٹ پر کھڑے ہو کر انور کتنی ہی دیر تک وجاہت اور شہلا کے بارے میں سوچتا رہا۔

وجاہت جس پر اس کی نظر اس لئے تھی کہ اپنی بہن کی شادی اس سے کر کے جائیداد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف نزہت جو کہ اس کی ماتحت تھی۔ وہ اسے پسند کرتا تھا، اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر وجاہت کی محبت کا جادو اس پر چل گیا اور وہ اس کی ہو گئی۔ انور یہ سب کچھ کس طرح بھول سکتا تھا۔ اب تو اسے موقع ملا تھا وجاہت سے معرکہ آرائی کا۔



''آؤ بشیر! کیا بات ہے؟'' وجاہت گھر آ کر اپنے کمرے میں آیا ہی تھا کہ بشیر بھی ساتھ ہی آ گیا۔

''وہ گاؤں سے کئی بار فون آ چکا ہے جی۔ خبر نہیں کچھ معاملہ ہے۔''

گاؤں کے ذکر پر وجاہت بے مزا سا ہو گیا کیونکہ وہ شہلا کی سنگت میں بڑے پُر کیف لمحات گزار کر آیا تھا۔

''کس کا فون تھا...... بڑی بی بی یا چھوٹی کا؟'' اس نے بے دلی سے پوچھا۔

''بڑی بی بی کا تھا جی...... کہہ رہی تھیں جیسے ہی آپ آئیں تو حویلی فون کر لیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے...... تم جاؤ۔ میں فون کر لوں گا۔'' وجاہت اس اطلاع کے باوجود سکون سے لیٹ گیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ حویلی سے سوائے کوفت کی خبروں کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس لئے اس نے فون سے گریز کیا۔ مگر اس کا گریز زیادہ دیر نہیں رہا۔ اسی وقت فون کی بیل ہوئی...... وہ سمجھ گیا زیب کا ہو گا۔

''ہاں...... ہیلو......'' آواز میں حد درجہ بیزاری تھی۔

''ارے آپ تو کچھ غصے میں معلوم ہوتے ہیں...... خیریت تو ہے ناں......؟'' دوسری طرف شہلا تھی۔ وجاہت فوراً خوش ہو کر بیٹھ گیا۔

''ارے زہے نصیب...... آپ نے اور ہمیں فون کیا...... کیا واقعی اعتبار کر لوں یا سمجھوں کہ خواب دیکھ رہا ہوں؟'' وجاہت بہت زیادہ خوش ہو رہا تھا۔ اس عرصے میں شہلا کی طرف سے آنے والا یہ پہلا فون تھا اور کچھ اسے متاثر کرنے کے لئے بھی وہ ڈائیلاگ بازی کر رہا تھا۔

''ارے وجاہت صاحب! یہ میں ہوں...... معذرت چاہتی ہوں اتنی رات کو ڈسٹرب کیا۔''

''آپ اسے ڈسٹربنس کہتی ہیں اور میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔'' آواز کو مزید خوبصورت بناتے ہوئے وجاہت نے پھر کہا تو شہلا ہنس پڑی۔ نجانے کیوں اسے وجاہت کی باتوں پر یقین نہیں آتا تھا۔

''چلئے جو آپ کا جی چاہے سمجھئے۔ مگر میں نے اس لئے فون کیا ہے کہ میری کتابیں آپ کی گاڑی میں رہ گئی ہیں۔ میں صبح ملازم کو بھیج کر منگوا لوں گی۔ اس وقت تو یاد ہی نہیں رہا۔'' شہلا اپنے فون کی وضاحت کر رہی تھی۔ حالانکہ گاڑی سے

جب شہلا اتر رہی تھی تو وجاہت کو یاد تھا کہ کتابیں دینی ہیں مگر اس نے دانستہ طور پر نہیں دیں کہ اسی بہانے مزید ملاقات ہو جائے گی۔ شہلا جیسی نفیس، پُر وقار لڑکی اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی جس کو وہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''ارے شہلا کیوں ملاقات کا چانس گنواتی ہیں ملازم کو بھیج کر۔ میں کتابیں لے کر خود حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ حکم کریں کب آؤں......؟'' وجاہت بڑے چونچالی موڈ میں بول رہا تھا۔

''مجھے تو جلدی ہی چاہئے تھیں مگر......''

''ابھی لے آؤں؟'' وجاہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا مگر شہلا کو اچھا نہیں لگا۔

''ارے نہیں...... اب ایسی بھی جان پر نہیں بنی آپ کو تکلیف دوں۔ بہر حال کل کسی وقت آپ کو فرصت ہو تو زحمت کر لیجئے گا۔'' شہلا بڑے نپے تلے انداز میں یہ بات کر رہی تھی۔

''ایک تو بہت زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ معمولی سی بات کو بڑے بڑے دلائل اور لفظوں کی چادریں پہنا دیتے ہیں۔ بھلا زحمت کیسی...... یہ تو میرے لئے اللہ کی رحمت ہے۔'' وجاہت کے شرارتی انداز سے شہلا کو چڑ تھی مگر جانتی تھی کہ کسی کی عادتوں کو بدلنا مشکل ہے اسی لئے خاموش رہتی۔

''اچھا چلئے تو کل شام کی چائے آپ ہمارے ساتھ پئیں...... خدا حافظ!'' اس کی مزید باتوں سے بچنے کے لئے اس نے جھٹ خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا جبکہ وجاہت کتنی ہی دیر ریسیور کو دیکھتا رہا جس سے ابھی کچھ دیر قبل شہلا کی میٹھی آواز آ رہی تھی۔



وجاہت سر شام ہی شہلا کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔ گلابی رنگ کے لباس میں وہ اپنے خوابیدہ حُسن کے ساتھ وجاہت کے دل میں اتر گئی۔ اسے دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

''لیجئے جناب آپ کی امانت......'' وجاہت نے سلیم صاحب کی موجودگی کا خیال رکھتے ہوئے محتاط انداز میں کہا اور کتابوں کا بنڈل شہلا کی طرف بڑھایا۔

''شکریہ وجاہت صاحب......'' شہلا نے بنڈل ایک طرف رکھا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئی۔ والد کی موجودگی میں وجاہت اس سے کوئی بھی غیر ضروری بات نہیں کر سکتا تھا اور کچھ شہلا بھی اکتائی سی لگ رہی تھی اس لئے وہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔'' وجاہت نے خاص کر شہلا کو سنایا مگر وہ کسی کتاب کی ورق گردانی میں اتنی محو تھی کہ اسے وجاہت کے اٹھنے اور جانے کے ارادے کی خبر تک نہ ہوئی اور یہ بھی وجاہت کے لئے چوٹ سے کم بات تو نہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو نظر انداز کرانے کا عادی کہاں تھا۔ اس نے تو راجہ اِندر کی طرح اب تک زندگی گزاری تھی۔ شہلا کا رویہ اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''ارے میاں کھانا کھا کر جاتے۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے؟'' سلیم صاحب نے اسے دیکھا جو شہلا کو دیکھ رہا تھا۔ ابو کی آواز پر وہ چونکی۔

''ارے آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟''

''جب کوئی کتاب مجھ سے زیادہ اہمیت حاصل کر لیتی ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔'' وجاہت اچھا خاصا برہم لگ رہا تھا۔

''ارے آپ تو خفا ہو گئے۔ لیکن اب آپ کہیں نہیں جا رہے۔ یہ دیکھئے میں کتابوں کو اٹھا کر شیلف پر رکھ رہی ہوں۔'' شہلا نے مسکرا کر کہا اور کتابیں شیلف پر رکھ کر وجاہت کی جانب مڑی جس کی خفگی کسی حد تک ختم ہو گئی تھی۔ اب وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئی۔

''جی اب تو خوش ہیں آپ۔ امی! کھانے میں کتنی دیر ہے؟ وجاہت صاحب ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔'' شہلا کو اپنے رویے پر تاسف ہوا تو اب وہ پوری توجہ وجاہت کو دے رہی تھی جو وہ چاہتا تھا۔ اب خفگی دور ہو گئی تھی۔ پھر کتنی ہی دیر

مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ عشاء کی نماز کے لئے سلیم صاحب مسجد چلے گئے پھر بیگم سلیم آ کر بیٹھ گئیں۔ وہ ہمیشہ اس سے کچھ ایسے سوالات کرتیں کہ وجاہت ان سے کتراتا تھا۔ اور پھر اپنے اور شہلا کے درمیان وہ کسی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بس جی...... جی کر کے ان کو ٹال دیتا۔ شہلا سب کچھ دیکھتی اور محسوس کرتی۔ یہی وجہ تھی کہ وجاہت کے جذبے اسے مشکوک لگتے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد وجاہت کی خواہش تھی کہ شہلا کے ساتھ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کافی پی جائے مگر اس نے اس کی خواہش کو بڑی سنگ دلی سے رد کر دیا تو وہ اٹھ گیا۔ گرم شال کو شانوں پر ڈالا اور باہر آ گیا۔ شہلا نے اسے وہیں سے خدا حافظ کہہ دیا۔ گیٹ تک بھی نہیں آئی تھی۔ خدا حافظ کہنے اور یہ تمام باتیں وہ نوٹ کر رہا تھا۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ وہ جس لڑکی کو پسند کرے وہ پکے پھل کی طرح اس کے ہاتھوں میں آ جائے۔ ایسا ہر بار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا اندازہ اسے شہلا سے ملنے کے بعد ہوا تھا۔

اس کے جانے کے بعد شہلا کتابوں کی ورق گردانی کر رہی تھی کہ ایک کتاب سے ایک خط اس کی گود میں گرا۔ خط حسب توقع وجاہت کی جانب سے تھا جس میں اس نے اپنے جذبات کے اظہار کے بعد اسے اپنانے کی شدید خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی پھر خط لے کر اپنی دوست اپنی ہمدرد ماں کے پاس آ گئی اور بلا تامل خط ان کو دے دیا۔ وہ بغور اس کو پڑھنے لگیں۔

”ہاں تو کیا بات تمہیں پریشان کر رہی ہے بیٹی...... اس نے کھلے دل سے ہر بات کا اعتراف کیا ہے۔ تمہیں چاہتا ہے اور شریفانہ طریقے اور عزت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے خیال میں تو تمہیں وجاہت کو غلط نہیں سمجھنا چاہئے اور اسے مثبت جواب دینا چاہئے۔ اتنے عرصے سے وہ آ رہا ہے۔ تمہارے ابو کو بھی پسند ہے پھر تمہیں کیا اعتراض ہے......؟“

بظاہر تو سادہ لوح امی کو کوئی نقص نظر نہیں آتا تھا اور ان کی نظر میں وجاہت کی

دوسری شادی کی خواہش بھی بے جا نہیں تھی کیونکہ وہ صاحب جائیداد آدمی تھا اور بتا چکا تھا کہ بیوی چونکہ پڑھی لکھی نہیں اس لئے اس کی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوئی۔ پھر اولاد نہیں ہوئی۔ اس لئے اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر شہلا کو یہی بات گوارہ نہیں تھی کہ وہ ایک جاگیردار کی دوسری بیوی کی حیثیت سے اس کی زندگی میں داخل ہو کر ایک حقدار کا حق مارے۔

”امی جان آپ میری ماں ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں کیا چاہتی ہوں؟ مجھے کسی جاگیردار کی دوسری بیوی بننے کا کوئی شوق نہیں۔ میں ایک اپنے جیسے ہی پڑھے لکھے آدمی سے شادی کرنا چاہتی ہو جو مجھے میری خوبیوں خامیوں سمیت قبول کر لے۔ جو کتاب کی اہمیت کو سمجھتا ہو، کتاب کو اپنا رقیب نہ سمجھتا ہو۔ آپ نے دیکھا نہیں تھا کہ میرا کتاب پڑھنا وجاہت کو کتنا ناگوار گزرا تھا اور کتابوں سے میرا عشق آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کروں گی کہ مجھے اس فیصلے کے لئے آزاد چھوڑ دیں۔“ شہلا نے اس ذکر سے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو امی الجھ گئیں۔ جاتے جاتے پھر پلٹیں۔

”بیٹا اس کے بارے میں سوچنا ضرور۔ دیکھو چاہنے والے ہر موڑ پر نہیں ملتے۔“ امی بھی چاہتی تھیں کہ اب شہلا شادی کا فیصلہ کر لے کیونکہ وہ پہلے ہی دیر کر چکی تھی۔

”میری بھولی ماں! اس جیسے چاہنے والے ہر موڑ پر مل جاتے ہیں۔ بس دیدۂ بینا کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کیا کریں۔ دعا میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔“ اس نے فکرمند ماں کی پیشانی پر پیار کر کے سمجھایا تو وہ دھیرے سے مسکرا کر چلی گئیں۔



”ہوں...... وجاہت صاحب یہ ٹھاٹھ ہیں آپ کے۔ کیا کشش ہے تم میں کہ لڑکیاں فدا ہو جاتی ہیں تم پر۔ بھئی ظاہر ہے ایک تو صاحب جائیداد ہو پھر خدا نے شخصیت بھی زبردست دی ہے جسے تم کیش کراتے رہتے ہو۔ مگر دوست شہلا کوئی

دوسری ہی چیز ہے...... اس کو تم بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ نزہت کی بات دوسری تھی۔ چھوٹے گھر کی خوف اور خدشات میں گھری معمولی معمولی خواہشات کے لئے ترسنے والی غریب طبقے کی لڑکی تھی۔ مگر شہلا سلیم تو مالدار، پڑھی لکھی، باوقار، سمجھدار ہے۔ تمہارے جال میں ذرا مشکل ہی سے پھنسے گی۔ دوسرے میں بھی آسانی سے تمہیں یہ کھیل نہیں کھیلنے دوں گا۔ نہ شہلا کے ساتھ زیادتی ہونے دوں گا اور نہ نزہت کے ساتھ جس کو تم نے مجھ سے چھین لیا تھا۔"

انور کتنی ہی دیر سے وجاہت، شہلا اور نزہت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کسی خیال کے تحت ڈائریکٹری کھولی، پروفیسر سلیم کا نمبر بڑی تگ و دو کے بعد ملا اور فوراً ہی نمبر ملایا۔

"ہیلو......" دوسری طرف شہلا ہی تھی۔ وہ خوش ہوگیا۔

"ہیلو...... یہ پروفیسر سلیم صاحب کا گھر ہے نا؟" انور کو بات کرنے کا سلیقہ خوب آتا تھا۔

"جی ہاں...... مگر وہ اس وقت گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔ مغرب کی نماز پڑھنے گئے ہیں۔"

"اوہو...... اچھا تو آپ شہلا بات کر رہی ہیں؟" وہ صاف پہچان کر بھی انجان بنتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"جی شہلا ہوں۔ آپ کی تعریف؟" شہلا بھی آواز پہچان رہی تھی۔

"ہماری کیا تعریف ہوسکتی ہے مس شہلا! بہرحال آپ مجھ سے مل چکی ہیں۔ میں آپ کو الجھاؤں گا نہیں۔ میرا نام انور ہے اور سر سلیم کا اسٹوڈنٹ ہوں۔"

"اوہو، اچھا اچھا...... آپ ہیں۔ تب ہی تو میں الجھ رہی تھی کہ اس آواز کو کہاں سنا ہے۔ بہرحال کیسے فون کیا آپ نے...... میں نے گھر آکر ابو سے آپ کا ذکر کیا تھا وہ بھی آپ کو پہچان گئے۔"

"ارے مس شہلا یہ کیا غضب کیا آپ نے۔ میں کوئی اچھا اسٹوڈنٹ نہیں تھا۔ بلکہ

میں تو وہ بدنصیب اسٹوڈنٹ ہوں کہ دوسرے لڑکوں کے بہکاوے میں آکر ایک مرتبہ سر کو کالج سے نکلوانے کی بھی کوشش کی تھی۔" انور کو وہ واقعہ یاد آگیا۔ اس نے سب سے زیادہ کوشش کی تھی سر کو نکلوانے کی۔ وجہ صرف یہ تھی انور نے ایک کلاس فیلو کو خطوط لکھے۔ اس کے بعد اسے بلیک میل کر کے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس لڑکی نے سلیم صاحب سے شکایت کر دی تو انہوں نے انور سے باز پرس کی۔ انور نے شرافت کی حدود کو پار کرتے ہوئے نیک صفت سلیم صاحب کا چکر اس لڑکی کے ساتھ مشہور کر دیا۔ سلیم صاحب کا تبادلہ کسی دوسرے کالج میں ہوگیا اور لڑکی کو کالج سے نکال دیا گیا۔ سچائی کو خدا نے ہمیشہ سربلند رکھا ہے۔ سلیم صاحب کو اسی کالج میں پرنسپل کی حیثیت سے واپس بلا لیا گیا اور لڑکی کی شادی نہایت اچھے گھرانے میں ہو گئی۔ آج تقریباً دس سال بعد وہ واقعہ یاد کر کے خود ہی نادم ہو رہا تھا۔ شہلا کو حیرت ہونے لگی۔

"اچھا، حیرت ہے...... ابو آپ کو پہچان تو گئے تھے مگر کسی واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"ارے مس شہلا! بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، بڑے ظرف ہوتے ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ انسان گھٹیا پن تو کر لیتا ہے مگر بعد میں جب احساس ہوتا ہے کہ وہ گھٹیا پن میں کیا گنوا بیٹھا تو احساسِ ندامت ہوتا ہے۔ اب میں سر سے ملنا چاہتا ہوں مگر شرمندگی اس قدر ہے کہ ان کو منہ بھی نہیں دکھا سکتا۔" زندگی میں پہلی بار انور کو کسی بات کا دکھ اور افسوس ہو رہا تھا۔

"ارے انور صاحب! ابو ایسے نہیں ہیں۔ اگر ان کے دل میں کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے ذکر تو کرتے۔ وہ مجھ سے ہر موضوع پر بات کرتے ہیں۔ آپ ضرور آئیں بلکہ اب تو میں خود آپ کو انوائٹ کر رہی ہوں۔" شہلا نے بہت اصرار کیا تو اسے بھی حوصلہ ہوا۔

"اچھا یہ بتائیں سر ریٹائرمنٹ کے بعد کیا کر رہے ہیں؟"

"ابو ریٹائرمنٹ کے بعد ایک کتاب لکھ رہے ہیں ماحولیات پر۔"

"گڈ...... تو بس اب میں سر سے ضرور ملوں گا۔ لیکن ڈر لگتا ہے۔"

"ارے انور صاحب! آپ تو ناحق ابو سے خوفزدہ ہیں۔ ابو تو بے حد حلیم انسان ہیں اور اپنے اسٹوڈنٹس کو ہمیشہ اولاد کی طرح سمجھتے ہیں۔" شہلا کو حیرت ہو رہی تھی انور کی باتوں سے۔ کیونکہ وہ حقیقت حال سے ناواقف تھی۔

"وہ کتنے حلیم، کتنے باپ نما استاد تھے یہ مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔ میں انشاء اللہ جلد ہی ملاقات کرنے آؤں گا۔ اچھا شہلا! میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا، اجازت دیں، خدا حافظ۔"

شہلا ریسیور رکھ کر بیٹھی ہی تھی اور انور کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ پھر فون کی بیل ہوئی۔

"ہیلو......" دوسری طرف وجاہت تھا۔

"ہیلو، جی وجاہت صاحب...... کیسے ہیں آپ؟ دو روز سے نہ آئے اور نہ فون کیا...... خیریت تھی؟" شہلا نے یوں ہی پوچھ لیا مگر اس کا یوں ہی پوچھ لینا بھی وجاہت کو معتبر کر گیا۔

"اجی ہماری خیریت سے آپ کو کیا...... کوئی مرے یا جئے۔ بہرحال میں دو روز سے بخار میں مبتلا ہوں اور آپ کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ خیریت ہی معلوم کر لیتیں۔" وجاہت کی آواز بھی بیمار سی تھی۔ وہ شکوہ کر رہا تھا۔

"اوہو...... ویری سوری وجاہت صاحب! بخدا مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔ اب کیسے ہیں...... دوا وغیرہ لی آپ نے؟" وہ اپنے مخصوص ملائم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"شہلا! میری دوا، میرا مسیحا تو تم ہو۔ مگر تم نجانے کیوں بدظن ہو مجھ سے۔" وجاہت ذرا جذباتی ہونے لگا۔

"فضول باتیں نہ کریں وجاہت صاحب! اب ہم کوئی بچے نہیں کہ ایسی جذباتی

باتیں کریں۔ آپ کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کرائیں اور دوا لیں۔" ہمیشہ کی طرح شہلا نے اسے ٹوک دیا تو اسے غصہ آ گیا۔

"تم تو بے حد خشک اور سرد ہو شہلا! بہرحال اتنی دیر سے تمہارا فون انگیج تھا۔ کس کا آیا ہوا تھا۔" وہ اپنے روایتی جلال میں آنے تو لگتا مگر پھر یہ سوچ کر کہ شہلا بددل ہی نہ ہو جائے خود پر قابو پا لیتا۔

"فون...... ہاں وہ انور صاحب کا فون آیا تھا۔ کافی دیر بات ہوتی رہی۔"

"انور کا فون آیا ہوا تھا......؟" وجاہت کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ اس روز انور کا ٹکرا جانا ہی اسے اچھا شگون نہیں لگا تھا۔

"جی ہاں...... وہ ابو کے اسٹوڈنٹ ہیں ناں...... اسی حوالے سے باتیں کرتے رہے۔ کافی دیر بات ہوئی۔" شہلا اس کے دل پر گزرتی واردات سے بے خبر بولی تو وہ تپ گیا۔

"کافی دیر نہیں، پون گھنٹہ آپ کی بات ہوئی اس بیکار شخص سے۔" وہ بیزاری سے بولا تو شہلا ہنس پڑی۔

"ارے آپ نے تو لمحے شمار کر رکھے ہیں۔"

"جی جناب ہم جن کو چاہتے ہیں ان کی ہر بات پر نظر رکھتے ہیں۔ مگر آپ کو جذبوں کی پہچان ہو تو بندہ بات بھی کرے۔ اور آپ نے میری اس درخواست کو تو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہو گا۔" وہ شاکی سے لہجے میں کہنے لگا تو شہلا بس گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ وجاہت سے پیچھا چھڑانا اس کے لئے مشکل ہونے لگا تھا۔ اور نظریاتی اختلافات کے باوجود اسے وجاہت سے ہمدردی سی ہونے لگی تھی اور وجاہت جس کو انور سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا وہ جلد ہی شہلا سے کوئی مثبت جواب چاہتا تھا۔

"میرے پاس کوئی ردی کی ٹوکری نہیں ہے وجاہت صاحب! یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے، کوئی ایک دو روز کی بات تو نہیں ہے۔ میں سوچے سمجھے بغیر تو کپڑا نہیں

خریدتی یہ تو پھر میری زندگی کا معاملہ ہے...... ذرا سوچ کر ہی جواب دوں گی۔"

"ٹھیک ہے شہلا! کوشش کرنا یہ سوچ میری موت سے قبل ہی ختم ہو جائے۔ خدا حافظ......" وجاہت نے خود ہی جلدی سے فون رکھ دیا۔ کیونکہ دوسرے نمبر پر حویلی سے زیب کا فون آیا تھا۔



زیب کی طبیعت میں معاف کر دینا نہیں تھا۔ اس نے آج تک کسی دشمن کو معاف نہیں کیا تھا تو نزہت کو کیسے کر دیتی جو اس کے شوہر کی محبت میں حصہ دار بن گئی تھی۔
اور بدنصیب نزہت پوری طرح اس کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔ اس وقت جبکہ حیدر، بھائی کی حیثیت سے اس کے سر پر دوپٹہ ڈال رہا تھا تو زیب اور نوراں نے ایسے چھاپہ مارا جیسے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جاتا ہے۔ نزہت کا رنگ فق ہو گیا۔ حیدر بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"چچ...... چچ......" زیب بڑے مشکوک اور چڑانے والے انداز میں نزہت کی طرف بڑھی۔ نزہت کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ زیب کی نگاہیں سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

"زیب آپا! وہ یہ حیدر ہے ناں...... یہ میرے لئے دوپٹہ لایا ہے اور بچوں کے لئے مٹھائی۔ یہ دیکھئے، میں اسے پڑھایا کرتی تھی ناں۔" مارے گھبراہٹ کے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔

"ہاں معلوم ہے مجھے...... تم اسے پڑھایا کرتی تھیں مگر پیار کی پٹیاں۔" زیب نے اپنی منفی سوچ ظاہر کی تو نزہت تڑپ اٹھی۔

"نہیں زیب آپا! خدا کے واسطے ایسا مت سوچیں۔" نزہت تو اس زیادتی پر بول بھی پڑی مگر حیدر بس خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر کچھ کہے بغیر جلدی سے باہر نکل گیا۔

"کیسے نہ سوچوں میں...... شوہر گھر پر نہیں اور تم ایک غیر مرد وہ بھی ملازم سے

تحفے تحائف لے رہی ہو کمرے میں بلا کر۔ شرم بھی نہیں آتی تمہیں...... کیوں وہ غیر مرد تمہارے کمرے میں آیا...... کیا مقصد تھا تمہارا یا اس کا؟"

"آپا خدا کی قسم وہ میرے نزدیک چھوٹا بھائی ہے...... میری بہنوں کی طرح عزت کرتا ہے۔" نزہت ہر طرح کی کوشش کر رہی تھی۔ خدا کی قسمیں کھا رہی تھی ...... مگر زیب کو تو انتقام کی آگ بجھانے کا ایک اور موقع مل گیا تھا۔

"نہیں...... بظاہر تو بہن بھائی کا ہی رشتہ ہوتا ہے......" زیب نے سفاکی سے اس کی پارسائی پر شک کیا۔

"گناہ گار نہ بنو آپا...... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ وہ دلوں کے بھید بہتر جانتا ہے...... خدا کے لئے میری طرف ایسی مشکوک نگاہوں سے نہ دیکھو۔" نزہت نے بے بسی سے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"میں کیوں دیکھنے لگی تمہیں بی بی...... شہر کی پڑھی لکھی ہو، بڑے طریقے پتہ ہوں گے تمہیں۔ دیکھے گا تو تمہیں تمہارا شوہر ہی جو بے چارہ بے خبری میں......"

"آپا! میں آپ کے پاؤں پکڑتی ہوں، وجاہت کو کچھ نہ کہنا۔ مرد کو ایک بار شک ہو جائے تو......" نزہت وجاہت کے خوف سے کانپ اٹھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ نیکی کا یہ انجام ہوگا۔ وہ دونوں تو صاف دل تھے۔ وہ اسے بھائی سمجھتی تھی اور وہ اسے بہن۔ مگر گندے ذہن نے اس پاکیزہ رشتے کو دھندلا دیا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"کیوں نہ بتاؤں گی وجاہت علی کو...... سر کا تاج ہے وہ میرا بھی اور تیرا بھی۔ دھوکا دوں گی اس کے اعتماد کو؟ آج تک اس حویلی کی تاریخ میں کوئی غیر مرد اس گھر کی عورت کے کمرے میں نہیں گیا۔ اور تم اس کو بند کمروں میں پڑھاتی رہی ہو اور پھر وہ تحفے لا لا کر دیتا رہا ہے۔ دے دیا ناں اپنے نیچ ہونے کا ثبوت۔ شوہر گھر پر نہیں اور تم ایک جوان ملازم کو پڑھاتی پھر رہی ہو۔" زیب نے مجبور و بے بس سی نزہت کو لتاڑا۔

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپا! اب کی بار معاف کر دو۔ وجاہت کو کچھ نہ بتانا۔ آئندہ کبھی نہیں پڑھاؤں گی۔"

گو کہ نزہت کی بھی زیب والی حیثیت تھی مگر پھر بھی وہ کچھ نہیں تھی اور اس واقعے کے بعد تو وجاہت کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہ جاتی۔ اسی لئے تو وہ زیب کی منت سماجت کر رہی تھی کیونکہ وہ ہر زیادتی برداشت کر سکتی تھی مگر اپنے کردار پر داغ نہیں برداشت کر سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے..... آئندہ ایسا نہ ہو۔" اب نجانے زیب کے دل میں کیا تھا مگر ظاہر وہ یہی کر رہی تھی کہ وہ وجاہت کو نہیں بتائے گی۔ نزہت کے لئے اس کی اتنی سی مہربانی بھی کافی تھی۔ وہ خوش اور ممنون ہو گئی۔

"بہت شکریہ آپا! اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ نوراں! یہ مٹھائی پھینک دو اور یہ کپڑے بھی اسے دے آؤ۔" نزہت نے زیب کو مطمئن کرنے کے لئے جلدی سے حیدر کا دیا ہوا سامان نوراں کے حوالے کر دیا۔ نوراں نے زیب کی طرف دیکھا۔

"نہیں..... نوراں کیوں یہ کام کرے۔ اگر تم اور حیدر اتنے ہی سچے ہو تو یہ سامان تم خود میرے سامنے حیدر کے منہ پر دے مارو تو میں سمجھ جاؤں گی کہ تم دونوں سچے ہو اور تم دونوں ایک دوسرے کو بہن بھائی سمجھتے ہو۔ مگر میری یہ شرط ہے کہ تم یہ چیزیں اس کے منہ پر مارو گی۔ جاؤ نوراں..... حیدر کو بلا لاؤ۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔" زیب نے بڑی مکاری سے نوراں کو حیدر کی طرف بھیجا۔

نزہت دل تھام کر رہ گئی۔ وہ معصوم سا لڑکا کتنی عزت کرتا تھا، بہن سمجھتا تھا۔ اب وہ محض اپنے کردار کی سچائی کی خاطر اس کی بے عزتی کیسے کر سکتی تھی۔ مگر اس ظالم عورت نے سچائی کی پرکھ کا وہ طریقہ رکھا کہ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ ایک شریف معصوم انسان کی بے عزتی کیونکر کر سکتی تھی۔

"خدائے پاک! میں کس آزمائش میں مبتلا کر دی گئی ہوں۔ ٹھیک ہے یہ اگر نہیں یقین کرتی تو نہ کرے..... میں حیدر کی بے عزتی نہیں کروں گی۔ ہاں نہیں کروں گی۔ یہ کون ہوتی ہے میرے معاملات میں مداخلت کرنے والی۔"

نزہت نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا۔

کچھ ہی دیر بعد حیدر آ گیا۔ چور نظروں سے اس نے نزہت اور زیب کو دیکھا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا..... زیب نے معنی خیز نگاہوں سے پہلے حیدر کو اور پھر نزہت کو دیکھا۔ وہ دونوں مظلوم زیب کے شک کی عدالت میں مجرم بنے کھڑے تھے۔

"نزہت بیگم! حیدر آ گیا ہے۔ اگر تمہارا دل صاف ہے تو وہی کرو جو تم نے کہا ہے۔" دوسروں کو اذیت دے کر نجانے زیب کو کیسی راحت نصیب ہوتی تھی اور اس وقت بھی مظلوموں کی اذیت سے وہ لطف اندوز ہو رہی تھی۔

نزہت نے دکھ سے آنکھیں بند کر لیں۔ کتنا معصوم سا لگ رہا تھا حیدر۔ باجی باجی کہتے جس کی زبان نہیں خشک ہوتی تھی۔ کتنے شوق سے وہ بچیوں سے ماموں کہلوایا کرتا تھا۔ آج نزہت کو اپنی پارسائی کی یقین دہانی کے لئے اس کی بے عزتی کرنا تھی۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی طرف سے تاخیر زیب کے شک کو یقین میں بدل رہی تھی۔ وہ ہار گئی۔ اسے اپنا اور حیدر کا کردار بچانا تھا، اپنی بچیوں کی خاطر اسے اپنے کردار کو داغدار ہونے سے بچانا تھا۔

"میرے خدا..... میری مدد فرما....." اس نے ایک نظر حیدر پر ڈالی اور آنکھیں بند کر کے اللہ سے مدد چاہی۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں، چیزیں بڑھائیں، زیب کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اسے راکھ کر گئی۔ پھر جیسے اس پر جنون سوار ہو گیا۔ وہ ہذیانی انداز میں حیدر کی جانب بڑھی۔

"تم..... تم دو ٹکے کے ملازم..... تم کیا سمجھتے ہو میں تمہاری ان چیزوں کی بھوکی ہوں..... میرے بچوں نے کبھی مٹھائی نہیں کھائی؟ لے جاؤ یہاں سے یہ سب اور دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" نزہت نے پاگلوں کی طرح چیزیں حیدر

کے منہ پر دے ماریں تو وہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگا۔

"نزہت باجی! یہ سب کیا ہے......؟" وہ رو دینے والا تھا۔

"بکواس بند کرو اور چلے جاؤ یہاں سے...... یہاں کوئی رشتے دار نہیں، کوئی کسی کا بھائی، کوئی کسی کی بہن نہیں۔ خبردار جو آئندہ مجھے باجی کہا...... نکل جاؤ میرے کمرے سے......" اور پھر نزہت جس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا اس نے دھکے دے کر حیدر کو کمرے سے نکال دیا۔ وہ بے چارہ اصل صورت حال سے بے خبر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر روتا ہوا چلا گیا۔

نزہت بستر پر گر کر بری طرح روتی رہی۔ زیب نے معنی خیز انداز میں نوراں کو دیکھا۔ تمسخرانہ سی مسکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر آ گئی...... نزہت بے بسی سے روتی رہی، تڑپتی رہی۔ اپنے گھر کو بچانے کے لئے، اپنے کردار کو داغدار ہونے سے بچانے کے لئے اس نے ایک معصوم کی بے عزتی کر دی تھی۔

"میرے خدا مجھے معاف فرمانا......" وہ شدت سے روئی۔ پھر وہ چپ کھڑی زیب کی جانب مڑی۔

"آپا! اب تو آپ کو یقین آ گیا ناں کہ ہم دونوں سچائی پر تھے؟ اب تو آپ کو کوئی شک وشبہ نہیں...... اب تو آپ وجاہت سے شکایت نہیں کریں گی ناں......؟"

"جب انسان سچا ہوتا ہے، اپنی سچائی کا ثبوت دیتا ہے تو اس طرح نہیں روتا جیسے تُو رو رہی ہے۔ خیر تم نے میری شرط پوری کر دی ہے تو سمجھو سب خیر ہے۔"

پھر زیب نوراں کے ساتھ کسی فاتح ملکہ کی طرح باہر نکل گئی۔

"میرے اللہ پاک! یہ کیسی آزمائش ہے میرے ضبط کی...... یہ کیسی عورت ہے، جلاد ہے، جسے ایک عورت کے دکھوں کا کچھ بھی احساس نہیں۔ میرے مولا میں اتنی آزمائش کے قابل نہیں، مجھے معاف فرما دے۔ میرے بچوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھنا پروردگار...... وہ معصوم بچہ کیا سوچ رہا ہو گا میرے رویے کے بارے میں......"

نزہت کی نگاہوں میں بار بار حیدر کا سرخ چہرہ گھوم رہا تھا جو اپنی توہین کے احساس سے سرخ ہو گیا تھا۔ مگر اب وہ اس کو کیسے بتاتی کہ اسے یہ سب مجبوراً کرنا پڑا ہے۔ اپنی اور اس کی پارسائی کا ثبوت دینے کے لئے اسے اس کی بے عزتی کرنا پڑی تھی۔

دو روز گزر گئے تھے، نزہت بے حد ملول تھی۔ بار بار حیدر کا چہرہ نظروں میں گھوم جاتا۔ اس وقت بھی وہ اداس سی ندا کو گود میں لئے بیٹھی تھی کہ دروازہ کھلا اور حیدر کی ماں پریشان سی آئی۔

"آئیں ماسی! کیا بات ہے...... خیریت تو ہے ناں......؟" حیدر کی ماں کو پریشان دیکھ کر نزہت اس کی طرف بڑھی۔ وہ فوراً ہی رونے لگی تو اسے مزید پریشانی لاحق ہوئی۔

"ماسی بتائیں تو سہی...... بات کیا ہے...... آئیں...... بیٹھیں یہاں۔" نزہت نے روتی ہوئی ماسی کو بٹھایا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نزہت بی بی! ہم غریب دھتکارے جانے کے قابل ہیں۔ نوکر ہیں ناں، جوتیوں میں بیٹھنے والے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ ماسی...... حیدر کیسا ہے......؟" نزہت نے چور لہجے میں حیدر کا حال پوچھا تو ماسی نے شکوہ کرتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"غریب صرف غریب ہوتا ہے...... جیب کا غریب ہوتا ہے چھوٹی بی بی! بے شرم یا بے غیرت نہیں ہوتا۔ اس کو تو آپ میں اپنی مری ہوئی بہن کی صورت نظر آتی تھی تو وہ یہ سب کرتا تھا۔ پر بی بی آپ نے اسے ذلیل کر دیا۔ دو دن سے بخار میں پھنک رہا ہے۔ کھاتا پیتا بھی نہیں، بس روتا رہتا ہے کہ باجی نے کیا کہہ دیا......"

حیدر کی حالت کا سن کر نزہت خود رو پڑی۔

"ماسی! اسے کہنا وہ آج بھی میرا بھائی ہے مگر وہ جانتا ہے کہ میں یہاں کن

حالوں میں رہ رہی ہوں۔ بس اس کو کہہ دیں کہ یہ سب میں نے زیب بیگم کی لگائی شرط پوری کرنے کے لئے اپنی اور اس کی پارسائی کا ثبوت دینے کے لئے کیا ہے۔ اس لئے وہ بدگمان نہ ہو...... یہ خط لے جائیں...... میں نے لکھ کر رکھا تھا۔ اسے سمجھا دیا ہے کہ اپنی باجی سے بدگمان نہ ہو...... بس ماسی اب آپ جائیں۔ میری جان تو عذاب میں مبتلا ہے ہی، آپ لوگ کیوں اپنی عزت گنواتے ہیں۔"

کافی دیر ماسی کو سمجھانے کے بعد خط حیدر کے لئے دیا تو اس نے خوفزدہ ہو کر خط کو دوپٹے میں باندھ لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے بیٹی! میرا بیٹا تو غم سے نڈھال ہو گیا ہے۔ خیر اب خط پڑھ کے ٹھیک ہو جائے گا...... اچھا رب راکھا......" ماسی اسے دعائیں دیتی کمرے سے نکل گئی تو ایک طرح سے نزہت بھی پُرسکون ہو گئی۔ بوجھ کی ایک سل تھی جو ماسی کے آجانے اور حیدر کو صورت حال بتا کر دل سے ہٹ گئی تھی۔ پُرسکون سی ہو کر لیٹ گئی۔ یوں بھی اس واقعے کے بعد خاصا سکون تھا حویلی میں۔



"نوراں...... او نوراں......" زیب نے دو تین آوازیں نوراں کو دیں مگر وہ نجانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔ بالآخر زیب نے تکیہ اٹھا کر اسے مارا تو وہ ہوش میں آ گئی۔

"جی بی بی......" وہ ایک دم سیدھی ہو گئی۔

"او کون مر گیا ہے تیرا...... کس کا سوگ منا رہی ہے تُو......؟"

"کچھ نہیں بی بی...... اپنا ہی سوگ ڈال کے بیٹھی ہوئی ہوں۔" ساتھ ہی نوراں نے رونا شروع کر دیا زیب کو پہلی بار کسی کے آنسو متاثر کر گئے۔ وہ نوراں کے برابر بیٹھ گئی۔ آخر کو نوراں اس کی ماں کی خاص ملازم نسرین کی فرمانبردار بیٹی تھی۔ زیب اس لئے بھی اس کا خاص خیال رکھتی تھی۔ آج یوں اچانک اسے اداس اور روتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔

"نوراں! میں تو ہر بات تجھے بتاتی ہوں۔ تُو نہیں بتائے گی کہ کیا بات ہے؟" زیب بڑی ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔

"بی بی...... میں کیا کروں...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ سارا گھر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔" نوراں نے بات کر کے پھر رونا شروع کر دیا۔

"اوہو...... کچھ منہ سے بھی پھوٹے گی کہ نہیں......؟" زیب نے ڈانٹا تو اس نے سڑ سڑ کر کے دوپٹے سے منہ ناک صاف کی۔

"وہ بی بی! آپ ساجد کو تو جانتی ہیں ناں، بڑے ملک جی کا خاص ملازم اور ڈرائیور تھا۔ اس کا بیٹا ہے یہ ساجد۔"

"لے، مجھے بتا رہی ہے جیسے مجھے تو کوئی خبر ہی نہیں۔ او سب پتہ ہے گاؤں

والوں کا، کون کس کا کیا لگتا ہے۔ آگے بول کیا بات ہے؟" زیب نے آگے کہنے کا حکم دیا تو وہ جھجک سی گئی۔

"وہ ناں بی بی...... وہ اور میں ناں ایک دوجے کو چاہتے ہیں۔"

"تو اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ ذات برادری ایک ہے۔ کرلو۔"

"کیسے کرلوں جی...... ساجد کے باپ رفیق کے بارے میں ایک خبر ہے کہ یہ چھوٹی بی بی جو کہ ملک سجاد علی کے گھر والی تھیں کا قاتل ہے۔ ایکسیڈنٹ میں اس نے مالکانی کو مار دیا تھا۔ اس لئے وہ قاتل ہے۔ کیا یہ بات درست ہے جی......؟ اس لئے میرا رشتہ اس کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ بی بی! کیا وہ واقعی قاتل تھا؟" نوراں ماضی کی راکھ کرید رہی تھی۔

"ہاں...... یہ سچ ہے کہ وہ قاتل تھا مگر اس میں اس کا قصور تو نہیں تھا۔ ملازم تو حکم کے غلام ہوتے ہیں۔ جو میرے نانا شجاعت علی نے حکم دیا وہ اس نے پورا کیا۔ بڑا وحشی صفت تھا میرا نانا بھی۔ پتہ ہے ماں بیٹے کو مروانے کے لئے رفیق کو اکسایا تو اس نے جان بوجھ کر ایکسیڈنٹ کر دیا۔ گاڑی پل سے نیچے گرا کر خود باہر نکل گیا۔ چاچا شفاعت علی تو رب کے کرم سے بچ گئے پر ان کی ماں نہ بچ سکیں۔ میرے چاچا شفاعت علی تو ماں کی موت کی وجہ سے جیسے پاگل ہو گئے تھے۔ چند دن ہسپتال میں بھی رہے۔" زیب بھی آج ماضی کی ورق گردانی کرنے بیٹھ گئی تھی۔

"توبہ...... توبہ...... کیسا اندھیر ہے بی بی! شفاعت باؤ اور ملک سجاد علی نے کچھ بھی نہیں کہا......؟" اتنے عرصے سے نوراں کے ذہن میں جو سوالات تھے وہ آج ان کا جواب چاہتی تھی۔

"لے کہنا کس نے تھا...... سجاد علی کو تو سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ تو کچھ سوچ سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اور چاچا شفاعت علی کی تو حالت غیر ہو گئی تھی۔ نسرین ماسی بتایا کرتی تھیں کہ وہ تو اپنے تایا پر مقدمہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ ایکسیڈنٹ ان کے تایا نے کروایا ہے اور وہ تایا کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہتے تھے۔

مگر ایک تو نانا شجاعت علی بڑے چالاک اور عیار تھے۔ ماسی بتاتی تھی کہ نانا اور نانی نے اس زمانے میں ایسا اپنی محبت کا جادو چلایا اور سجاد علی کو نجانے کیا پٹی پڑھائی کہ انہوں نے شفاعت علی سے کہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا اب اگر بات بڑھائی تو خاندان کی عزت پر حرف آئے گا۔ سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ بس اسی وجہ سے یہ بات دب گئی اور شفاعت علی پر تو نانا نانی چھا گئے۔ اپنی محبتیں لٹانے لگے تو خود شفاعت علی شرمندہ ہو کر تایا کے قدموں میں گر گئے۔ یہ بڑی طویل کہانی ہے نوراں! ظلم کی داستان ہے۔ بڑا ظلم کیا ہے ان لوگوں نے۔ میری مظلوم ماں کو پاگل بنا کر نانی نے اس حویلی سے نکال باہر کیا۔" اپنی ماں کا ذکر کر کے زیب آبدیدہ ہو گئی۔ یہ ماں کے انتقام ہی کی تو آگ تھی جس نے اسے پتھر اور بے حس کر دیا تھا کہ کسی کا دکھ درد اسے محسوس ہوتا ہی نہیں تھا۔

"وہ بی بی! پھر چاچے رفیق کا کیا بنا تھا......؟" نوراں کو تو ساجد اور رفیق سے دلچسپی تھی۔ انہی کے بارے میں کرید رہی تھی۔

"ہونا کیا تھا، رفیق حویلی کے بڑے چوہدری کا خاص ملازم تھا۔ اسے کیا ہوسکتا تھا۔ وہ تو جب چاچا شفاعت علی نے شور مچایا تو صرف ایکسیڈنٹ کی سزا کے طور پر اسے دو مہینے جیل ہو گئی، پھر ضمانت پر رہا کروا لیا اور اس عرصے میں شفاعت علی کو قابو میں کر لیا تھا۔ آہ...... بڑے ہی اچھے لوگ تھے یہ چاچا شفاعت علی۔ نسرین ماسی بڑی تعریف کیا کرتی تھیں کہ وہ میری ماں کا بڑا خیال رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ماں کی اور مراد کی شادی ہو جائے۔ پر خدا معاف کرے میری نانی کو، بڑی جلاد عورت تھی۔ اس نے میری ماں کو مراد سے محبت کی سزا دی۔ بڑی کڑی سزا۔ مراد کو بھی مروا دیا اور میری ماں کو بھی پاگل قرار دے دیا...... آہ......" آج پھر زیب کے زخم ہرے ہو گئے تھے۔

"اماں بتایا کرتی تھی بی بی کہ بڑی بی بی نے شفاعت باؤ کی شہری بیوی کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا تھا۔"

آج دونوں بیٹھی پرانے زخم کرید رہی تھیں۔

”لو، کوئی ایک ظلم کیا تھا اس نے اس مظلوم عورت کے ساتھ؟ بڑی مکاری سے شفاعت چاچا کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے بظاہر آمنہ بیگم کو بڑے چاؤ سے بیاہ لائی۔ پھر پہلے دن ہی سے اس کیساتھ برا سلوک شروع کر دیا۔ نانی نے پہلی رات ہی اپنے نوکر سے آمنہ چاچی پر سانپ پھینکوایا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر گئی تھیں۔ یہ تو ابتدا تھی۔ بیچاری پڑھی لکھی نازک عورت کو صدیوں پرانے رواجوں میں الجھا دیا تھا۔ پرانے زمانے والی ساسوں والا رویہ اختیار کیا۔ وہ عورت جس نے چکی کا نام کتابوں میں پڑھا تھا یا نہیں البتہ نانی نے اس نازک عورت سے چکی پسوائی سزا کے طور پر۔ ورنہ یہ کون سا زمانہ ہے چکی کا۔ مگر آمنہ چاچی کو سزا تو دینی تھی۔ سو طرح طرح کی سزائیں دیتی رہی۔ بیچاری چاچی کے بڈھے ماں باپ شہر میں بیٹی کی صورت کو ترستے مر گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تو زبردستی دونوں اس کے حقدار بن گئے۔ وجاہت کو نانا نانی نے زبردستی گود لے لیا اور اپنی من پسند کی تربیت کرنے لگے۔ وہ جو اس کے سگے ماں باپ تھے ان کو اس کے کسی معاملے میں بولنے کا حق نہیں تھا۔ وجاہت علی نانا نانی کی دی ہوئی تربیت میں بگڑتا چلا گیا۔ ماں اسی صدمے سے قبر میں اتر گئی اور باپ زندہ درگور ہو گیا۔ باپ ہو کر بھی وہ بول نہیں سکتے تھے۔ نانا نانی نے ایسا کچھ کر دیا تھا کہ وہ کسی معاملے میں بولنے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ وجاہت بہت منہ زور بدتمیز ہو گیا تھا۔ باپ کا ذرا لحاظ نہیں کرتا تھا۔ حویلی میں کیا کچھ ہوتا رہا ہے یہ تمام خبریں اور باتیں مجھے تیری اماں نسرین ہی بتایا کرتی تھی میں نے بھی وجاہت سے شادی ایک مقصد سے کی تھی۔ دل میں طے کر لیا تھا کہ اگر میں اسی حویلی میں بہو بن کر گئی تو اپنی ماں کا بدلہ ضرور لوں گی...... اور میں دل میں اس بات کا عہد کر کے ہی آئی تھی حویلی میں کہ سب سے پہلے تو نانی کو درست کروں گی۔ جس طرح اس نے میری مظلوم ماں کو پاگل کر کے یا بنا کے اس حویلی سے نکالا تھا، میں بھی اس کا ایسا ہی حشر

کروں گی...... اور دیکھا تو نے میں نے کیا حشر کیا تھا نانی کا۔ اسے پاگل کر کے پاگل خانے بھیج کر ہی مجھے سکون ملا تھا۔“ زیب ایک بار پھر پرانی باتیں کر کے خوش بھی ہوئی اور افسردہ بھی۔

”ویسے بی بی جی! آپ یہ تو سوچیں کہ میں نے کتنی بہادری سے سارے کام کئے۔ قسم سے بی بی! مجھے بڑا ڈر لگا تھا اس رات جب بکرے کے خون میں پیر بھگو کر میں وڈی بی بی کے بستر پر چلی گئی تھی۔ ابھی میں ڈھنگ سے چھپی بھی نہیں تھی کہ وہ آ گئیں۔ میں جلدی سے کھڑکی سے کود گئی اور اگر ان کی نظر مجھ پر پڑ جاتی تو بہت برا ہوتا۔“ نوراں کو اب بھی وہ واقعہ یاد کر کے جھرجھری آ گئی۔ بکرے کے خون سے پاؤں بھگو کر ہاجرہ بیگم کے بستر پر لگائے تھے۔

”ہاں...... ویسے نوراں! میں داد دیتی ہوں تجھے۔ یہ ذمہ داری سونپ کر تجھے، میں پریشان ہو گئی تھی کہ کہیں بھانڈا نہ پھوڑ دو بزدل تو ہو۔ ویسے نوراں! اس رات نانی ماں کی حالت دیکھنے والی تھی۔ خوف سے آنکھیں باہر آ رہی تھیں اور چلا رہی تھیں، وجاہت پتر! آؤ دیکھو...... میرے بستر پر خون کے نشانات ہیں۔“ زیب نانی کی کیفیت یاد کر کے محظوظ ہو رہی تھی۔

”وہ تو کہہ رہی تھیں کہ مہراں نے جلدی سے آ کر چادر بدل دی اور وجاہت باؤ جب آئے تو چادریں صاف تھیں۔ آپ کی نانی ماں جھوٹی پڑ گئیں۔“

”ہاں...... بس ایسا ہی ہوتا ہے۔ ویسے تم دونوں بہنوں نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے اور ماسی نسرین نے میری ماں کا بڑا ساتھ دیا تھا۔ ویسے بڑھیا بڑی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ ہر وقت سہمی ہوئی رہتی۔ وجاہت سے شکایت کرتی تو وہ بھی کہہ دیتے دادی اماں آپ کا وہم ہے۔ اور مجھے تو اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا۔“ زیب واقعی ہنس پڑی واقعات یاد کر کے۔

”لے...... آپ کو ہنسی آتی تھی بی بی پر۔ ہماری تو جان پر بنی ہوتی تھی۔ اس رات جب سفید چادریں اوڑھے ہم وڈی بی بی کے کمرے کے سامنے گھومے تھے تو

یقین کرو جی ہم دونوں ایک دوسرے سے ڈر گئے تھے۔ بالکل ہم قبروں سے بھاگے ہوئے مردے لگ رہے تھے۔ بس یہی خوف رہتا تھا کہ اگر راز فاش ہو گیا تو ہماری نسلیں بھی ہمارا انجام یاد کر کے عبرت پکڑیں گی۔ توبہ...... توبہ...... بڑی آزمائش کا وقت تھا۔" نوراں کو سوچ کر پھر جھرجھری سی آ گئی تھی۔

"کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ دیکھ لو وفاداری کا انعام۔ تم دونوں بہنوں کو اپنے دل کے پاس رکھتی ہوں۔"

"ویسے نوراں! وہ خون آلود سروں کی کیا کہانی ہے...... کہاں سے آئے تھے؟" زیب خون آلود ان دو بکروں کے سروں کے بارے میں پوچھ رہی تھی جس کے بعد ہاجرہ بیگم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھیں۔

"آنے کہاں سے تھے جی...... آپ نے حکم دیا تھا کہ اب کوئی ایسا ڈرامہ ہو کہ بڑھیا بال نوچتی باہر نکل جائے۔ میں نے اور مہراں نے خوب سر جوڑ کر سوچا پھر ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ ایسا کیا جائے۔ ہم نے دو بکرے منگوائے......"

"پیسے بھی ادا کئے تھے ناں بکروں کے...... یا نہیں......؟" زیب نے درمیان میں ٹوک کر پوچھا۔

"لو تو اور کیا بی بی...... پیسے کے بغیر کوئی چیز آتی ہے بھلا۔ میں نے دین سے کہا تھا کہ بی بی کو بکرے چاہئیں۔ اس نے جھٹ بکرے لا کے دیئے۔ ہاں تو پھر کیا ہوا ہم نے ان بکروں کو ذبح کروایا۔ گوشت گاؤں کے غریبوں میں بانٹ دیا اور خون میں لتھڑے سر ہمارے کام آ گئے۔ دونوں سر ہم نے آپ کی تائی ماں کے کمرے کے سامنے رکھ دیئے۔ وہ لیٹ چکی تھیں۔ پھر دروازہ بجایا۔ انہوں نے پوچھا تو آپ کی ماں ذکیہ بن کر جواب دیا پھر بھاگ گئے۔ وہ باہر نکلیں تو خون میں بھرے سر دیکھ کر وہ چیخنے لگیں۔ خوف سے ان کی حالت بری ہو گئی۔ وہ اندھا دھند وجاہت پتر، وجاہت پتر کہتی آپ لوگوں کے کمرے کی طرف بھاگیں۔ ہمیں پتہ تھا آپ لوگ آئیں گے۔ ان کے جاتے ہی ہم نے سر اٹھا لئے۔ بس پھر کیا تھا، بڑی بی بی تو

پاگلوں کی طرح بال نوچ رہی تھیں اور وجاہت باؤ ان کو سمجھا رہے تھے کہ یہاں کچھ نہیں ہے۔ ویسے بی بی کبھی کبھی ہمیں اس بڑھیا پر ترس آتا تھا۔" نوراں نے تاسف سے کہا تو زیب نے جھڑک دیا۔

"چل ہٹ...... ایسے لوگ قابل رحم نہیں ہوتے جو دوسروں کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔ اور یہ جو تم لوگوں کے ڈرامے ہوتے تھے ناں تو اس لئے کہ میں وجاہت کو لے کر بڑی دیر میں جائے واردات پر پہنچتی تھی۔ بہرحال اس نے بڑے دکھ دیئے تھے میری ماں کو۔ میں نے اس گھر میں آنے سے پہلے بہت سارے ڈرامے سوچ رکھے تھے۔ پھر دیکھا نہیں تھا کیسے پاگل ہو گئی تھی وہ۔ میں اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کیا کرتی...... میں نے اس حویلی میں اپنی سب سے بڑی دشمن تائی ماں کو نکال باہر کیا۔ میں معاف کرنے کا ظرف نہیں رکھتی نوراں...... اب یہ جو میری دشمن، میری رقیبہ میرے شوہر کی محبت کی حصہ دار ہے ناں، میرے حلق میں کانٹا بن کر چبھ رہی ہے۔ اس کانٹے کو بھی نکال باہر کرنا ہے۔ اصل دشمن تو یہ ہے میری......"

زیب نے دانت پیسے۔ نزہت تو اس کی سوکن تھی۔ اور کوئی بڑے ظرف کی عورت بھی سوکن برداشت نہیں کر سکتی زیب تو انتقامی ذہن رکھنے والی عورت تھی جس کو معاف کرنا نہیں صرف انتقام لینا آتا تھا...... مگر نوراں اس معاملے میں ذرا غیر جانبدار بنی ہوئی تھی۔

"آپ کہتی تو ٹھیک ہیں۔ پر بی بی! نزہت بی بی میں کوئی برائی تو نہیں۔ غلاموں کی طرح تو آپ کا ہر حکم مانتی ہیں۔ اور یہ جو حیدر والا قصہ ہے، یہ بھی تو جھوٹ ہے۔ حیدر بڑا شریف لڑکا ہے اور نزہت بی بی پڑھی لکھی، صابر عورت ہیں۔ اس کے ساتھ ایسا نہ کریں۔ تین بچیاں ہیں جی اس کی۔ ناحق الزام لگایا ان دونوں پر......" نوراں نے ڈرتے ڈرتے نزہت کی حمایت کر ہی ڈالی تھی جو کہ حسب توقع زیب کو غصہ دلا گئی۔

"تو چپ کر...... آ گئی کہیں سے اس کی ہمدرد۔ اس حویلی میں رہنا ہے کہ نہیں؟

اور یاد رکھ، اگر کوئی گڑبڑ کی تو نانی کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ سارا تم دونوں بہنوں پر ڈال دوں گی اور پھر گاؤں کی عدالت میں پیش کر دوں گی۔ تب پتہ چلے گا نزہت بی بی کی ہمدردی کا۔“

نوراں کانپ گئی۔ کیونکہ وہ زیب کو بہت اچھی طرح جانتی تھی...... اس لئے اس نے جھٹ ہاتھ جوڑ دیئے۔

”خفا نہ ہوں بی بی جی! کہاں آپ اور کہاں وہ...... میں نے تو یوں ہی بات کہہ دی تھی۔ آپ ناراض ہی ہو گئیں۔ جو آپ کا حکم ہو گا میں وہی کروں گی بی بی...... دفع کریں سب کچھ، میرا مسئلہ تو حل کریں جی۔ وہ ساجد کا کیا ہو گا؟“ نوراں زیب کے پاؤں دباتے ہوئے اپنے مطلب پر آ گئی۔

زیب جو اس کی بات پر غصے میں آ گئی تھی گھور کر اسے دیکھا۔ پاؤں اس کی گرفت سے نکالے اور کھڑی ہو گئی۔ نوراں نے پاؤں پکڑ لئے۔

”اللہ کے واسطے مجھے معاف کر دیں بی بی۔ قصور ہو گیا، معاف کر دیں......“ نوراں رونے لگی تو زیب کو بھی اس کی ضرورتوں، وفاداریوں کا لحاظ آ گیا۔

”اچھا چل ہٹ اب...... مگر اپنا دماغ درست رکھنا۔ میں دیکھ لوں گی سب کو۔ تیرے گھر والوں کو بھی اور ساجد کے گھر والوں کو بھی۔ فکر نہ کر، اللہ بہتر کرے گا۔ جا اب آرام کرنے دے۔“ زیب کا موڈ آف تھا مگر نوراں سے ناراض نہیں تھی۔ لیکن نوراں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”بی بی! آپ ناراض تو نہیں؟“

”او نہیں نہیں...... تُو تو میری چھوٹی بہن ہے۔ کوئی چھوٹی بہنوں سے بھی خفا ہوتا ہے بھلا؟ چل شاباش میرے لئے دودھ گرم کر کے لے آ۔“ زیب نے نوراں کو گلے سے لگایا تو وہ خوش ہو گئی۔

”میں نوکر، میں غلام میری بی بی...... میں ابھی لائی۔“ نوراں دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

زیب کافی دیر خاموش لیٹی سوچتی رہی۔ پھر فون کرنے بیٹھ گئی۔

”ہاں ہیلو، میں بول رہی ہوں، زیب۔ کہاں ہیں تمہارے صاحب......“ زیب وجاہت سے بات کرنا چاہتی تھی۔

”السلام علیکم بی بی! صاحب تو نہیں ہیں کوٹھی پر۔“ ملازم نے جھٹ سلام جھاڑ کر وجاہت کی عدم موجودگی کی اطلاع دی تو زیب کو غصہ آ گیا۔

”اوہو...... وہ کبھی گھر پر ہوتے بھی ہیں...... وہ آئیں تو بول دینا کہ ہر حال میں گھر پر فون کریں۔ ضروری بات کرنی ہے۔“

”اچھا جی......“

زیب نے غصے سے ریسیور پٹخ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ نزہت کو ہر حال میں حویلی سے نکالنا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے بڑے خطرناک عزائم بنا رکھے تھے۔



وجاہت علی حویلی اور حویلی کے مکینوں سے بے خبر اپنی دنیا میں مگن تھا۔ شہلا اب پسند سے زیادہ اس کی ضد بنتی جا رہی تھی۔ وہ جتنا اس کے قریب ہوتا وہ اتنا ہی دور ہو جاتی۔ دوسرا خطرہ اس کو انور سے لاحق ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ شاطر آدمی ہے۔ کسی وقت بھی کوئی ایسی چال چل کر سارا کھیل بگاڑ دیگا۔ اس وقت بھی وہ مسلسل شہلا کو فون کر رہا تھا مگر اس کا فون انگیج جا رہا تھا۔ اسے شبہ ہی نہیں یقین تھا کہ فون پر انور ہو گا۔ اس بار اس نے نمبر ملایا تو مل گیا۔

”ہیلو...... کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں مگر مستقل انگیج تھا۔ انور کا آیا ہو گا؟“ وجاہت نے چھوٹتے ہی شہلا سے شکوہ کر ڈالا تو شہلا کو حیرت ہوئی کہ کیسا آدمی ہے۔ نہ سلام نہ دعا، چھوٹتے ہی شکوے کرنے لگا۔ وجاہت نہیں جانتا تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اس کا امیج خراب ہوتا ہے۔

”پہلی بات تو یہ وجاہت صاحب! کہ فون میری ایک دوست کا تھا، انور صاحب

کا نہیں۔ وہ کیوں مجھے فون کرنے لگے؟ دوسری بات یہ کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ آپ مجھے فضول ٹوکا کریں یا مجھ پر شک کریں۔'' شہلا واقعی ناراض ہوگئی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔

''اوہو بھئی شہلا! تم تو ناراض ہونے لگیں۔ بھلا میں تم پر شک کیوں کرنے لگا...... تمہاری شخصیت تو کھلی کتاب کی طرح میرے سامنے ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ وہ باتونی آدمی ہے، مجھ سے بھی گھنٹوں فون پر بات کرتا ہے۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ خیر چھوڑو، یہ بتاؤ آج شام کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کی خفگی کے خیال سے فوراً لائن پر آ گیا۔

''کچھ نہیں۔'' شہلا نے مختصر جواب دیا۔

''تو پھر کچھ کرنا چاہئے...... میرا مطلب ہے کہ آج شام کہیں ساحل پر چلیں۔''

''کیوں خیریت ہے...... آج ساحل کا خیال کیسے آ گیا آپ کو......؟'' شہلا کو خود ساحل پر شام گزارنا اچھا لگتا تھا۔

''بھئی آج ہمارا جنم دن ہے تو خاص دن تو ہوا ناں۔''

''اوہ...... اچھا...... مبارک ہو۔ ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' شہلا نے سب کچھ بھلا کر خوش دلی سے اسے مبارکباد دی۔

''اوہوں...... ایسے نہیں...... بھئی برتھ ڈے کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔''

''اوہ اچھا...... اچھا...... چلئے ہم وہ تقاضے بھی پورے کرلیں گے۔ آپ کے لئے تحفہ خرید لیں گے۔'' شہلا اس سے اس کی پسند پوچھ رہی تھی۔ وہ شوخ ہو گیا۔

''جو تحفہ میں مانگوں گا دو گی ناں......؟'' شہلا اس کی بات سمجھ کر چپ سی ہو گئی۔

''شہلا میں نے کچھ پوچھا ہے۔'' وجاہت نے اپنی بات دہرائی تو وہ چونک گئی۔ وہ گھبرا گئی تھی۔ وجاہت کی محبت اور توجہ تو ایک طرف تھی، ابو اور امی بھی چاہتے تھے کہ وہ وجاہت سے شادی کرلے۔

''اچھا چلیں...... دیکھتے ہیں۔ ویسے خدا سے مانگنا چاہئے، انسان سے نہیں۔

انسان کبھی کسی انسان کی طلب پوری نہیں کر سکتا۔''

''ارے شہلا تمہیں کیا خبر کتنا مانگا ہے تمہیں اپنے رب عظیم سے......'' وجاہت کی یہ ادا تھی جب عورت سے بات کر رہا ہوتا تو وہ اس کے لہجے کی گمبھیرتا میں کھو کر رہ جاتی اور شہلا بھی بالآخر اس کے لئے دل میں نرم گوشہ محسوس کرنے لگی تھی۔

''اچھا چلیں...... آپ آئیں۔ امی سے اجازت مل گئی تو ساحل پر بھی چلے جائیں گے۔'' شہلا کا انداز مہربان تھا۔ وجاہت کھل اٹھا...... اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ شہلا کے گھر تھا۔

''آؤ بیٹا مبارک ہو...... مجھے تو شہلا نے ابھی بتایا ہے کہ آج تمہاری برتھ ڈے ہے۔ خدا مبارک کرے اور زندگی کی خوشیاں دے...... ہم بزرگ تو دعاؤں کا تحفہ ہی دے سکتے ہیں۔'' وجاہت آیا تو مسز سلیم نے اسے مبارکباد کے ساتھ دعاؤں کا تحفہ دیا۔ وہ خوش ہو گیا۔

''ارے آنٹی...... دعاؤں سے بڑھ کر بھی کوئی تحفہ ہوا ہے کبھی؟ میرے لئے آپ بزرگوں کی دعائیں بیش قیمت تحائف سے زیادہ اہم ہیں۔ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں اور شہلا یہ موقع کہیں باہر انجوائے کرلیں؟'' وجاہت نے جھجکتے ہوئے سلیم صاحب کو دیکھا تو انہوں نے بھی اسے دیکھا۔

''وجاہت میاں! مجھے یہ باتیں مناسب نہیں لگتیں کہ شادی سے پہلے یوں لڑکی لڑکا گھومیں پھریں۔ پھر ابھی تو کچھ پتہ بھی نہیں۔'' سلیم صاحب نے صاف گوئی سے کہا تو ناگوار تو وجاہت کو بہت گزرا مگر وہ انکار سننے کا عادی ہی کب تھا اور نہ ہی بزرگوں کا ادب لحاظ کرتا تھا۔ اس نے تو باپ کی عزت نہیں کی تھی۔ مگر اب اپنا بھرم رکھنے کے لئے جعلی تابعداری تو کرنا ہی تھی۔

''او کے جی...... جیسا آپ کا حکم! آپ حکم کریں گے تو میں یہاں آؤں گا بھی نہیں۔ مگر انکل جو میں چاہتا ہوں آپ اس کا جواب بھی تو دے دیں تاکہ ہر کام اصول کے مطابق ہو۔'' وجاہت کو بھی موقع مل گیا تھا اپنی بات کہنے کا۔

''وجاہت بیٹے! بظاہر تو ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں مگر جب تک شہلا کی رضامندی شامل نہیں ہوتی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو شہلا کی رضامندی یا انکار بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ جب اللہ چاہتا ہے کہ کوئی کام ہو جائے، اسے ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر میرے مولا کی رضا نہ ہو تو کوئی ایسے کر ہی نہیں سکتا۔ ناممکن ہے کہ پھر وہ کام ہو جائے۔ اس لئے بندے کو اپنے ہر کام کے لئے اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے التجا کرنا چاہئے۔ خیر کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔''

سلیم صاحب کی باتیں دل میں اتر رہی تھیں۔ وجاہت سر جھکائے سنتا رہا۔

''اچھا چلیں پروفیسر صاحب! آج تو اچھا دن ہے۔ گھومنے کی اجازت دے دیں بچوں کو۔'' مسز سلیم دونوں کی حمایتی بن کر آ گئیں تو سلیم صاحب کو اجازت دینا پڑی۔

گرین کلر کی ساڑھی میں شہلا اس کے سنگ سنگ چل رہی تھی۔ وجاہت کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دوسری دو عورتیں بغیر کسی کوشش کے زندگی میں آ گئی تھیں شاید اسی لئے بے وقعت تھیں۔ شہلا کے لئے اس کو پاپڑ بیلنے پڑ رہے تھے مگر اسے یہ سب زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔

ڈوبتے سورج کی بنفشی کرنوں کی سرخیوں نے ساحل کے ماحول کو بڑا خوبصورت اور رومانٹک بنا دیا تھا۔ وجاہت کی نظریں شہلا پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

''میرا سالگرہ کا تحفہ نہیں دو گی شہلا؟'' ریت پر بیٹھ کر دونوں نے کیک کاٹا تو وجاہت نے تحفے کے لئے ہاتھ شہلا کے سامنے پھیلا دیا۔ شہلا نے قریب پڑا گفٹ پیک وجاہت کی طرف بڑھایا۔

''مجھے یہ گفٹ نہیں چاہئے شہلا.....'' وجاہت نے گفٹ لینے سے انکار کر دیا۔

''اچھا، پھر.....؟'' شہلا کے چہرے پر شوخ سی حیرت نے اسے مزید حسین بنا دیا تھا۔

''مجھے یہ گفٹ چاہئے'' وجاہت نے دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا نرم و نازک مرمریں ہاتھ تھام لیا تو دھنک کے کئی رنگ شہلا کے چہرے پر بکھر گئے مگر وہ سمجھدار اور مضبوط لڑکی تھی، ان کمزوریوں کو خود پر طاری نہیں ہونے دیتی تھی۔ اس نے جھٹ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا۔

''آپ نے سنا نہیں تھا وجاہت کہ ابو نے کیا کہا ہے..... اور میرا بھی یہی فیصلہ ہے کہ اگر اللہ کو منظور ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔'' اور بالآخر شہلا نے وہ جملہ کہہ ہی ڈالا جس کو سننے کو وجاہت بے چین تھا۔ وہ خوشی سے دیوانہ سا ہو گیا۔

''تھینک یو شہلا..... تمہیں اندازہ نہیں شہلا کہ میں کس قدر بے چین تھا تمہارے منہ سے اقرار سننے کے لئے۔ اوہ میرے خدا! میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں.....''

بعض اوقات انسان جو چاہ رہا ہوتا ہے جب اللہ اس کی خواہش پوری کر دیتا ہے تو اس کو یقین نہیں آتا اور اسی طرح وجاہت کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ شہلا نے ہاں کر دی ہے..... پھر دونوں گھومتے رہے۔ شہلا بھی خاموش تھی۔ اتنے عرصے سے وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ آج جب فیصلہ ہو گیا تو وہ خود بھی مطمئن ہو گئی۔

جب دونوں گھر لوٹے، گاڑی پورچ میں کھڑی ہی کی تھی کہ کوئی شخص پھرتی سے باڑ کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔



باڑ کی آڑ میں چھپ جانے والا شخص انور تھا جو کہ سلیم صاحب سے ملنے کی غرض سے آیا تھا مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی ان کا سامنا کرنے کی۔ وہ اندر جاؤں یا نہ جاؤں کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ اس نے وجاہت کی لینڈ کروزر آتے دیکھی۔ وہ ایک دم باڑ کی آڑ میں ہو کر دیکھنے لگا۔ شہلا اور وجاہت مسکراتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ اب اندر جانا مناسب نہیں تھا اس لئے وجاہت اور شہلا کے دیکھنے سے قبل وہ جلد واپس آ گیا۔

''ہوں..... تو وجاہت علی تم نے شہلا جیسی سمجھدار، پڑھی لکھی لڑکی کو بھی شیشے میں

اتار لیا۔ لوگ تو زیادہ سے زیادہ ایک تیر سے دو شکار کر جاتے ہیں۔ مگر تم تو بڑے کھلاڑی ہو...... کئی شکار کر جاتے ہو ایک تیر سے۔ مگر ہم بھی کچھ کم نہیں...... میں پروفیسر سلیم کے ساتھ ماضی میں کی جانے والی زیادتی کا ازالہ ضرور کروں گا۔ شہلا کو سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وجاہت نے اس کو کچھ نہیں بتایا ہوگا۔"

انور گھر آکر اپنی بیوی شائستہ سے کہہ رہا تھا۔

"خیر، ایسی بھی بات نہیں انور کہ وجاہت نے شہلا کو کچھ نہ بتایا ہو...... بتادیا ہو گا۔ اور پھر ہمیں کیا، ہم کیوں کودیں دوسروں کے معاملے میں......" شائستہ نہیں چاہتی تھی کہ انور وجاہت کے ساتھ الجھے۔

"ارے واہ......ایک بندہ ہمارے سامنے ڈوب رہا ہو اور ہم اسے بچانے کی کوشش نہ کریں یہ کہاں کی انسانیت ہے۔ بس تم چپ رہو۔ میں دیکھ لوں گا اس جاگیردار وجاہت علی کو بھی۔ ارے میرے استاد کی اکلوتی بیٹی ہے...... اور وہ اسے دھوکے سے پھانسنا چاہتا ہے۔" انور ایک تو واقعی پروفیسر سلیم کے ساتھ زیادتی کا ازالہ کرنا چاہتا تھا اور دوسرا وجاہت سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

"اچھا بھئی، جو آپ کے جی میں آئے کریں۔ مگر جو کریں ہاتھ بچا کر کریں۔" شائستہ شروع ہی سے محتاط تھی مگر انور نے جو سوچ لیا تھا وہ کر گزرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا...... وہ پُر خیال انداز میں سوچتا رہا اور اگلے ہی روز وہ پروفیسر سلیم کے گھر چلا گیا۔

"ارے انور صاحب...... آئیں پلیز، یہاں گیٹ پر کیوں کھڑے ہیں......؟" شہلا خود اسے لینے گیٹ پر آگئی۔

"مس شہلا! سر ہیں گھر پر......؟"

"جی ہاں، ہیں...... آئیں تو آپ۔"

شہلا کے اصرار پر وہ سر جھکائے اندر آگیا۔

"ابو! یہ انور صاحب ہیں، آپ کے اسٹوڈنٹ۔" شہلا نے ٹی وی کی آواز آہستہ

کر کے سلیم صاحب کی توجہ انور کی طرف دلائی تو وہ چشمے کی اوٹ سے انور کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہوگئے اور اس کو گلے سے لگا لیا۔

"ارے انور بیٹے! کیسے ہو......؟ یہاں آؤ، میرے قریب بیٹھو، آؤ۔" سلیم صاحب نے پدرانہ شفقت سے انور کی پیشانی چوم لی تو انور ندامت سے جھک گیا۔

"سر میں ان محبتوں، عنایتوں کا حق دار کہاں، ہوں...... اپنے جوتوں میں جگہ دیں تو یہ بھی احسان ہوگا آپ کا۔"

ماضی کے واقعات نے انور کو شرمندگی کے دلدل میں اتار دیا تھا۔ اوپر سے سر کی محبت نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔ وہ واقعی سلیم صاحب کے جوتوں میں بیٹھ گیا تو سلیم صاحب نے پھر اٹھا کر اسے گلے سے لگا لیا اور شہلا کی طرف دیکھنے لگے جو اس منظر سے خاصی متاثر نظر آرہی تھی۔

"بیٹی دیکھا تم نے، یہ ہوتی ہے تابعداری۔ پہلے شاگرد استادوں کا والدین کی طرح احترام کیا کرتے تھے۔ میرا یہ بیٹا بڑا ہونہار اور فرمانبردار تھا۔"

"خدا کے لئے سر! ایسی باتیں نہ کریں۔ میں تو وہ بدنصیب ہوں جس نے آپ جیسے استاد سے گستاخی کی اور آپ میری تعریف کر رہے ہیں۔ میں اس قابل نہیں سر! پلیز میری تعریف نہ کریں۔ میں خود مس شہلا کو سب کچھ بتا دوں گا کہ میں کتنا خراب طالب علم تھا آپ کا۔" انور مارے ندامت کے باقاعدہ رو رہا تھا۔

سلیم صاحب نے اسے گلے سے لگا کر پیار کیا اور کہا۔

"دیکھو انور بیٹے! اساتذہ بھی تو والدین ہوتے ہیں۔ اگر بچے اپنے والدین سے گستاخی کرتے ہیں تو والدین ان کو معاف کر دیتے ہیں۔ اگر شاگرد اساتذہ سے گستاخی کریں تو کیا وہ معاف نہیں کر سکتے؟ میں تو تمہیں معاف کر چکا ہوں۔ اور جب انسان معاف کر دیتا ہے تو پھر باقی کچھ نہیں رہتا۔ چلو شاباش، اب دل میں کوئی بات نہ رکھنا اور کوئی پرانی بات نہ دہرانا...... شہلا بیٹی! جاؤ بھائی کے لئے پانی لاؤ۔" اور پھر انور سر سلیم کی باتوں کے جواب میں ہاں میں ہاں ملاتا رہا، جی جی کرتا

رہا۔

''سر! مس شہلا بتا رہی تھیں کہ آپ کوئی کتاب لکھ رہے ہیں۔''

''ہاں میاں...... شروع تو کر رکھی ہے۔ خدا کو منظور ہوا، میری زندگی میں مکمل ہو گئی تو......''

''سر! آپ کتاب مکمل کریں...... میں خود اسے چھپواؤں گا۔'' انور سر کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا جنہوں نے اس وقت بھی اس کی عزت رکھی تھی اور آج بھی گلے سے لگا لیا تھا۔

''میاں! خدا کرے پہلے کتاب مکمل تو ہو جائے۔ اچھا انور میاں! تم سے تو اب ملاقات رہے گی۔ مائنڈ نہ کرنا، کتاب کے سلسلے میں مجھے کہیں جانا ہے۔ وہ بندہ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ میں چلتا ہوں۔''

سر کے ساتھ انور بھی کھڑا ہو گیا۔

''سر! میں تو ضرور حاضر ہوا کروں گا۔ آپ حکم کریں تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' وہ تابعداری سے اپنی خدمات پیش کر رہا تھا۔

''نہیں بھئی...... ابھی میں اتنا بھی بڈھا نہیں ہوا کہ گاڑی ڈرائیو نہ کر سکوں۔ بیٹھو، تم دونوں بہن بھائی باتیں کرو۔ میری بیٹی بھی کسی اسکالر سے کم ذہین نہیں۔'' سلیم صاحب انور کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے باہر نکل گئے۔ مسز سلیم نماز کے بعد آرام کر رہی تھیں۔

''آئیں انور صاحب! بیٹھیے۔ یہ بتائیں کہ چائے چلے گی یا کافی......؟''

''پہلی بات تو مس شہلا یہ کہ ابھی سر نے کہا تھا کہ آپ دونوں بہن بھائی باتیں کریں۔ لہٰذا آج سے آپ مجھے انور صاحب نہیں انور بھائی کہیں تو مجھے خوشی ہو گی۔ دوسری بات یہ کہ چائے پیوں گا اپنی بہن کے ہاتھوں سے بنی۔''

انور نے خلوصِ دل سے شہلا کو بہن کہا تو وہ خوش ہو گئی۔ اس کا اپنا تو کوئی بھائی تھا نہیں اس لئے وہ انور کو بھائی بنا کر خوش ہو گئی۔

''ارے واہ اللہ میاں...... یہ کیا معجزہ ہو گیا کہ بیٹھے بٹھائے پلا بڑھا بھائی مل گیا۔ میں تو خدا کا شکر ادا کر رہی ہوں۔ آپ بیٹھیے، میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' شہلا مسکراتی ہوئی باہر نکلی تو اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی۔ شہلا کی بجائے انور باہر گیا۔ نجانے کیوں شہلا کا دل دھڑک اٹھا کہ کہیں وجاہت نہ ہو۔

''کون تھا انور بھائی......؟'' انور واپس آیا تو وہ میز پر چائے لگا چکی تھی۔

''کوئی نہیں...... وہی سر کے دوست تھے جن کے پاس سر گئے ہیں۔ پوچھ رہے تھے کہ سلیم صاحب ہیں کہ نہیں...... میں نے بتا دیا آپ ہی کی طرف گئے ہیں......''

پھر انور کتنی ہی دیر شہلا سے باتیں کرتا رہا۔ شہلا کو تو انور میں کوئی برائی نظر نہیں آ رہی تھی۔ یوں بھی وہ اسے بھائی کہہ چکی تھی۔ اور جب رشتوں کو نام دے دیا جاتا ہے تو انسان کو ویسی ہی انسیت ہو جاتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ انور آہستہ آہستہ اپنے اصل مقصد کی طرف آ رہا تھا۔

''شہلا! اِک بات پوچھوں، مائنڈ تو نہ کرو گی؟''

''جب درمیان میں اتنا پیارا رشتہ موجود ہو بہن بھائی والا تو پھر کسی بات پر مائنڈ نہیں کیا جاتا۔ آپ کہیے، میں سن رہی ہوں۔'' کپ میز پر واپس رکھ کر شہلا اطمینان سے پوری طرح انور کی طرف متوجہ ہو گئی تو انور کچھ دیر تک سوچتا رہا اسے ابھی یہ بات کرنا بھی چاہئے کہ نہیں۔ ممکن ہے شہلا کو پہلے سے خبر ہو اور نجانے وہ اس کی بات کا کیا مطلب لے کہ اپنے دوست کی برائی کر رہا ہے۔

''آپ کچھ کہہ رہے تھے انور بھائی......؟'' شہلا نے پھر اسے یاد دلایا تو وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔

''دیکھو شہلا! اب جبکہ میں تمہارا بھائی بن گیا ہوں تو اپنے فرائض بھی سمجھتا ہوں۔''

''جی ضرور...... آپ بھی اپنے حقوق و فرائض کا خیال رکھیں اور میں بھی، تب ہی تو رشتوں میں توازن برقرار رہتا ہے۔ جب دونوں فریقین اپنے اپنے حقوق و فرائض

کو احسن طریقے سے ادا کریں۔ آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں شہلا کہ تمہارے اور وجاہت کے درمیان صرف دوستی کا رشتہ ہے یا کچھ اور بھی ہے اس سے آگے......" انور کی بات خاصی غیر متوقع تھی۔ شہلا کچھ دیر حیران نظروں سے انور کو دیکھتی رہی پھر پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔ نظریں آپ ہی جھک گئیں۔

"دیکھیں انور بھائی! جہاں تک وجاہت اور میرا تعلق ہے تو پہلے تو یہ تعلق صرف دوستی کی حد تک تھا مگر وجاہت کچھ اور بھی چاہنے لگے تھے۔ امی ابو کو بھی پسند ہیں اس لئے میں نے بھی ہاں کہہ دی۔" جھجکتے ہوئے شہلا نے اسے بتایا تو وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

"ہوں...... شہلا! وجاہت میرا دوست ہے۔ یقیناً اس نے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔" انور نے خالصتاً اگلوانے کے انداز میں پوچھا تو شہلا اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"سب کچھ کیا...... اس نے سب کچھ بتا دیا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہے اور یہ کہ اس کی بیوی ہے۔" جو شہلا کو علم تھا وہی اس نے بتا دیا۔

"ہوں...... تو اس نے صرف بیوی کے بارے میں بتایا ہے، بیویوں کے بارے میں نہیں۔" انور نے بھی سوچ لیا تھا کہ وجاہت کا پول کھول کر ہی رہے گا۔

"بیویوں کے بارے میں...... کیا مطلب ہے آپ کا انور بھائی؟" شہلا اندر سے تو ڈول ہی گئی تھی مگر پھر بھی مضبوطی کا مظاہرہ کر گئی۔

"اسی لئے تو شہلا! میں چاہتا تھا کہ تمہیں ساری حقیقت بتا دوں۔ وجاہت جو نظر آتا ہے وہ ہے نہیں...... وہ ان پڑھ ہے۔ بس معمولی تعلیم حاصل کی ہے۔ وجاہت کی دوسری بیوی بھی ہے اور تین بچیاں بھی ہیں اور......" انور بتا رہا تھا اور شہلا کو محسوس ہو رہا تھا گویا کہیں دھماکے ہو رہے ہوں۔

"میرے خدا...... یہ شخص اتنے دنوں تک جھوٹ بولتا رہا۔ جو شخص اپنی اولاد کے

وجود سے منکر ہو جائے وہ میرا وفادار کیونکر ہو سکتا ہے۔" شہلا مستقل جھٹکوں کی زد میں تھی۔

"شہلا دیکھو تم میری بہن ہو، میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اسی لئے تو سر سلیم سے اتنا شرمندہ ہونے کے باوجود میں سامنے آ گیا کہ کہیں تم بھی وجاہت کی جھوٹی محبت کی اندھیر نگری میں نہ گر جاؤ۔ یہ شخص شوقین ہے شادیاں کرنے کا۔ جو لڑکی پسند آ جاتی ہے اسے ہر قیمت پر حاصل کر کے رہتا ہے۔ اس سے پہلے بھی نزہت غریب لڑکی کو برباد کر چکا ہے۔ اسے بیوی کی حیثیت حاصل نہیں۔ بیوی وہ صرف زیب بیگم کو ہی کہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس کے خاندان کی عورت ہے۔"

انور تو اور بھی تفصیلات بتا رہا تھا مگر شہلا تو کہیں اور تھی۔ اسے یہی دکھ ہو رہا تھا کہ اس شخص نے اس کو بے وقوف بنایا ہی تھا، اس کے معصوم والدین کو بھی شیشے میں اتار لیا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو شہلا! بخدا ان باتوں میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔ چاہو تو تم تصدیق کروا لو، اپنے طور پر پتہ کروا لو۔" انور نے کہا تو وہ دکھ سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے نہیں انور بھائی! آپ جھوٹ کیوں بولنے لگے۔ دکھ ہے تو اس بات کا کہ اس نے ہم تینوں کو کس طرح بے وقوف بنایا ہے۔ آپ کی بات کی سچائی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ میرا دل اس کے لئے کیوں تیار نہیں تھا۔ یقیناً وجاہت کے دل میں کھوٹ تھا۔ تب ہی تو...... لیکن خیر اب بھی اسے سمجھ لوں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے بروقت بچا لیا۔" شہلا نے مطمئن ہو کر گہرا سانس لیا۔ مگر پھر بھی دل میں ٹیس سی ضرور اٹھ رہی تھی۔ دونوں ابھی باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"میں اندر آ سکتا ہوں......؟"

"ارے آپ! وجاہت صاحب آپ...... آیئے ناں...... باہر گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا کیا......؟" شہلا کے دل میں ایک دم سے اس کے خلاف نفرت اٹھی کہ یہ شخص اس

قدر سفاک ہے کہ اپنی اولاد کے وجود سے منکر ہے۔ مگر وہ پڑھی لکھی خاتون تھی، بات سلیقے سے کرنا چاہتی تھی اور اسے ایسا سبق دینا چاہتی تھی کہ وہ نہ صرف راہ راست پر آجائے بلکہ آئندہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرے۔

انور کو دیکھ کر وجاہت کے دماغ میں یوں بھی بجلیاں سی کوند گئی تھیں۔ اب تو انور باقاعدہ حریف بن کر اس کے سامنے آگیا تھا۔

"وہاں چوکیدار تو تھا مگر اس نے اندر آنے سے روکا نہیں۔ یہ کہا کہ بی بی کمرے میں ہیں۔ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ آپ اندر چلے جائیں۔ میں آگیا۔ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" وجاہت کے لہجے میں طنز اور آنکھوں میں انور کے لئے قہر تھا۔ انور بھی اس کی حالت کو محسوس کر کے خوش تھا۔ کیونکہ اس نے جو کام کرنا تھا وہ کر چکا تھا۔

"یہ میرے مہمان بہت اہم ہیں وجاہت! ان کو ایک تو آپ اپنے دوست کی حیثیت سے جانتے ہیں، دوسری حیثیت ان کی یہ ہے کہ یہ آج سے میرے بھائی ہیں۔ نئی حیثیت سے ان سے ملئے میرے بھائی انور۔ آئیں بیٹھیں آپ۔" خود پر بہت کنٹرول کرنا پڑا تھا شہلا کو۔ اس وقت اسے وجاہت دنیا کا سب سے بڑا فریبی لگ رہا تھا جس نے ایک ساتھ کئی عورتوں کو دھوکا دیا تھا اور وجاہت جو انور کی عیاریوں سے واقف تھا اب اس کا شہلا کا بھائی بن جانا نیک شگون تو نہیں تھا۔ مگر وہ بھی چالاک تھا۔ شہلا کو کھونا نہیں چاہتا تھا اس لئے سب کچھ بھلا کر انور کی طرف بڑھا اور ہاتھ ملا کر بغل گیر ہو گیا۔

"چلو انور آج میرے اور تمہارے درمیان ایک نیا رشتہ استوار ہو گیا۔ اور میرے خیال میں تم اپنے اور میرے درمیان ایسے ہی رشتے کے خواہش مند تھے ناں......" وجاہت نے در پردہ انور کو یہ بات یاد دلائی کہ وہ اپنی بہن کی شادی اس سے کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں دیکھو...... جو خدا کو منظور...... یہ بتاؤ کہ حویلی میں تو خیر ہے یا اور......"

"انور بھائی! آپ ذکر کر رہے تھے ابو کی کتاب کا کہ آپ اسے شائع کرائیں گے۔ اس سلسلے میں آپ ابو سے بات کریں۔ وہ بہت خوش ہوں گے۔"

انور یہ چاہتا تھا ابھی وجاہت کا پول کھول کر اسے ذلیل کیا جائے مگر شہلا سمجھدار تھی۔ اس نے انور کی بات کاٹ کر کچھ اس انداز میں بدلی کہ انور بھی سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

"ہاں، سر سلیم سے بات کروں گا۔" انور نے کہا۔

"وجاہت صاحب! آپ کے لئے تازہ چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے شہلا! آپ اب چائے بنائیں اور پئیں۔ میں چلتا ہوں۔ سر آجائیں تو میرا اسلام کہہ دیں۔ او کے یار وجاہت! فرصت ملے تو گھر آنا۔ اچھا شہلا، چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔"

انور وجاہت سے ہاتھ ملاتا شہلا کو خدا حافظ کہتا چلا گیا۔ اب شہلا اور وجاہت ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھے تھے۔ وجاہت کو شک تھا کہ کہیں انور نے اس کے بارے میں سب کچھ نہ بتا دیا ہو۔ اور شہلا کا تو یہ حال تھا کہ وجاہت اسے زیادہ پسند تو پہلے بھی نہیں تھا۔ اب اتنے بڑے جھوٹ کے بعد تو وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ سمجھداری سے بات کرنے کی عادی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں وجاہت صاحب؟" شہلا نے گم صم بیٹھے وجاہت کو دیکھا۔

"دیکھو شہلا! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ انور ٹھیک بندہ نہیں...... اس سے بچ کر رہنا۔ یہ بچھو صفت ہے، ڈنک مارنے سے نہیں چوکتا۔"

"بچھو آستین کے سانپ سے تو بہتر ہی ہوتا ہے وجاہت جو سامنے آن کر ڈنک مارتا ہے چھپ کر وار نہیں کرتا کہ انسان اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ کر سکے۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر تم اس ذکر کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ سلیم صاحب سے بات کب کروں باقاعدہ رشتے کی......؟"

"جی......!" وجاہت کی بات پر شہلا چونک کر اسے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر نظریں چرا کر کھڑکی کی طرف کھڑی ہو گئی۔ "جب اس بات کا وقت آئے گا تو میں آپ کو خود ہی بتا دوں گی وجاہت صاحب! ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ ارے دیکھئے چائے کی آفر کر کے میں بھول ہی گئی۔ میں ابھی بنا کے لائی۔" شہلا کھڑی ہونے لگی۔ مگر وجاہت اس سے قبل کھڑا ہو گیا۔ بغور شہلا کا چہرہ دیکھتا رہا، کچھ سوچتا رہا، پھر معنی خیز انداز میں سگریٹ کا دھواں فضا میں پھیلایا اور قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے۔

"نہیں شہلا! مجھے چائے کی کوئی طلب نہیں۔ ضرورت جس بات کی ہے تم اس سے گریز پا ہو تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت کہاں رہ جاتی ہے۔"

"ارے وجاہت صاحب! آپ تو ناحق خفا ہو رہے ہیں۔ میں نے کب انکار کیا ہے۔ بس ذرا وقت ہی تو مانگا ہے۔ آپ ذرا سا انتظار بھی نہیں کر سکتے؟" شہلا نے فوراً اسٹائل سے اس لئے کہا کہ وہ ابھی سے کام خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی تو اسے بہت کچھ اگلوانا تھا اس سے۔ حق داروں کو حق دلوانا تھا۔ اور یہ کام نرمی سے ہو سکتا تھا، سختی سے نہیں۔

وجاہت چڑ سا گیا۔ "انتظار...... انتظار...... آخر کب تک انتظار کروں......؟"

"بس تھوڑا سا انتظار وجاہت صاحب! ابو کتاب کے سلسلے میں بہت مصروف ہیں اور میں ان کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی۔ پھر جو آپ کہیں گے وہی ہو گا۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اس کی مسکراہٹ کے فریب میں آ گیا۔ موڈ بحال ہو گیا۔

"پکی بات ہے......؟" وہ اس کا نرم ہاتھ تھامے یقین دہانی چاہتا تھا۔ اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی قید سے آزاد کرایا۔

"بالکل پکی!" وہ مسکرائی اور چائے بنانے چلی گئی۔ چائے کے دوران دونوں باتیں کرتے رہے۔



"اتنا بڑا دھوکا، اتنا بڑا فریب امی! اس ذلیل انسان نے کتنے اعتماد سے کہا تھا

کہ زیب اس کی کزن اور ان پڑھ بیوی ہے۔ اولاد نہیں ہے۔ وہ تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اسے اولاد کی بہت خواہش ہے اور اسی وجہ سے وہ دوسری شادی بھی کرنا چاہتا ہے اور...... اور اس لحاظ سے اس کی نظر عنایت میرے اوپر تھی۔ امی یہ دھوکا فریب نہیں تو اور کیا ہے کہ دوسری بیوی اور اولاد کو چھپایا۔ اس کی دوسری بیوی اس کی تین بچیوں کی ماں ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔"

وجاہت کے جانے کے بعد شہلا امی کو اس کی اصلیت کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ وہ جوان دونوں کی شادی کے خواب دیکھ رہی تھیں پریشان ہو گئیں۔

"کیا یہ سچ ہے بیٹی؟ ایسا نہ ہو کہ انور غلط بیانی سے کام لے رہا ہو......" امی کو نجانے اس کی شرافت پر ایسا کیا اعتبار تھا کہ ان کو ابھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"امی جان! یہ حقیقت ہے...... انور نے جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن میں بھی اس دھوکا باز کو بخشوں گی نہیں۔ یہ کیا سمجھتا ہے کہ یہ ہر کسی کو بے وقوف بنا لے گا؟ میں اسے اچھی طرح بتاؤں گی کہ کس طرح بے وقوف بنایا جاتا ہے۔" شہلا کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ وہ یہ بات برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ اسے بے وقوف بنا کر چلا جائے۔ اسے شدید قسم کا تاؤ آ گیا تھا۔

"دیکھو بیٹا! خود ہی خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤ ایسے لوگوں کو منہ نہیں لگایا جاتا۔ کوئی ضرورت نہیں اس سے الجھنے کی۔ نجانے کس قماش کا آدمی ہے اور تمہارے ابو بڈھے ہو گئے ہیں۔" امی خوف زدہ ہو گئیں کہ کہیں وجاہت اس کو نقصان نہ پہنچائے۔

"اللہ نگہبان ہوتا ہے امی! آپ سوچئے تو، جو شخص اپنی اولاد کے وجود سے منکر ہو سکتا ہے اس کی محبت قابل اعتبار ہو سکتی ہے بھلا؟ آپ گھبرائیں نہیں...... ایسا کچھ نہیں ہو گا...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لیکن بیٹا! ایسے لوگوں سے منہ ماری اچھی نہیں ہوتی۔"

"تو امی کیا ایسے لوگوں کو معاشرے میں کھلا چھوڑ دیا جائے کہ جس کو چاہیں اپنے

دام میں گرفتار کر کے اذیت پہنچائیں۔ امی ہمیں برائی کے خلاف بولنا چاہیے۔ کچھ کرنا چاہیے۔ تب ہی برائی ختم ہو گی۔ آپ اللہ سے بس دعا کرتی رہا کریں، فکر مند نہ ہوا کریں۔ بس اب آپ بے فکر ہو کر سو جائیں۔ ابو آئیں گے تو میں ان کو کھانا گرم کر کے دے دوں گی۔'' شہلا نے ان کا کمبل درست کیا اور اپنے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

یہ رات اس پر بہت بھاری تھی جو اتنی حلیم، دوسروں کے کام آنے والی، اپنی ذات سے ذرا سی بھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی تھی۔ اللہ نے عزت دی۔ سب اس کی عزت کرتے تھے اور یہ وجاہت نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ وہ انجانے میں دوسری عورتوں اور ان کے بچوں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے لگی تھی۔

''میرے خدا مجھے معاف فرمانا...... اور اس وجاہت کے شر سے بچانا...... میرے اللہ میری مدد فرما!'' فجر کی نماز کے بعد سجدے میں گری وہ شدت سے روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ رہی تھی۔ اس نے آئندہ کے لئے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ وہ بے بس نزہت اور اس کے معصوم بچوں کے ساتھ زیادتی کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی۔

ناشتے کے بعد اس نے انور کو فون کیا۔

''ارے خیریت شہلا......؟'' انور نے پریشانی سے پوچھا۔

''اب خیریت کہاں انور بھائی...... بس آج شام کو آپ آ جائیں، کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں شہلا! میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

اور پھر شام کو انور اس کے سامنے بیٹھا اسے سمجھا رہا تھا۔

''دیکھو شہلا! میں تو تمہیں یہی کہوں گا کہ تم اس سے خود کنارہ کش ہو جاؤ۔ وہ کیا ہے کیا کر رہا ہے کسی کے ساتھ ہمیں کیا۔ میں تو تمہیں مشورہ دوں گا کہ......''

''نہیں انور بھائی! میں خود غرض نہیں ہوں کہ خود تو پیچھے ہٹ جاؤں اور برائی کو

برائی ہی رہنے دوں۔ ٹھیک ہے وجاہت یہاں سے ہٹ کر دوسری طرف چلا جائے گا مگر ان عورتوں اور بچیوں کا کیا قصور ہے جن کے حقوق مارے جا رہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس شخص کو ایسا سبق دیا جائے کہ وہ اپنے گھر، بیویوں اور اپنے بچوں کی طرف توجہ دے۔''

''ایسی ہدایت تو خدا ہی اسے دے گا۔ ہو سکتا ہے مسیحا تم بن جاؤ۔''

''پھر نیک کام میں دیر کیوں...... اچھا آپ یہ بتائیں کہ اس کی دوسری بیوی کا کیا بیک گراؤنڈ ہے؟''

''نزہت ایک غریب مگر شریف لڑکی تھی شہلا۔ میرے ہی آفس میں کام کرتی تھی۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ وہ بے حد اچھی اور حسین لڑکی تھی۔ خود میری نیت بھی اس کے لئے خراب تھی مگر وہ بڑے مضبوط کردار کی مالک تھی۔ میں اسے طرح طرح سے آزماتا اور تنگ کرتا مگر وہ اچھی لڑکی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے کام کرتی رہی۔ پھر ایک روز وجاہت مجھ سے ملنے آفس آیا۔ وہیں اس نے نزہت کو دیکھا اور گرفتارِ عشق ہو گیا۔ مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ اس نے نزہت جیسی مضبوط لڑکی کو کیسے اپنے جال میں پھنسایا۔ میں نے نزہت کو بہت سمجھانا چاہا کہ یہ شخص اچھا نہیں مگر ایک تو میں اس پر اپنا اعتماد کھو چکا تھا دوسرا وجاہت کی محبت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ دونوں نے شادی کر لی۔ وجاہت نے وعدہ کیا تھا کہ وہ نزہت کو یہاں شہر والی کوٹھی میں رکھے گا۔ مگر شادی ہوتے ہی وہ اسے حویلی میں لے گیا اور پلٹ کر شہر کی صورت دیکھنے نہیں دی۔ پھر تین بچیاں ہو گئیں تو نزہت کی زندگی عذاب ہو گئی۔ حویلی کا ایک بندہ میرے ایک دوست کے ہاں ملازم ہے۔ اس نے بتایا کہ نزہت کے ساتھ اس کی پہلی بیوی زیب کا رویہ انتہائی ظالمانہ ہے۔ وہ بچیوں پر بھی ظلم کرتی ہے۔ بہت برے حال میں ہے نزہت اور اس کی بچیاں...... خدا جانتا ہے شہلا میں خود بھی برا آدمی تھا مگر اب اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کرتا ہوں۔ دل چاہتا ہے کچھ نیک کام کر کے اپنے خراب ماضی کو صاف کر لوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔''

انور واقعی صدقِ دل سے خدا سے معافی مانگ رہا تھا۔ شہلا بغور یہ تمام باتیں سن رہی تھی۔ انور کے چہرے پر سچائی عیاں تھی۔ اسے یقین آ گیا۔ مگر نزہت اور بچیوں کا سن کر اسے بڑا دکھ ہو رہا تھا۔

"انور بھائی! جب آپ نے خدا سے توبہ کر کے نیک کام کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو آغاز نزہت اور اس کی بچیوں سے کیا جائے۔ یہ بتائیں کہ آپ کبھی حویلی گئے ہیں؟"

"ہاں...... وجاہت میرا اچھا دوست بھی رہا ہے۔ مگر چونکہ اس وقت میں خود بھی بری سوچ رکھتا تھا اس لئے اس کی برائیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ اب جبکہ خدا نے ہدایت بخشی ہے تو اندازہ ہوا کہ نیکی کتنی بڑی نعمت ہے۔ میں تین چار مرتبہ اس کی حویلی گیا ہوں۔"

"ہوں...... تو پھر آپ ایک بار پھر حویلی جائیے اور نزہت سے مل لیجئے۔"

"میں سمجھا نہیں......؟" انور اس کی بات کو نہ سمجھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ڈوبتے ہوئے کو اگر ہم بچا سکتے ہوں تو بچا لیں یہ اچھا اور نیک کام ہوتا ہے انور بھائی! کیا آپ یہ نیک کام نہیں کریں گے؟"

"ضرور...... ضرور کروں گا۔" انور گرم جوشی سے بولا۔

"اور وہ ملازم جس کا آپ نے ذکر کیا ہے...... اس کا کیا نام ہے؟"

"حیدر...... بڑا اچھا اور سلجھا ہوا ہے۔ کم عمر ہے مگر وفادار اور جاں نثار قسم کا لڑکا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے...... ہم اس کی وفا کو آزما لیتے ہیں۔ بس آپ جتنی جلدی ہو نزہت سے ملاقات کریں، پھر آئندہ کا پروگرام بنائیں گے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" شہلا اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے شہلا! خدا ہمیں یہ اور دوسرے بھی نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں انشاء اللہ جلد ہی حویلی جانے کا پروگرام بناتا ہوں......"

"انور بھائی! یہ احتیاط رہے کہ وجاہت کو آپ کے کسی پروگرام کا علم نہ ہو۔"

"کیسے علم ہو سکتا ہے شہلا! تم فکر نہ کرو اور اللہ سے دعا کرو کہ یہ نیک کام پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔"

"انشاء اللہ...... اللہ کی مدد سے پہنچے گا۔"

"اچھا پھر شہلا! میں چلتا ہوں۔ آج پھر سر سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ خدا حافظ۔"

شہلا کو خدا حافظ کہہ کر جیسے ہی انور باہر گاڑی اسٹارٹ کر کے ریسورس کر رہا تھا تو ایک سیاہ رنگ کی شیراڈ برق رفتاری سے اس کی گاڑی کی بیک سائیڈ کو ٹکر مارتی تیزی سے چلی گئی اور اڑتی دھول میں وہ نمبر بھی نوٹ نہ کر سکا، پریشان سا دیکھتا رہ گیا اور شہلا کو بتائے بغیر گھر آ گیا۔



"خان! اس نے دیکھا تو نہیں تھا؟" وجاہت، خان کے اندر آتے ہی پوچھ رہا تھا۔

"نہیں صاحب! دیکھے گا کیسے...... میں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گاڑی چلائی تھی۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو سکتی کہ یہ میں تھا۔" خان شانے پر چادر درست کر کے اپنا کارنامہ بتا رہا تھا۔

"خان! صورت حال تو تمہارے سامنے ہے۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ ان دونوں کے ساتھ؟" وجاہت کو انور اور شہلا کی دوستی خطرناک لگ رہی تھی۔

"صاحب! ابھی جلدی کس بات کی ہے...... ابھی تو آپ تیل دیکھیں، تیل کی دھار دیکھیں۔ فی الحال تو ہمیں ایک کام کرنا ہے کہ ان کی باتیں اور اندر کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنا ایک بندہ ضرور مس شہلا کے گھر چھوڑنا ہوگا جو ہمیں ان کے عزائم کے بارے میں اطلاع دیتا رہے اور یہ بات ضروری ہے۔"

"یعنی کہ ہم اپنا جاسوس شہلا کے گھر چھوڑ دیں گے...... گڈ آئیڈیا۔" وجاہت بھی اب چوکنا ہو گیا تھا۔ وہ انور اور شہلا کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا اور خان کا آئیڈیا واقعی اچھا تھا کہ اپنا کوئی بندہ شہلا کے ہاں ملازم رکھوا دیا جائے۔

"تو خان! کوئی ایسا بندہ مل جائے گا جو ہمارا وفادار ہو اور وہاں کی ہر کارروائی سے ہمیں باخبر کرتا رہے؟"

"صاحب! میں آپ کا نمک خوار ہوں تو کیا میری اولاد آپ کی نمک خوار نہیں ہو سکتی؟"

"کیا مطلب......؟" وجاہت نے اس کی طرف دیکھا۔

"صاحب! میرا بیٹا پندرہ سال کا ہے۔ ہم اسے شہلا بی بی کے گھر ملازم کروا دیتے ہیں۔ اور حسن جو معلومات ہمیں دے گا وہ سو فیصدی درست ہوں گی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" اس کام کے لئے خان نے اپنا اکلوتا بیٹا حسن پیش کر دیا تو وجاہت کو اپنے اس وفادار دوست نما ملازم پر پیار آ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کو پیار کیا۔

"آفرین ہے خان تم پر...... خود بھی وفادار ہو اور اب بیٹے کو بھی اس خطرناک کھیل میں شریک کر رہے ہو۔ بڑا حوصلہ ہے تمہارا۔"

"ہم غریب لوگوں کے پاس خلوص، محبت اور وفاداری ہی تو ہوتی ہے صاحب۔ اگر میری جان آپ پر قربان ہے تو بیٹے کی جان کوئی آپ سے قیمتی ہے؟ بس آپ کسی طرح اسے شہلا بی بی کے گھر ملازمت دلوا دیں۔"

"خیر یہ تو کوئی مشکل کام نہیں...... میں ابھی شہلا کو فون کر دیتا ہوں۔" وجاہت فوراً شہلا کا نمبر ملانے لگا تو خان باہر چلا گیا۔

"ہیلو......" دوسری طرف شہلا ہی تھی۔

"وجاہت بول رہا ہوں۔"

"ارے وجاہت صاحب! آپ اس وقت...... خیریت تو ہے؟" شہلا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خیریت کہاں رہی ہے شہلا تم سے ملنے کے بعد...... خیر اس وقت تو میں نے ایک نیک کام کے سلسلے میں تمہیں ڈسٹرب کیا ہے......"

"نیک کام......؟" شہلا نے کچھ اس انداز میں کہا کہ گویا نیک کام اور آپ۔ یہ بات وجاہت نے محسوس تو کی مگر نظر انداز کر گیا۔ اب اس کی سوچ کے دھارے بدل گئے تھے۔

"ہاں...... میں نے سوچا کبھی کبھی ذائقہ بدلنے کے لئے کوئی نیک کام بھی کر لینا

چاہیے۔ پہلے وعدہ کرو کہ وہ کام ضرور کرو گی۔“

”میں حقیقت پسند لڑکی ہوں وجاہت صاحب! وعدے بلا سوچے سمجھے نہیں کرتی۔ آپ کام بتائیں۔ ہو سکا تو ضرور کروں گی۔ نہ ہو سکا تو معذرت۔“ شہلا نے کھرے لہجے میں کہا۔

”ارے بھئی کام بھی ایسا مشکل نہیں ہے۔ ایک بندہ ہے...... بندہ کیا پندرہ سالہ لڑکا ہے...... اسے ملازمت چاہیے۔ تم اسے اپنے گھر میں ملازم رکھ لو۔ بڑے کام کا بچہ ہے۔ میں خود اسے رکھ لیتا مگر یہاں تو پہلے ہی ڈھیروں ملازم مکھیاں مارتے پھرتے ہیں۔ بچہ بڑا خود دار ہے...... کہہ رہا تھا کہ تنخواہ لوں گا تو کام بھی کروں گا۔ اگر تمہارے ہاں ضرورت ہو تو ضرور یہ کام کرنا۔ پڑھائی والا بچہ ہے۔ باپ بڈھا اور بیمار ہے۔ غریب لوگ ہیں۔ چلو اسی بہانے کسی غریب کی مدد ہو جائے گی۔“

”دیکھئے وجاہت صاحب! یہ ملازم رکھنا، گھریلو ذمہ داریاں یہ سب امی کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ ان سے بات کروں گی۔ اگر ان کی ضرورت ہوئی تو ضرور رکھ لیں گی۔“

”چلیے میں ہولڈ کرتا ہوں...... تم ان سے پوچھ کر آؤ۔“

”ارے ایسی بھی کیا جلدی ہے؟“

”کمال کرتی ہو شہلا! ایک غریب بے روزگار، اسے ملازمت کی اشد ضرورت ہے اور تم کہہ رہی ہو کیا جلدی ہے۔ ٹھیک ہے، جب انسان کا خود پیٹ بھرا ہو تو دوسرے کی بھوک کا احساس کب ہو سکتا ہے؟“

”آپ تو خاصے سیریس ہو رہے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو گھر میں ضرورت نہ بھی ہوئی تو ہم اسے رکھ لیں گے۔ آپ اس کو بھیج دیں۔“ شہلا اس کی چال سے بے خبر ہمدردی کے احساس کے ساتھ بولی۔

”بھیج دوں، گویا خود نہ آؤں...... ہاں بھئی ہماری ایسی قسمت کہاں کہ......“ وجاہت مصنوعی خفگی کے ساتھ بولا۔

”چلئے آپ ہی لے کر آئیے......“ شہلا نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کی مزید بات سنے بغیر فون رکھ دیا۔ وجاہت ریسیور کو دیکھتا رہا۔

”میں سب سمجھتا ہوں...... ساری کہانی جان گیا ہوں شہلا سلیم۔ مگر کچی گولیاں تو میں نے بھی نہیں کھیلیں۔ دیکھ لوں گا تم کو بھی اور تمہارے بھائی کو بھی...... انور تو پہلے ہی میرا مقروض ہے حساب کتاب کے معاملے میں...... میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ وہ شہلا سلیم ہو یا انور۔ خان...... او خان......؟“ وجاہت نے بلند آواز میں خان کو بلایا تو خان تیر کی تیزی کے ساتھ اندر آ گیا۔

”جی صاحب......؟“

”حسن کو بلاؤ خان! ہم آج ہی حسن کو سلیم ولا لے کر جائیں گے۔ آج ہی اس کی ڈیوٹی شروع ہو جائے گی۔“ اپنے ذہن میں تیار کئے گئے پلان کے تحت اس نے حسن کے کردار کو لازمی قرار دیتے ہوئے فوری طور پر اسے طلب کر لیا۔ وہ چشم تصور میں بہت کچھ دیکھ رہا تھا۔

”جو حکم صاحب! میں ابھی حسن کو لے کر آتا ہوں۔“ خان نے اپنی گن پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے باہر آ گیا۔

بمشکل ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ خان اپنے بیٹے حسن کو لے کر آ گیا۔ چودہ پندرہ سال کا یہ لڑکا اپنے قد و قامت کی وجہ سے اپنی عمر سے بڑا ہی نظر آ رہا تھا۔ وجاہت بغور اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر وہ خان کی طرف مڑا۔

”خان! تمہارا بیٹا تمہاری طرح ہے یا......“ وجاہت نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”وفاداری اور جاں نثاری میں یہ مجھ سے زیادہ ہے صاحب! آزمائش شرط ہے۔“

پھر ایک دم خان نے وجاہت پر حملہ کر دیا۔ جس پھرتی سے خان نے حملہ کیا تھا اسی پھرتی اور تیزی سے حسن نے وجاہت کے سامنے آ کر باپ کے وار کو اپنے ہاتھ پر لیا۔ وجاہت اس سارے ڈرامے کو سمجھ نہ سکا۔ وہ قدرے خاموش اور سہمی نگاہوں سے ان دونوں باپ بیٹے کو دیکھ رہا تھا جو اس کی حیرت کی وجہ اچھی طرح جان گئے

تھے۔

"وفاداری کا مظاہرہ آپ نے دیکھ لیا صاحب! اس کی وفاداری کا مظاہرہ۔" خان داد طلب نظروں سے وجاہت کو دیکھ رہا تھا۔

"واہ یار...... تم دونوں نے تو مجھے خوفزدہ ہی کر دیا تھا۔ میں تو سمجھا کہ تم لوگوں نے شاید بغاوت کر دی ہے۔ بہرحال خوشی ہوئی مجھے وفاداری کے اس مظاہرے سے۔ تو حسن! چلیں پھر تمہاری نوکری کے لئے۔ خان! تم نے اس کا کام تو اس کو سمجھا دیا ہے ناں......" وجاہت نے پلٹ کر خان کی طرف دیکھا۔

"آپ فکر نہ کریں صاحب! مجھے بابا نے میری ڈیوٹی سمجھا دی ہے۔ آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔" حسن نے پہلی بار اپنی زبان سے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا تو وجاہت نے خوش ہو کر جیب سے کئی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ حسن نے لینے سے انکار کر دیا۔

"صاحب! کام کئے بغیر پیسے حاصل کرنا مزدوری نہیں بھیک ہے اور یہ مجھے گوارا نہیں۔ جہاں کام کروں گا وہیں سے پیسے بھی لوں گا اور آپ کا کام ہو گیا تو انعام میں جو آپ کا جی چاہے دے دیں۔ میں لے لوں گا۔" حسن کم عمر تھا مگر خاصا خود دار اور سمجھدار تھا۔ وجاہت خوش ہو گیا۔

"تو چلو آؤ پھر......"

وجاہت حسن کو لے کر شہلا کے گھر آ گیا۔ وہ یہ کام بڑی جلدی کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ حسن کو لے کر آیا تو سلیم صاحب گھر پر ہی تھے۔ حسن کی بابت پتہ چلا تو وہ خوش ہو گئے۔

"یہ تو بڑا اچھا ہو گیا وجاہت میاں! گھر میں نہ سہی مگر مجھے بڑی ضرورت تھی ایک نوجوان کی جو گھر کو بھی دیکھے اور میرے کچھ کام ہیں وہ بھی کر دیا کرے۔"

"لو بھئی حسن! اپنے بابا کو خوشخبری سنا دینا، پروفیسر صاحب نے تمہیں اپنی شفقت میں جگہ دی ہے۔ اب ان کی خوب خدمت کرنا۔" وجاہت نے حسن کو معنی خیز نظروں

سے دیکھا جیسے اسے اس کی ڈیوٹی یاد دلا رہا ہو۔

"آپ فکر نہ کریں صاحب! نہ ان کو شکایت ہو گی اور نہ آپ کو ہو گی۔" حسن بھی خاصا چالاک تھا۔ اس کا مطلب سمجھ کر اپنے نئے مالکوں کو خوش کرنے کے لئے بولا۔ شہلا بغور اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے کچھ گڑبڑ لگ رہی تھی۔ تاہم اس نے اظہار نہیں کیا۔

"اور تم تنخواہ وغیرہ کیا لو گے......؟" شہلا نے پوچھا تو حسن ہاتھ باندھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"باجی! مجھے آپ کے پاس صاحب لے کر آئے ہیں۔ جو آپ دیں گے میں لے لوں گا۔ یوں بھی کام دیکھے بغیر آپ پیسے مقرر نہ کریں۔ پہلے کام دیکھ لیں پھر تنخواہ مقرر کریں۔" لڑکا پُر اعتماد بھی تھا اور چالاک بھی۔ شہلا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور ایک وجاہت پر۔ وہ پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

"ابو! یہ لڑکا درست کہہ رہا ہے۔ پہلے کام دیکھ لیں پھر فیصلہ کریں گے کہ اس کو مزید رکھنا بھی چاہئے کہ نہیں۔"

"ارے نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں کرتے۔ اچھا لڑکا لگ رہا ہے۔ تم فکر نہ کرو میاں! سمجھو کہ آج سے تم ملازم ہو یہاں۔" شہلا کی بات پر حسن نے منہ بنا لیا تو سلیم صاحب نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"شہلا بیٹے! چائے لے جاؤ۔" اندر سے مسز سلیم کی آواز آئی۔ شہلا اٹھنے لگی تب حسن جلدی سے آگے بڑھا۔

"آپ بیٹھو باجی...... غلام کس لئے ہے...... میں لے کر آتا ہوں چائے۔" حسن جلدی سے اٹھا اور آگے بڑھا۔

"تمہیں کیا خبر کہ کچن کس طرف ہے؟" شہلا کا انداز ذرا مشکوک سا تھا۔

"لیں جی...... یہ کوئی مشکل ہے۔ بندہ ڈھونڈنے نکلے تو خدا کو بھی ڈھونڈ لیتا ہے، یہ تو کچن ہے۔" حسن نے بڑی برجستگی سے جواب دیا۔

"خدا تو ہر جگہ موجود ہے حسن! خدا کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے...... وہ تو موجود ہے...... بہرحال جاؤ چائے لے آؤ۔" شہلا نے حسن کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ وجاہت کی نظریں بھی شہلا کی ہر حرکت پر تھیں۔



حسن کے متعلق شہلا کی جو رائے تھی اس کو وہ تبدیل کرنا پڑی۔ کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ لڑکا ہوشیار ضرور تھا مگر اپنے کام سے کام رکھتا۔ پھرتیلا اس قدر کہ جن کی طرح کام کر کے حاضر ہو جاتا دوسرے کام کے لئے۔ سچ تو یہ تھا کہ زیادہ تر کام شہلا ہی کے کرتا۔ وہ بھی مطمئن ہو گئی تھی اور سلیم صاحب تو بے حد خوش تھے اس سے کہ لان کو اس نے دن رات کی محنت سے سجا دیا تھا۔ رنگ برنگے قسم قسم کے پھول اور پودے ان کو خدا کی حمد و ثناء کرتے دکھائی دیتے۔

"واہ حسن میاں! خدا تمہیں خوش رکھے...... تم نے تو لان کی صورت ہی سنوار دی ہے بھئی۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔" سلیم صاحب لان میں کرسی ڈالے چاروں طرف نگاہ ڈال کر خوش ہو رہے تھے۔

"صاحب جی! یہ تو میرا فرض ہے۔ آپ مجھ سے ہر طرح کا کام لے سکتے ہیں جی۔" اتنے سے عرصے میں حسن اس گھر کے لوگوں اور ماحول کو بڑی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ سب اس پر اعتماد کرنے لگے تھے۔

"حسن! جاؤ ذرا مارکیٹ تک چلے جاؤ اور یہ چیزیں لے آؤ۔" شہلا نے سودے کی فہرست حسن کی طرف بڑھائی۔

"باجی! کوئی آ رہا ہے کیا......؟" حسن نے پوچھا۔

"ہاں وہ میرے منہ بولے بھائی ہیں انور صاحب۔ وہ اپنی فیملی کے ساتھ آ رہے ہیں کھانے پر۔ تم جلدی سے سامان لے کر آ جاؤ تاکہ جلدی سے کھانا تیار ہو جائے۔" شہلا نے اسے انور کی آمد کے بارے میں بتایا تو حسن چوکنا ہو گیا اور وجاہت کی دی ہوئی ہدایات کانوں میں گونجنے لگیں تو وہ اور بھی مستعد ہو گیا۔

"اچھا باجی...... میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔" حسن نے اپنی سائیکل اٹھائی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ مارکیٹ جا کر اس نے پہلے وجاہت کو فون کیا اور انور کی آمد کے بارے میں بتایا۔

"شاباش...... یہ ہوئی ناں بات...... تم تو بڑے کام کے ہو یار حسن! اب تمہیں یہ کرنا ہے کہ کسی پر ظاہر کئے بغیر انور اور شہلا بی بی پر نظر رکھنا اور ان کی باتیں سننا، کیا باتیں کرتے ہیں اور پھر مجھے بتانا۔ ٹھیک ہے...... اب تم جاؤ۔ دیر نہ ہو جائے۔"

"اچھا جی...... اللہ حافظ!"

وہ جیسے ہی فون رکھ کر پلٹا تو اس کی نظریں انور کی گاڑی پر پڑیں جو گاڑی سے اتر کر بیکری کی طرف جا رہا تھا۔ حسن اس کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اپنا سودا سلف لے کر وہ جلدی سے گھر آ گیا۔ انور بھی اسے دیکھ چکا تھا مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ شہلا کے گھر ملازم ہے اس لئے اس نے اس پر توجہ بھی نہیں دی۔ لیکن گھر آ کر جب اس نے شہلا کے ساتھ اس لڑکے کو کام کرتے دیکھا تو چونکا۔

"شہلا! یہ ملازم نیا رکھا ہے؟" انور اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ حسن آہستہ آہستہ گھر کے ہر شعبے میں اپنی خدمات پیش کرنے لگا تھا۔ اس وقت وہ ٹیبل پر کھانا لگا رہا تھا۔

"جی ہاں انور بھائی! بڑا اچھا لڑکا ہے...... اور یہی تو وہ لڑکا ہے جس کے بارے میں آپ کو بتایا تھا۔"

"لیکن اس کے بارے میں تمہاری رائے پہلے تو کچھ اور تھی۔"

"ہاں...... میرا وہم تھا۔ میں سمجھی کہ وجاہت نے نوکر رکھوایا ہے تو غلط ہی ہوگا۔ مگر بڑا اچھا اور مخلص ہے۔ کام میں اس قدر تیزی کہ بھاگ بھاگ کے ہر کام کرتا ہے۔ بڑی سہولت ہو گئی ہے۔" شہلا بڑے مطمئن لہجے میں بات کر رہی تھی۔ انور حسن کو دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

"میں ایک بات بتاؤں......؟"

"جی انور بھائی!" شہلا اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کوئی گڑبڑ ہے ضرور...... میں جب تمہارے گھر آ رہا تھا تو شائستہ نے کہا کہ کیک لے آؤ۔ میں بیکری جانے کے لئے مارکیٹ رکا تو یہ فون کر رہا تھا کسی کو۔" انور نے لہجہ ذرا مشکوک کیا۔

"فون کر رہا تھا......؟" کچھ دیر کے لئے شہلا بھی چونک سی گئی۔ پھر اسے یاد آیا کہ ایک روز اس سے قبل بھی حسن کو گھر پر کام کرنے میں دیر ہوگئی تھی تو حسن نے اپنے بابا کو پی سی او سے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ دیر سے آئے گا۔

"ارے نہیں انور بھائی! دراصل بات یہ ہے کہ حسن بڑا اصولی قسم کا ہے۔ جب بھی دیر ہونے کا امکان ہو تو وجاہت کو پی سی او سے فون کر کے کہہ دیتا ہے کہ بابا کو پیغام بھجوا دیں کہ میں دیر سے آؤں گا۔ گھر سے کبھی نہیں کرتا۔ حالانکہ میں نے بارہا کہا بھی ہے مگر نہیں مانتا۔"

شہلا نے فون والی تفصیل مطمئن لہجے میں بتائی تو انور چپ ہوگیا۔ مگر وہ مطمئن نہیں تھا۔ اسے دال میں کالا ضرور نظر آ رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سلیم صاحب تو نماز کے لئے اٹھ گئے، مسز سلیم کو انور کی بیگم شائستہ بڑی پسند آئی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ ہی باتیں کر رہی تھیں۔ انور اور شہلا باہر لان میں آ گئے۔ حسن نے جلدی سے کرسیاں لگا دیں۔

"باجی چائے لے آؤں......؟"

"ہاں حسن! یہیں لے آؤ اور بھابھی سے کہنا وہ بھی آ جائیں۔"

کچھ ہی دیر بعد حسن چائے بنا کر لے آیا۔ وہ دونوں چائے پینے لگے اور حسن کیاریوں میں کھرپی لے کر زمین کھودنے لگا۔

"پھر انور بھائی! آپ نے کیا پروگرام بنایا؟ دراصل میں چاہتی ہوں چور کو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔"

"تم نے پھر کچھ کہا ہی نہیں اور میں اس سلسلے میں ذرا محتاط ہو کر قدم اٹھانا چاہتا

ہوں۔ اب تم بتاؤ...... کیا کرنا چاہئے؟"

"میرا تو یہ خیال ہے انور بھائی! آپ جلد از جلد نزہت سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں بلکہ چلے جائیں گاؤں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"ہوں...... سوچ تو میں بھی یہی رہا ہوں۔ دیکھو ذرا بزنس کی وجہ سے کچھ مصروفیت ہے ورنہ تو......"

"بزنس کو چھوڑیں انور بھائی! ایک آدھ دن کی تو بات ہے۔ آپ وقت نکال کر گاؤں کا چکر لگائیں۔ میں اس شخص کو بہت جلد بے نقاب کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا چلو جو تم کہو۔ میں پروگرام بنا کر تمہیں فون کر دوں گا اور یہاں وجاہت کے گھر میں جاؤں گا۔"

اس وقت وہ دونوں جو باتیں کر رہے تھے، پروگرام بنا رہے تھے وہ حسن سن رہا تھا۔ پھر جب وہ لوگ اٹھ کر اندر آ گئے تو حسن بھی وہاں سے ہٹ گیا۔



"ہوں...... تو گویا شہلا سلیم اور انور مجھ سے محاذ آرائی چاہتے ہیں...... تو یوں ہی سی۔ میدان چھوڑ کر تو ہم بھی بھاگنے والوں میں سے نہیں۔ یہ بتاؤ کہ انور کب گاؤں جا رہا ہے؟"

حسن کی تفصیل نے وجاہت کی رگوں میں آگ بھر دی تھی مگر اسے تحمل سے کام لینا پڑا۔

"معلوم نہیں صاحب! ابھی تو جانے کا پروگرام بنے گا۔ وہ کہہ رہے تھے میں پروگرام بنا کر فون کر دوں گا۔"

"اور تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ کب فون کرتا ہے کب نہیں......؟"

"صاحب! آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں پتہ لگا لوں گا۔ بڑا اعتماد کرتی ہیں باجی مجھ پر۔" حسن ذرا اترانے لگا تھا۔

"ذرا محتاط ہو کر تمہیں کام کرنا ہے۔ ابھی تمہارا وہاں رہنا بہت ضروری ہے۔ اگر

تمہاری کوئی بات ظاہر ہو گئی تو تم پر میرا اعتبار بھی اٹھ جائے گا۔ اس لئے ذرا محتاط ہو کر اچھا......"

"جی بہتر......" حسن نے فرمانبرداری سے کہا۔

"صاحب! میرا بیٹا کام کا نکلا ہے ناں......؟" خان نے بڑے فخریہ انداز میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"ہاں بہت کام کا...... ابھی ہمیں تمہارے بیٹے سے بہت کام لینا ہے۔ حسن! بھئی تم جاؤ اور احتیاط برتنا۔" حسن باپ اور وجاہت کو سلام کر کے باہر نکل گیا۔

"خان! میں نے ایک بات سوچی ہے کہ جیسے ہی انور گاؤں جائے میں بھی ساتھ ہی چلا جاؤں اور رنگے ہاتھوں انور کو پکڑ لوں گا۔ شہلا بیگم سے تو میں خود ہی نمٹ لوں گا۔"

"صاحب! ایک مشورہ دوں؟" خان کو غالباً اختلاف تھا۔

"ہاں بولو خان!" اب تو وجاہت ان باپ بیٹوں پر اور بھی اعتماد کرنے لگا تھا۔

"بات یہ ہے صاحب کہ فی الحال ان کو حملہ کرنے دیں۔ ان کے داؤ پیچ دیکھ لیں۔ ان کا انداز دیکھیں۔ اس کے بعد آپ حملہ کریں۔ پھر دیکھئے گا آپ کا حملہ زبردست ہو گا اور آپ کے دشمن میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

خان کا مشورہ خاصا جاندار تھا۔ وجاہت کو بڑا پسند آیا۔

"تم دونوں باپ بیٹا ہو بڑے سمجھدار...... بڑے اچھے مشورے دیتے ہو۔" وجاہت بڑا خوش تھا ان دونوں سے۔"

"ہم نمک خوار ملازم ہیں صاحب! کوئی احسان نہیں کرتے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

خان بات کر رہا تھا کہ فون آ گیا۔

وجاہت نے جلدی سے ریسیور اٹھایا کہ شاید شہلا کا فون ہو۔ مگر دوسری طرف زیب نے اس کا موڈ خراب کر دیا۔

"ہاں زیب! کیا حال احوال ہے...... تمہاری طبیعت تو اچھی ہے ناں......؟" وہ

رسمی سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"آپ کو کیا جی ہم جئیں یا مریں۔" زیب نے حسب عادت شکوہ کیا۔

"اچھا فضول باتیں چھوڑو، یہ بتاؤ کہ نزہت اور بچے کیسے ہیں؟" وجاہت نے یوں ہی پوچھ لیا جو زیب کو ناگوار گزرا۔

"بڑا خیال آ رہا ہے نزہت اور بچوں کا...... اتنی بار کہہ چکی ہوں حویلی آؤ، کچھ خبر لو بیوی بچوں کی۔ تمہاری محبوب بیوی تو آپے سے باہر ہو رہی ہے۔" زیب کو موقع مل گیا تھا نزہت کی شکایت کرنے کا۔ نجانے کیوں اس نے حیدر اور نزہت کے تعلق کو اچھالا نہیں تھا اس کے سامنے۔

"کیوں...... کیا ہو رہا ہے حویلی میں؟ اور سنو جب میں نے تمہیں ہر طرح کے اختیارات دے رکھے ہیں تو پھر کیوں ایسی بات کرتی ہو؟ نزہت پر کڑی نگاہ رکھو۔ اور اگر ایسی ویسی بات ہو گئی تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔" نزہت کے ذکر پر وجاہت طیش میں آ گیا تھا۔

"ہاں بڑے کہنے میں ہے جیسے وہ میرے۔ اس کے تو جو جی میں آتا ہے کرتی ہے۔" زیب دل بھر کر سوکناپے کا غصہ نکال رہی تھی۔

"اب میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ نزہت پر کڑی نگاہ رکھو۔ اس سے کوئی ملنے آتا ہے یا نہیں اس پر نظر رکھو اور ذرا سی کوئی بات ہو تو مجھے فوراً فون کر دو۔ چلو اب میرے کچھ ملنے والے آ گئے ہیں، پھر بات ہو گی۔ خدا حافظ۔" وجاہت نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر اس سے پیچھا چھڑایا۔

وہ لیٹنے ہی لگا تھا کہ ملازم نے بتایا کہ انور آیا ہے۔

"انور......؟" وجاہت کو بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ انور اس کے پاس شاید پہلی بار آیا تھا اس کی اس کوٹھی میں۔ وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"ارے واہ...... یہ کیا معجزہ ہو گیا...... یعنی کہ تم...... انور میرے پاس آئے ہو، میرے گھر...... بڑی عزت افزائی ہے بھئی تمہاری۔ اب تو تم میرے لئے وی آئی پی

کی حیثیت اختیار کر گئے ہو۔ شہلا کے بھائی بن گئے ہو ناں۔"

وجاہت بڑی گرم جوشی سے بازو پھیلائے انور کی طرف بڑھا اور بغل گیر ہو گیا۔ انور بھی اس کے بدلے ہوئے تیور سمجھ گیا تھا۔

"چلو...... تم نے مجھے کوئی حیثیت تو دی۔ خواہ شہلا کے حوالے سے سہی۔ بہرحال یہ بتاؤ گاؤں میں سب کا کیا حال چال ہے......؟"

"بھائی! میرا گاؤں، میرے گاؤں کے لوگ سب ٹھیک ہیں اور حویلی میں بھی خیریت ہے خدا کے فضل سے۔" وجاہت نے قدرے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار وجاہت! تم جو اپنا وقت اور پیسہ یہاں برباد کرتے ہو، اپنے گاؤں کی تعمیر و ترقی کے لئے کوئی اقدام کیوں نہیں اٹھاتے...... ان کی ترقی کے لئے کچھ ضرور کرنا چاہئے۔" انور نے بالکل سادگی سے کہا۔ اس وقت اس کے ذہن میں نزہت کا خیال نہیں تھا مگر وجاہت نے مطلب وہی لیا۔

"بڑی بات ہے...... شہلا کے ساتھ تعلق نے تمہاری سوچ تو مثبت کر دی۔ کریڈٹ بھی شہلا ہی کو جاتا ہے۔ مگر شاید تمہیں یہ اندازہ نہیں کہ میرا گاؤں کچھ عجیب سا ہے۔ اس تک پہنچنے کے لئے جو پل آتا ہے وہ بڑا بے اعتبار قسم کا پل ہے۔ کسی وقت بھی اپنے پیٹ کے لئے کسی کو بھی ہضم کر جاتا ہے۔" وجاہت نے روایتی انداز میں سوچتے ہوئے کہا تو انور ہنس پڑا۔

"کتنی عجیب بات ہے وجاہت کہ وہ گاؤں تمہارا ہے اور یہ تک نہیں جانتے کہ گاؤں جانے کے پل کے علاوہ بھی کئی راستے ہیں جو انسانی جانوں کے بھوکے نہیں ہیں۔ بہرحال تم بتاؤ، شہلا سے شادی کب کر رہے ہو؟" انور نے یکدم ہی موضوع بدل دیا۔

"یہ میں بتاؤں کہ اس سے شادی کب کر رہا ہوں...... ارے بھئی اب تو تمہیں یہ خبر ہونی چاہئے۔ تم بتاؤ کہ کب ہو گی ہماری شادی؟" وجاہت طنزیہ انداز میں

اسے دیکھ رہا تھا تو انور کا جی چاہا کہہ دے کہ کبھی بھی نہیں۔ مگر مصلحتاً چپ رہا۔

"وجاہت میاں! میں شہلا کا منہ بولا بھائی ہوں۔ کوئی بھی مشورہ دے تو سکتا ہوں مگر مسلط نہیں کر سکتا۔ یوں بھی شہلا بڑی سلجھی اور سمجھدار قسم کی خاتون ہے۔ معمولی فیصلے بھی سوچ سمجھ کر کرتی ہے۔ یہ تو اس کی زندگی کا معاملہ ہے، جذباتی ہو کر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ بہرحال اگر مائنڈ نہ کرو تو ایک بات پوچھوں؟" وجاہت کی طرف انور نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جو نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

"پوچھو......" وجاہت نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وجاہت! نزہت کے ساتھ بھی تم نے لو میرج کی تھی، اب شہلا کے لئے بھی وہی جذبات ہیں۔ یہ تمہارے جذبوں کا سمندر ہی اتنا گہرا ہے یا شادیاں کرنے کا رئیسانہ شوق ہے...... اور اگر تم شہلا سے بھی شوقیہ شادی کر رہے ہو تو یہ تمہاری زندگی کا سب سے غلط فیصلہ ہو گا اور......"

"انور! تم مجھے ایک بات بتاؤ، تم میرے دوست ہو یا رقیب؟"

"وجاہت! شرم کرو...... رشتوں کے تقدس کو یوں پامال نہ کرو۔ ٹھیک ہے نزہت کے معاملے میں ایسا تھا مگر اب ایسا اگر تم سوچو گے تو گناہ تمہارے سر آئے گا۔ میں شہلا کو بہن کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہوں۔" انور ناراض ہو گیا تو وجاہت نے مصلحتاً موڈ درست کر لیا۔

"ارے یار سوری! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ چلو چھوڑو، چلو آج بڑے دنوں بعد ہم اکٹھے ہوئے ہیں تو چلو کافی کہیں باہر جا کر پیتے ہیں۔"

اور پھر دونوں اٹھ کر باہر آ گئے۔ دونوں ساتھ چل رہے تھے مگر دونوں کی سوچ جدا تھی۔ ارادے الگ الگ تھے۔



گاؤں میں نزہت کی زندگی عذاب بنی ہوئی تھی۔ اسے اپنا اور بچیوں کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ اب اسے اپنی تو نہیں، اپنی بچیوں کی فکر تھی جن کی تعلیم و تربیت

کی عمر حویلی کی فصیلوں میں مقید بے بس ماں کے آنسو دیکھتے ہوئے گزر رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ سجدے میں گری گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہی تھی۔

''میرے خدائے لاشریک! میں کیا کروں...... کہاں جاؤں...... میری مدد فرما!''

وہ نجانے کب تک روتی رہتی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے...... آجاؤ۔'' وہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

''میں ہوں بی بی! حیدر کی ماں...... آجاؤں اندر......؟''

''ضرور...... ضرور اندر آؤ ماسی۔ آپ لوگوں کو اللہ نے میری دل جوئی کا وسیلہ بنایا ہوا ہے...... اور آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئی ہیں میں تو روز ہی انتظار کرتی رہتی ہوں۔''

''دل تو ہمارا بھی بڑا تڑپتا ہے بیٹی...... مگر کیا کریں...... تم تو ظالم جادوگرنی کی قید میں ہو اور اس جادوئی محل کی طرف آتے ہوئے سب کو خوف آتا ہے۔''

''آپ میرے پاس بیٹھیں ماسی...... میں کیا کرسکتی ہوں۔ یہ قید تو میرا مقدر بن گئی ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ مجھے تو بس بچیوں کی فکر کھائے جاتی ہے۔'' نزہت اپنی ہمدرد ماسی کے سامنے سسک پڑی۔

''بی بی! میں نوکر ہوں...... اور کوئی بات یا مشورہ نہیں دے سکتی۔ پر اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر آپ نے اب بھی ہمت نہیں کی تو بے موت ماری جاؤ گی۔ زیب کا تسلط ختم کرو...... تم اس کے مقابلے پر ہو، دب کر کیوں رہتی ہو؟ اس گھر، اس حویلی، اس دولت جائیداد پر جتنا اس کا حق ہے اتنا ہی تمہارا بھی ہے...... بلکہ اس سے زیادہ ہی ہے۔ کیونکہ تم صاحب اولاد ہو۔ اسی طرح ڈرتی رہیں تو سب کچھ کھو دو گی بیٹی۔ میں نے اپنی عمر گزار دی ہے انہی حویلیوں میں کام کرتے۔ یہاں ہونے والی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہوں...... ایسے بے شمار ڈرامے میں دیکھ چکی ہوں۔ جو دب جاتا ہے مر جاتا ہے۔ ہاتھ پیر مارو گی تو طوفان سے نکل سکو گی۔ میری بات مان جاؤ نزہت بیٹی! ورنہ بہت برا ہوگا۔''

ماسی اس کے سر میں تیل کی مالش کرنے کے بہانے آجاتی اور ایسے ہی سمجھایا کرتی۔''

''میں کیا کروں ماسی! میری قسمت ہی میں یہ لکھا تھا۔ جب وجاہت نے شادی کی تھی تو لگتا تھا کہ وہ صرف میرے ہیں۔ جان تک دینے کو تیار تھے...... اور اب یہ حال ہے کہ ہفتوں مہینوں گزر جاتے ہیں، فون تک نہیں کرتے۔ اپنی بچیوں کا حال تک نہیں پوچھتے۔ ہم جی رہے ہیں تو کس حال میں، مر رہے ہیں تو کس اذیت سے اس سے ان کو کوئی غرض نہیں۔ اپنی الگ دنیا بسا بیٹھے ہیں۔ پہلے تو کہتے تھے کہ تمہیں شہر میں اپنے ساتھ رکھوں گا مگر پھر وہ بھی وہی کرنے لگے جو پہلی بیوی کا حکم ہوتا۔ مجھے اگر اندازہ ہوتا تو ہرگز بھی اس شخص کے جھوٹے وعدوں کا اعتبار نہ کرتی۔ مگر اب کیا کروں...... یہ عورت مجھے جینے کی سزا دے رہی ہے۔ میرا بڈھا بیمار باپ سسک سسک کر مر گیا...... مگر میں اس کی خدمت نہیں کرسکی۔ ماسی! میں کیا کروں۔ یہ عورت تو کسی ڈائن سے کم نہیں۔ اس کا بس چلے تو میری اور بچیوں کی بوٹیاں نوچ لے۔'' نزہت روتے ہوئے ماسی کو اپنے دکھ سنا رہی تھی۔

''بی بی! اب تک تو تم نے دکھ بھی برداشت کرلیا، رو بھی لیا، زیب کے ستم بھی برداشت کر لئے۔ مگر میری بیٹی اب ہمت کرو اور ڈٹ جاؤ۔ کم از کم زیب کے سامنے۔ وہ ایک بار ہاتھ اٹھائے تم دو بار اٹھاؤ۔ جیسا وہ سلوک کرے ویسا ہی کرو۔''

''یہ کیسے ممکن ہے ماسی...... میری تو جان نکل جاتی ہے اسے دیکھتے ہی۔ اس نے تو میرے معصوم سے بھائی حیدر پر بھی شک کیا تھا۔ میں اس کی ایسی حرکتوں ہی سے خوفزدہ ہوتی ہوں۔ اور پھر میری بچیاں......''

''میری بیٹی! اسی طرح ڈرتی رہو گی تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ابھی بھی وقت ہے، سنبھل جاؤ۔ ہمت کرو۔ وہ اینٹ اٹھائے تو تم پتھر اٹھایا کرو۔ اس کا ہاتھ روکو۔ ورنہ اس کا بڑھتا ہوا ہاتھ تمہاری اور بچیوں کی جان کے لئے خطرناک بن جائے گا۔''

پھر ماسی شہر کی بڑھی پڑھی لکھی نزہت کو سمجھانے لگی کہ گاؤں میں ساس بہو اور

سوت کے رشتے کتنے خطرناک ہو جاتے ہیں۔ ماسی کی باتوں سے خاصا حوصلہ ہوا تھا نزہت کو۔ اسے واقعی اب ہمت کرنا پڑے گی۔

''ماسی! آپ بھی اللہ سے میرے اور بچوں کے لئے دعا کیا کرو۔''

''میری بیٹی! میں تو ہر وقت ہی کرتی رہتی ہوں۔ میرا بچہ تو بڑا فکر مند رہتا ہے تمہارے اور بچوں کے لئے۔ مگر بے چارہ مجبور ہے، کچھ کر نہیں سکتا۔ وہ تو اس خوف سے حویلی کی طرف دیکھتا بھی نہیں کہ میری بہن پر حرف نہ آ جائے۔ اچھا اب میں چلوں گی۔ بی بی! میں ملازم ضرور ہوں مگر تمہیں اپنی بیٹی سمجھتی ہوں۔ اس لئے چاہتی ہوں اب تم ہمت کرو، ڈٹ جاؤ اپنا اور بچوں کا خیال رکھو۔ اچھا اب میں چلتی ہوں، اللہ حافظ۔'' ماسی اس کو پیار کر کے چلی گئی۔ جب وہ نزہت کے کمرے سے نکل رہی تھی تو اسی وقت نوراں بھی کہیں سے آ گئی۔ اس نے ماسی کو دیکھ لیا اور جھٹ زیب کو جا کر بتا دیا۔

''ہاں...... ہاں...... میں سب سمجھتی ہوں۔ بڑا میل ملاپ ہو گیا ہے پھر سے حیدر اور اس کی ماں سے۔ ابھی پوچھتی ہوں جا کر۔ وہاں وجاہت جی فرماتے ہیں اس پر کڑی نگاہ رکھو، اس پر سختی کرو اور یہاں یہ حال ہے کہ...... خیر آؤ میرے ساتھ۔'' زیب اپنے روایتی انداز میں اپنے ترکش کے تیر لئے نزہت کا خنجر آزمانے کے لئے اس کے کمرے میں آ گئی۔

نزہت کچھ دیر کے لئے سہم گئی مگر ایک تو اب وہ خود بھی ظلم برداشت کر کر کے سخت ہو گئی تھی اور کچھ ماسی کے دیئے ہوئے سبق نے ہمت بندھائی۔ وہ اس کی آمد پر کھڑی نہیں ہوئی۔ ندا کو گود میں لئے بیٹھی رہی۔ یہ بات بھی زیب کو گراں گزری تھی۔

''کیوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں کہ اٹھ کر کھڑی نہیں ہو سکتی ہو؟''

''سارا بیٹے! وہ کمبل لاؤ اور بہن پر ڈال دو۔'' نزہت نے زیب کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سارا سے کمبل منگوایا، ندا کو بستر پر ڈال کر کمبل سے ڈھانپنے لگ گئی۔

زیب اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہی تھی۔ اس پر وہ بری طرح طیش میں آ گئی۔

''لنگڑی کے ساتھ اب بہری بھی ہو گئی ہے...... میری بات سنائی نہیں دیتی تمہیں۔ کیوں یہ عورت آتی ہے تمہارے پاس......؟'' زیب دھاڑی تو نزہت ذرا اعتماد سے کھڑی ہو گئی۔ زیب کو دیکھا اور پھر دوسری طرف بڑھ گئی۔

''زیب آپا! نہ تو میں بہری ہوں نہ لنگڑی۔ بس حقیقت یہ ہے کہ خدا سے ہمت اور صبر مانگا جو اس کی پاک ذات نے عطا فرما دیا ہے۔ رہی بات اس عورت کی تو اس میں ایسی گناہ والی کیا بات ہے۔ انسان انسانوں کے پاس آیا ہی کرتے ہیں۔'' نزہت بڑے اعتماد کے ساتھ بول رہی تھی۔ زیب کو تو جو حیرت ہو رہی تھی سو ہو رہی تھی، خود نزہت کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کیسے بول رہی ہے۔

''اچھا تو اب کمی کمین بھی انسان ہونے لگے اور ہم لوگوں کی برابری کرنے لگے۔'' زیب نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ نوراں کو دیکھا۔ اس کا خود سر جھکا ہوا تھا وہ کیا کہتی کہ خود بھی بد قسمتی سے کمی کمین ہی تھی۔

''اس کائنات کے خالق و مالک اللہ لاشریک نے تمام انسانوں کو برابری کا درجہ دیا ہے۔ یہ فرقہ بندیاں تو آپ جیسے لوگوں نے کی ہیں۔ جس کے پاس ذرا سی زمین جائیداد آ گئی وہ بڑا بن بیٹھا اور جس کے پاس نہ ہو وہ کمی کمین ہو گیا۔ لیکن میں ان باتوں کی قائل نہیں ہوں زیب آپا! اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔'' نزہت کو خدا نے جیسے نئی قوت، نیا اعتماد عطا فرما دیا تھا۔ وہ بے خوف سی ہو گئی تھی۔ زیب تو ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی کہ اس کو ہو کیا گیا ہے۔

''بڑی زبان چل رہی ہے تیری...... وہ رات آیا تھا تیرے شوہر کا فون۔ کہہ رہا تھا بڑی تیز چیز ہے، کنٹرول میں رکھنا۔ مگر بی بی کہاں...... یہاں تو صورتحال ہی اور ہے۔ نزہت بی بی! میری بات کان کھول کر سن رکھو...... اس حویلی میں میری مرضی کے خلاف آج تک کچھ نہیں ہوا۔ مردوں نے بھی میری بات نہیں ٹالی تو تیری کیا

مجال ہے...... خبردار جو آئندہ حیدر کی ماں اس گھر میں آئی۔ اگر آئی تو تجھے اسی وقت اس کے ساتھ اس کے گھر میں روانہ کر دوں گی اور کہہ دوں گی تیرے شوہر سے کہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔ لاکھ واویلا مچانا، یقین میری ہی بات کا کرے گا۔'' زیب اپنے روایتی انداز میں دانت پیس کر اسے دھمکیاں دے رہی تھی۔

اس کی بات سے خوفزدہ تو نزہت بھی ہو گئی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ زیب جو کہہ رہی ہے وہ کر بھی گزرے گی۔ وجاہت تو اس قدر کانوں کا کچا اور پہلی بیوی کا پابند تھا کہ اس نے جھوٹ پر بھی سو جان سے اعتبار کر لیتا تھا۔ چنانچہ اسے خاموش رہنا ہی پڑا۔ خدا نے جو اسے ایک نئی قوت عطا کر دی تھی وہ اسے سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہتی تھی۔

''جانتی ہوں...... اب بار بار یہ جتانے کی کیا ضرورت ہے......؟''

''اپنی اوقات میں رہو سمجھیں۔ ورنہ......'' زیب جاتے جاتے پھر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتی ہوئی پلٹی۔

''ورنہ کیا آپا...... اللہ حافظ و ناصر ہے میرا اور میرے بچوں کا۔ میں اور بچے تو شوہر کی موجودگی میں بھی لاوارث ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔'' بے شمار آنسو نزہت کے چہرے پر پھیل گئے۔

''ہاں والی وارث تو حیدر ہے تیرا اور تیرے بچوں کا...... میں اندر کی کہانی خوب اچھی طرح جانتی ہوں...... تُو کیا سمجھتی ہے مجھے کچھ علم نہیں؟ ارے یہ اس کا چھپ چھپ کے آنا۔ جب آنے سے روکا گیا تو خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مالش کے بہانے اس کی ماں کو بلوانا۔ اور نجانے کیا کیا کچھ ہوتا رہتا ہے اس حویلی میں۔ ارے یہ پہلا موقع ہے کہ حویلی کی مالکن کسی گھریلو ملازم پر جان فدا کر رہی ہو۔ نجانے کیا چکر ہے۔''

''زیب آپا! خدا کے واسطے مت کفر بولو اور نہ اپنی قبر کو عذاب کے شعلوں کے حوالے کرو۔ معصوم لوگوں پر الزام لگانا، ان کی پارسائی کو داغ دار کرنا کتنا بڑا عذاب

ہے آپا! آپ کو اندازہ نہیں۔ خدا کے واسطے مت کریں ایسا۔ آپ کے اپنے حق میں برا ہوگا۔'' نزہت تڑپ اٹھی۔ وہ تو ہر لحاظ سے امن اور سکون سے رہنا چاہتی تھی۔ مگر زیب نے زندگی کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ تھی کہ حیدر کو ایشو بنا کر تڑپانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔

''معصوم...... اچھا، حیدر معصوم اور شریف ہے......؟'' زیب زور سے ہنسی۔ ''ہاں بھئی...... واقعی وہ تو بے حد شریف ہے۔ ارے بھئی مجھے تو خبر ہی نہیں۔ ہاں وہ شریف ہی ہے، بڑا ہی شریف۔ آؤ نوراں چلتے ہیں۔ نوراں! تجھے تو پتہ ہی ہوگا کہ حیدر بڑا شریف ہے۔ چلو آؤ۔ ہم بھی کسی روز اس شریف آدمی کی شرافت دیکھیں گے۔'' زیب عجیب دیوانوں والے انداز میں بولتی نوراں کی دُم لگائے باہر نکل گئی تو نزہت بس ڈولتے دل کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''میرے خدا! میرے حال پر رحم فرما۔ میری مدد فرما......'' اس بے بس کی بس یہی دعا تھی۔



نزہت زندگی کی اس ڈگر سے بڑی تنگ آ چکی تھی۔ وجاہت تو گویا بھول ہی چکا تھا کہ اس کا کوئی اور بھی ہے۔ صبح سے بڑا سکون تھا۔ کیونکہ زیب اپنے والد سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ وہ بھی خوش تھی اور بچیاں بھی اپنی مرضی سے بھاگ دوڑ رہی تھیں کہ اسی وقت ملازم نے آ کر بتایا کہ شہر سے کوئی آدمی آیا ہے۔ وہ ایک دم خوفزدہ ہو گئی کہ یہاں کون آ گیا۔

''کون ہے بشیر وہ آدمی......؟''

''معلوم نہیں بی بی! نام تو اس نے بتایا نہیں۔ بس یہی کہا ہے کہ شہر سے آیا ہوں اور آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا ٹھیک ہے...... اسے مردانے میں بٹھاؤ، میں ابھی آتی ہوں۔'' نزہت اس اجنبی آدمی کے بارے میں سوچتی بڑی سی چادر میں لپٹی ہوئی گئی تو سامنے جب انور

پر نظر پڑی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ یہ یہاں تک آن پہنچا۔ اسے شدید غصہ آ گیا۔

"آپ......؟"

اس ایک لفظ ہی سے انور کو اندازہ ہو گیا کہ نزہت ابھی اس سے کتنی شدید نفرت کرتی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ انور کتنا بدل چکا ہے اور کیا کیا تبدیلیاں آ چکی ہیں۔

"نزہت! آپ کے اس طرح آپ کہنے ہی سے مجھے تمہاری نفرت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ مگر اس وقت میں آپ کا مخلص دوست بن کر آیا ہوں۔ آپ کے فائدے کی باتیں ہیں، آرام سے اطمینان سے بیٹھ کر میری بات سنیں۔" انور اس کے احترام میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ مگر اس کا ماضی اتنا دھندلا تھا کہ نزہت کو یقین نہیں آ سکتا تھا۔

"انور صاحب! میں آپ کو بڑی اچھی طرح جانتی پہچانتی ہوں۔ آپ اور کسی عورت کے مخلص ہوں۔ چلے جائیے انور صاحب! میری زندگی تو پہلے ہی جہنم بنی ہوئی ہے، اب مزید اسے عذاب بنانے آ گئے ہیں آپ...... پلیز اس سے قبل کہ زیب آپا آ جائیں اور میرے کردار پر نیا دھبہ لگایا جائے آپ چلے جائیں پلیز۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" نزہت نے روتے ہوئے باقاعدہ انور کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو انور کھڑا ہو گیا۔ اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیئے۔

"میں جانتا ہوں نزہت کہ میرا ماضی صاف نہیں ہے...... اور خود تمہارے ساتھ میرا رویہ انتہائی بدتمیز رہا ہے اور میری نیت بھی خراب تھی۔ مگر شاید تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے اس لئے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے ہدایت کی روشنی جب سے عطا فرمائی ہے زیادہ تر توبہ کرتا ہوں اور بھلائی کے کاموں کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اس وقت بھی میں جو کہوں گا خدا کی قسم سچ کہوں گا۔ تم اعتبار ضرور کرنا ورنہ شاید میرا تو کچھ نہ بگڑے تمہارا نقصان ضرور ہو جائے گا۔"

سچائی کا اپنا ایک احساس ہوتا ہے۔ یقین کی لذت ہوتی ہے جو آپ ہی انسان کے اندر اطمینان بن کر اتر جاتی ہے۔ نزہت نے نفرت کی عینک اتار کر دیکھا تو واقعی اسے انور بدلا ہوا نظر آیا۔

"ٹھیک ہے انور صاحب! جب آپ نے خدا کی قسم کھائی ہے تو میں اعتبار کیوں نہ کروں گی۔ آپ بتائیں کیا بات ہے۔ لیکن پلیز ذرا جلدی۔ کیونکہ زیب آپا آ گئیں تو قیامت ہو جائے گی۔" نزہت نے خوفزدہ لہجے میں کہا تو انور بغور نزہت کو دیکھنے لگا۔ کتنا بدل گئی تھی وہ ان سات سال کے عرصے میں۔ بڈھی لگنے لگی تھی۔ ایک زمانے میں کتنی حسین اور فریش ہوا کرتی تھی۔ اب کتنی کمزور اور بیمار لگ رہی تھی۔ اسے افسوس ہونے لگا۔ خود وجاہت کتنا خوبرو اور فریش تھا۔ بالکل بھی زیادہ عمر کا نہیں لگتا تھا۔

"تم بہت کمزور ہو گئی ہو نزہت! اپنا خیال نہیں رکھتیں کیا......؟"

"اپنا خیال...... انور صاحب! میں نے غربت کی کوکھ سے جنم لیا تھا مگر والدین کی محبت نے اعتماد دیا تھا۔ دوست احباب کی چاہتیں تھیں میرے دامن میں۔ وجاہت کو پا کر سمجھی تھی کہ شاید میں بہت خوش رہوں گی۔ مگر اب احساس ہوتا ہے اس سے زیادہ خراب شوہر کسی کو نہیں ملا ہو گا۔" وہ انور کی ہمدردی پا کر سسک پڑی۔ انور کو بھی شدید غصہ آ رہا تھا اور افسوس ہو رہا تھا۔

"بس نزہت! انسان جب بہک جاتا ہے ناں تو اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر جب خدا کا فضل ہو جاتا ہے تو پھر ہدایت کی روشنی میں ہر برائی، برائی اور اچھائی، اچھائی نظر آتی ہے۔ اب ذرا حوصلہ کر کے میری بات سنو!"

اور پھر انور نے مناسب الفاظ کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ تمام حالات نزہت کے سامنے رکھ دیئے۔ شہلا سے تیسری شادی کا ایسا تیر تھا جو سیدھا نزہت کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ بے وفا ہرجائی جو پہلے ہی تقسیم تھا اب مزید تقسیم ہو رہا تھا تو پھر اس کی اور بچوں کی جگہ تو بالکل ختم ہو رہی تھی۔ وہ روتی رہی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وجاہت اس قدر ہرجائی بھی ہو سکتا ہے۔ جو وعدے کئے تھے، سب جھوٹ نکلے۔ اس نے کہا تھا کہ تمہیں اپنے ساتھ شہر میں رکھوں گا، شہزادی بنا کر رکھوں گا۔ اور دیا کیا، سوکن کے ظلم و ستم کی چکی میں پسنے کے لئے چھوڑ گیا۔ میری قسمت ہی خراب تھی۔" وہ سسکتی رہی۔

انور کو اس سے ہمدردی ہو رہی تھی اور دل میں خدا کا شکر بھی ادا کر رہا تھا کہ وہ تو ایک زمانے میں اپنی کسی بہن کا وجاہت سے رشتہ طے کرنا چاہتا تھا مگر خدا نے عزت رکھ لی اور شائستہ آڑے آ گئی تھی تو یہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ مگر اب اس کو نزہت سے بھی بڑی ہمدردی ہو رہی تھی۔ وہ حقیقتاً اس کے اور اس کے بچوں کے لئے کچھ کر کے اپنے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔

"نزہت! میں تم سے سخت شرمندہ ہوں کہ میں نے بھی تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مگر میں تمہیں بتاؤں اب خدا نے تمہاری سن لی ہے۔ شہلا بڑی اچھی، سلجھی ہوئی نیک لڑکی ہے۔ وہ تو ابھی وجاہت کی انتھک کوششوں کے باوجود جال میں نہیں پھنسی تھی کہ میں نے شہلا کو جو کہ میرے ایک ٹیچر کی بیٹی ہے اور میں نے اس کو بہن کہا ہے سب کچھ بتا دیا تو یقین کرو کہ وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگی ہے اور وہ بھی تم سے ملنا چاہتی ہے تاکہ آئندہ کے لئے پروگرام بنایا جا سکے۔ وہ بھی خدا کی مہربانی سے تمہاری مدد کرنا چاہتی ہے۔ اب تم بتاؤ کیا کرنا چاہئے......؟"

"میں کیا بتاؤں انور صاحب! میرے لئے تو آگے اگر کھائی ہے تو پیچھے کھڈا ہے۔ موت تو مقدر ہے۔ مجھے اپنی نہیں اپنے بچوں کی پرواہ ہے۔ ان کا کیا مستقبل ہو گا جن کا باپ اس قدر عیاش، بدکردار ہو گا تو معاشرہ اس کی بیٹیوں کو کیا حیثیت دے گا اور وہ کس ماحول میں پل کر جوان ہوں گی۔ یہاں حویلی میں رہیں گی تو اپنی سوتیلی ماں زیب کا روپ دھار لیں گی جو کہ ایک شیطانی کردار ادا کر رہی ہے۔ میں اپنی بچیوں کو اس آسیب زدہ ماحول سے نکالنا چاہتی ہوں۔ شہر لے جانا چاہتی ہوں جہاں ان کو دینی اور دنیاوی تعلیم مل سکے اور یہ اچھی مسلمان لڑکیاں بن کر معاشرے

میں اپنا مقام بنائیں۔ اگر آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں انور صاحب! تو میں تمام عمر آپ کی ملازمہ بن کر گزار دوں گی۔ بس میری بچیوں کو یہاں سے نکال لیں۔ پلیز۔" نزہت ہاتھ باندھے انور سے کہہ رہی تھی تو اس کا جی چاہا اسے اسی وقت بچیوں سمیت شہر لے جائے۔ نزہت کی حالت تو شہر سے آ کر پَر کٹے پرندے کی سی ہو گئی تھی جو آزاد پرندوں کو حسرت سے دیکھتا ہے مگر اپنے قفس میں اپنے کٹے پروں کو دیکھ کر بے بسی سے پھڑپھڑا کر رہ جاتا ہے۔ انور کو بھی اسی بات کا دکھ ہو رہا تھا۔

انور کو خود پر حیرت ہو رہی تھی وہ کہاں جس کو سوائے اپنی ذات کے کسی سے ہمدردی نہیں ہوتی تھی، وہ کسی کا بھلا نہیں چاہتا تھا آج جب خدا نے ہدایت کی روشنی عطا کر دی تو سب کا دکھ اپنا ہی نظر آنے لگا۔ وہ بڑی دیر تک نزہت کو تسلیاں دیتا رہا۔

"دیکھو نزہت! تم نے اتنی سختیاں برداشت کی ہیں تو خدا نے کیسے تمہاری مدد کی ہے...... خدا نے مجھے راہِ ہدایت دکھا دی۔ پھر شہلا کے دل میں نرمی ڈال دی۔ بس تم فی الحال گزارہ کرو۔ ہم انشاء اللہ جلد ہی تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔ لیکن ایک وعدہ تمہیں بھی کرنا ہو گا، ایسا نہ ہو کہ تم وجاہت کی محبت میں آ کر پھر اس کی کوئی الٹی سیدھی بات مان لو تو ہماری کوششیں بے کار ہو جائیں گی۔ وجاہت کو راہِ راست پر لانے کے لئے میں نے اور شہلا نے ایک پروگرام بنایا ہے۔ بس تم ہمارے ساتھ تعاون کرنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ ہمیں کامیابی ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر انسان ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

"یقیناً انور صاحب! میں تو رب عظیم سے ہر وقت ہی گڑگڑا کر دعائیں کرتی ہوں۔ اللہ آپ کو ضرور کامیاب کرے گا اور اس نیک کام کا اجر بھی دے گا۔ انور صاحب! اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو اب چلے جائیں۔ زیب آپا آ گئیں تو نجانے کیا کیا بہتان لگائے جائیں میرے کردار پر۔" نزہت نے جھجکتے ہوئے کہا تو انور فوراً کھڑا ہو گیا۔

"ارے نہیں بھئی...... میں مائنڈ کیوں کرنے لگا...... میں ساری صورتحال سے آگاہ ہوں تو پھر ایسا کیوں سوچوں گا۔ میں چلتا ہوں۔ اور ذرا مضبوط ہو کر رہنا۔ اچھا پھر خدا نگہبان۔"

انور اسے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ نزہت کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی وہ وجاہت کی جانب سے ملنے والی اطلاع پر افسردہ بھی تھی مگر زیادہ حیرت اسے انور کے راہِ راست پر آ جانے کی اور اپنے تعاون کی یقین دہانی کی تھی۔ پھر بے اختیار اس نے دعا کی۔

"میرے خالق و مالک! تُو بڑا کارساز ہے، بڑا رحیم و رحمٰن ہے...... میری مدد فرمانے والے اللہ پاک! تیرا شکر ہے...... تو میرا کارساز و مددگار ہے۔"

آج کافی عرصے بعد اسے سکون ملا تھا۔ وجاہت شہر میں رہ کر کیا کر رہا تھا۔ وہ دو بیویوں اور تین بچوں کی موجودگی میں تیسری شادی کرنے جا رہا تھا۔ یہ ستم تھا کہ نہیں۔ وہ زیب کو بھی یہ بات بتا دینا چاہتی تھی وہ بھی بیوی تھی۔ اسے بھی اتنا ہی دکھ ہوتا جتنا کہ اسے ہو رہا تھا۔



وہ باہر نکلی تو حویلی میں نوکروں کی نقل و حرکت سے پتہ چل گیا تھا کہ زیب واپس آ چکی ہے۔ وہ کچھ دیر ٹہل کر سوچتی رہی کہ اسے جانا چاہئے کہ نہیں...... اس کا ردعمل کیا ہوگا...... کیا جواب دے گی وہ۔ مگر جب نہیں رہا گیا تو اللہ کا نام لے کر اس کے کمرے میں آ گئی۔

زیب اپنے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے یوں اچانک اور غیر متوقع طور پر اپنے کمرے میں دیکھ کر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے...... کیوں آئی ہو؟" اس کا لہجہ ہی کاٹ کھانے والا تھا۔ نزہت کی ہمتیں جواب دینے لگیں۔ اس نے پھر ہمت کی کیونکہ یہ بات دونوں کے مفاد میں تھی۔

"وہ آپا! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کہو......" زیب نے منہ بنا کر گویا اس پر احسان کیا بات کرنے کی اجازت دے کر۔

"وہ...... وہ دراصل آپا! بات یہ ہے کہ......" وہ کہتے کہتے پھر رک گئی کہ نجانے زیب کا ردعمل کیا ہو۔

"تمہیں جو کہنا ہے وہ کہو اور جاؤ۔ میں زیادہ دیر اپنے کمرے میں تمہارا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔" زیب نے انتہائی حقارت سے کہا تو کچھ دیر کے لئے نزہت کو بھی احساسِ توہین ہوا مگر بہرحال اسے بات کرنی تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر بات شروع کی۔

"آپا! وہ بات یہ ہے کہ وجاہت اتنے عرصے سے گھر سے غائب ہیں..... صرف فون پر ہی روکھے پھیکے لہجے میں بات کر لیتے ہیں تو آپ نے اس کی وجہ پوچھی تھی ان سے.....؟" وہ پڑھی لکھی تھی۔ بات سلیقے سے کرنے کا ہنر بھی جانتی تھی۔ اس کی بات پر زیب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر جو پریشانی ہویدا تھی وہ غیر معمولی تھی مگر اس نے اہمیت دینا ضروری نہیں جانا۔

"وہ میرے سر کا سائیں ہے..... وہ کچھ بھی کرتا پھرے، میں اس کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتی۔" زیب نے نخوت سے کہا۔

"آپا! آپ کو معلوم ہے کہ وہ..... وہ تیسری شادی کر رہے ہیں؟" نزہت نے یہ بات بڑی مشکل سے کی تھی۔

کچھ دیر کے لئے تو زیب بھی سناٹے میں آ گئی۔ پھر وہ بغور نزہت کو دیکھتی رہی۔ چہرے پر ایک عجیب طرح کا سکون آ گیا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"اچھا..... تم سے اجازت لی تھی وجاہت نے یا پھر خواب آیا ہے؟" زیب کے انداز اور طنزیہ لہجے نے اس کی ہمت چھین لی کہ اب وہ کیسے بتائے کہ انور آیا تھا اور یہ اطلاع اسی نے دی ہے۔

"وہ آپا شہر میں ایک دوست ہے اس کے شوہر آئے تھے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ....."

"کون تھا..... کیوں آیا تھا وہ شخص میری غیر موجودگی میں..... کس کی اجازت سے آیا تھا؟" یہ سنتے ہی زیب طیش میں آ گئی تو وہ پچھتانے لگی کہ اس نے ایسی بات کیوں کر دی اس کے سامنے۔

"بس آپا وہ خود ہی آ گیا۔ اصل میں میری دوست شائستہ کی طبیعت بڑی خراب تھی اس لئے وہ کہنے آیا تھا کہ میں اس سے ملنے آؤں۔ میں نے کہہ دیا کہ وجاہت بھی گھر پر نہیں ہیں اور آپ بھی نہیں تو میں کیسے جا سکتی ہوں بھلا....." غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے نزہت کو خود بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔ مگر اس کی

حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب زیب نے اس غیر معمولی بات کو ایشو نہیں بنایا بلکہ نارمل لہجے میں بولی۔

"سنو بی بی! اول مجھے اس بات پر اعتبار نہیں۔ اور اگر ایسی بات ہے تو کیا ہوا..... مرد کئی شادیاں کر سکتے ہیں۔ اور یوں بھی یہ بات تمہارے لئے نئی ہو گی میرے لئے نہیں۔ میں تو کرب کے اس سفر سے گزر چکی ہوں۔ اب تم بھی اس اذیت کا مزا چکھ لو تو پتہ چلے گا کہ کسی کے شوہر پر قبضہ کرنے کی کیا اذیت ہوتی ہے۔ اب جاؤ، میرا دماغ خراب نہ کرو۔" زیب نے انتہائی بدلحاظی سے باہر نکل جانے کو کہا تو اس نے ٹل جانے ہی کو غنیمت جانا اور اپنے کمرے میں آ کر حالات و واقعات پر غور کرنے لگی۔

انور کے بدل جانے کی خوشی بھی ہو رہی تھی۔ شہلا کے ان دیکھے کردار کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔ جبکہ زیب کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ وہ وجاہت کے کردار کو بڑی اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اس کی فطرت سے واقف تھی اس لئے اس خبر نے کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ یوں بھی اسے اعتماد تھا کہ اگر وجاہت پھر شادی والی حرکت کرے گا تو اسے ضرور بتائے گا کیونکہ وہ اس کے خاندان میں سے تھی۔ اور وہ اس کو دھوکا دے کر بے شمار جائیداد سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔ ہاجرہ بیگم کے بعد اس کی سب سے بڑی حریف نزہت تھی اور وہ اسے یہاں سے نکالنا چاہتی تھی۔ دوسرا اسے حیدر اور نزہت کا التفات جس کو وہ غلط رنگ دیتی تھی۔ اس کے کانوں میں تو اب بھی نزہت کے وہ الفاظ گونج رہے تھے کہ حیدر تو بڑا معصوم ہے، شریف ہے۔ اب وہ سب کچھ بھلائے نزہت کے سامنے حیدر کو اس طرح پیش کرنا چاہتی تھی کہ نزہت اپنے منہ سے اسے غلط کہے اور اس کے منہ پر تھپڑ مارے۔ وہ بس اب حیدر کو نزہت کی نگاہوں میں ذلیل کرنا چاہتی تھی۔ اسے جس سے چڑ ہو جاتی یا جو اس کے حکم کی تعمیل نہ کرتا وہ اس سے اسی طرح انتقام لیا کرتی تھی اور وہ نزہت کی اس خبر پر کہ وجاہت تیسری شادی کر رہا ہے بالکل بھی توجہ نہیں دے رہی

تھی۔ اس کا دماغ صرف حیدر کو ذلیل کرنے کا سوچ رہا تھا۔

''نوراں......''

''صدقے بی بی! حکم کریں۔'' نوراں چاپلوسی سے بولی۔

''دیکھ ناں یہ نزہت کہتی ہے کہ حیدر بڑا ہی شریف اور معصوم لڑکا ہے...... تیرا کیا خیال ہے؟''

''لو بی بی! میرا خیال کوئی آپ سے الگ ہونا ہے۔ جو آپ کا خیال ہے وہی میرا خیال ہے۔''

''میرا تو خیال ہے کہ تیری نزہت بی بی کو بتایا جائے کہ وہ کتنا شریف اور کتنا معصوم ہے۔ اچھا یہ بتا وہ تیری بڑی بہن بے اولاد ہے ناں......؟'' زیب کمرے میں ٹہلتی آہستگی سے بولتی نوراں کے قریب آ گئی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں جی مگر......'' نوراں سمجھ نہیں سکی تھی۔

''تو ٹھیک ہے...... نزہت کی تین تین لڑکیاں ہیں۔ چھوٹی والی جب روتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے اس کا گلا گھونٹ دوں۔ ایسا کر یہ بچی جا کر اپنی بہن کو دے دینا۔ پال لے گی۔ بے چاری بے اولاد ہے۔ بڑی دکھی ہوتی ہو گی۔ اور ایک بے اولاد کا درد بے اولاد ہی سمجھ سکتی ہے۔''

''ہیں جی...... یہ کیسے ہو سکتا ہے...... کہاں آپ لوگ اور کہاں ہم لوگ...... اور پھر نزہت بی بی...... بی بی جی یہ تو بڑی مشکل بات کر دی ہے آپ نے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' نوراں کی تو جان پر بن گئی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اپنی مالکن کو دیکھ رہی تھی جس نے آج تک کوئی کام نہ خود ڈھنگ سے کیا تھا اور نہ ہی اس سے کوئی اچھا اور ڈھنگ کا کام کروایا تھا۔ مگر وہ مجبور تھی۔ جدی پشتی اس حویلی کے ملازم تھے اور سمندر میں رہ کر مگر مچھ سے بیر کون رکھتا ہے...... مگر پھر بھی زیب کی یہ بات کوئی خاص اسے اچھی بھی نہیں لگی تھی کہ ایک ماں سے اس کی اولاد چھینی جائے۔ زیب ایک تو خود بے اولاد تھی اور دوسرا نزہت اس کی سوت تھی جس کا یہ قصور ہی ناقابل

معافی تھا۔

''میں نے جو کہا وہ تیری سمجھ میں نہیں آیا نوراں تو دوجے طریقے سے سمجھا دوں......؟'' نوراں زیب کی عیار آنکھیں پڑھ چکی تھی۔ اس کے چہرے کی تحریر سے وہ خوف زدہ ہو گئی۔

''صدقے جاؤں بی بی! بات کچھ پلے پڑی نہیں۔''

''اتنی کوڑھ مغز تو کب سے ہو گئی...... اگر ہو گئی ہے تو سن کہ میں چاہتی ہوں نزہت کی لڑکی ندا تیری بہن کو تحفے میں دے دی جائے۔ اس کی اولاد والی حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔''

زیب اس قدر سفاکی سے ایسے کہہ رہی تھی گویا نزہت کی بیٹی نہ ہو کوئی پرانا کپڑا ہو جسے آسانی سے کسی کو دے دیا جائے۔

''وہ جی نزہت بی بی کا کیا ہو گا...... وہ کس طرح دیں گی اپنی بیٹی کسی غریب عورت کو......؟'' نوراں کو نزہت پر ترس آ رہا تھا۔

''لے...... تو ہم نے کوئی نزہت سے اجازت لینی ہے۔ بھئی لڑکی کو تو اس کا منہ بولا ماموں حیدر کھلا رہا ہو گا۔ لڑکی تم اس سے لے کر اپنے گھر چلی جاؤ گی اور میں باہر باہر سے حیدر کو شہر بھیج دوں گی۔ نزہت سے یہ کہا جائے گا کہ حیدر نے بچی کو اغوا کر لیا ہے اور فرار ہو گیا ہے۔ کیوں کیا خیال ہے، تیری بہن کو بچہ بھی مل جائے گا اور نزہت کو بھی پتہ چل جائے گا کہ حیدر کتنا شریف اور معصوم ہے...... بول منظور ہے کہ نہیں......؟'' زیب ایسے پوچھ رہی تھی کہ منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ انکار کی صورت میں وہ خود انتقام کی نذر ہو جائے گی۔

نوراں خوفزدہ ہو گئی۔ وہ بے چاری تو نہ ادھر کی رہی تھی اور نہ ہی اُدھر کی۔ وہ زیب کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اپنے اس منصوبے کے بارے میں پوچھ رہی تھی مگر نوراں اس ظالمانہ کھیل کا کردار بننے پر تیار نہیں ہو رہی تھی۔

''نوراں......'' زیب نے سختی سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا تو وہ

کانپنے لگی۔

"آپ پر تو میری جان بھی قربان بی بی...... بچی کا خیال آتا ہے۔ اور پھر نزہت بی بی تو مر جائیں گی۔" نوراں کو بڑا ترس آ رہا تھا نزہت اور بچی پر۔ اس کی اس بات پر زیب کو شدید تاؤ آ گیا۔

"تجھے نزہت بی بی کی زندگی پیاری ہے، اپنی زندگی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے...... اور سوچ ذرا اپنی بہن کے بارے میں جس کو اس کا شوہر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے روز چھوڑ دینے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ ارے مفت میں لڑکی مل رہی ہے اور تُو ناشکری کر رہی ہے...... چل دفع ہو جا...... تُو کیا سمجھتی ہے تُو میرا یہ کام نہ کرے گی تو کوئی بھی نہیں کرے گا؟ جا، میری نظروں سے دور ہو جا۔" زیب نے اس کی گزشتہ تمام خدمات کو ٹھوکر مار کر اسے دھکے دینے شروع کر دیئے تو وہ اس کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگی۔ اسے معلوم تھا زیب نے یہ سوچ لیا ہے تو ایسا ضرور کرے گی تو کیوں نہ وہی یہ کام کرے تاکہ بچی غلط ہاتھوں میں نہ جائے۔

"بی بی! میں صدقے جاؤں...... میں نے انکار کب کیا ہے...... بس ذرا ماں کی ممتا کا خیال آ گیا تھا۔ آپ حکم تو کریں...... کیا کرنا ہے؟" نوراں نے اس کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا تو زیب نے فوراً کہا۔

"اچھا جا، پہلے کٹورے میں میرے لئے دودھ گرم کر کے لا پھر بتاتی ہوں کیا کرنا ہے۔" زیب لیٹ گئی۔

"جی صدقے...... ابھی گئی اور ابھی آئی۔" نوراں اس کا موڈ بحال ہوتا دیکھ کر چلی گئی۔

اور پھر کوئی بھی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ حیدر سے اتنی نفرت کرنے والی زیب اس پر مہربان کیسے ہو گئی۔ حویلی میں اس کے داخلے پر جو پابندی تھی وہ ختم ہو گئی۔ نزہت کو اجازت مل گئی کہ وہ حیدر سے اپنے کام کروا سکتی ہے۔ یہ رویہ حیدر اور نزہت کے لئے حیران کن بھی تھا اور پریشان کن بھی۔

اس روز باقاعدہ پروگرام کے تحت زیب نزہت کی چھوٹی بیٹی کو گود میں لئے باہر آ گئی تو نزہت دل میں خوش ہو۔ نے لگی کہ اب زیب ٹھیک ہو رہی ہے۔ وہ خوش اور مطمئن سی کمرہ صاف کرنے لگی۔ زیب ندا کو لئے حویلی کے گیٹ پر آ گئی جہاں حیدر کو کسی کام سے پہلے ہی بلوا رکھا تھا۔

"جی بی بی! آپ حکم کریں...... کیا کام کرنا ہے......؟" اس کو دیکھتے ہی حیدر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا تو زیب نے بغور اس کو دیکھا پھر اپنی گود میں سوا سال کی ندا کو دیکھا۔ یہ بچی اس کی نفرت کا اس لئے بھی شکار تھی کہ اس کی شکل اس حد تک اپنی ماں سے ملتی تھی کہ گویا جڑواں ہو۔

"کام بھی بتاتی ہوں...... تُو پہلے یہ بچی پکڑ اور تھوڑی دیر کھلا۔ اس کی ماں کام کر رہی ہے۔ پھر بعد میں تجھے میں نے شہر کام سے بھیجنا ہے۔ بتا، چلا جائے گا شہر؟" وہ ندا کو حیدر کی گود میں دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں جی، جو حکم کریں گی بجا لاؤں گا۔ حویلی کا نمک خوار ہوں بی بی جی اللہ کے فضل سے۔ آپ حکم تو کریں شہر تو کیا جہاں بھی جانا پڑا جاؤں گا اللہ کی مدد سے۔" حیدر نے ندا کو پیار کرتے ہوئے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا۔

"اچھا پھر میں ابھی آئی۔" زیب ندا کو اس کے پاس چھوڑ کر اندر آ گئی جہاں نوراں باقی کی کارروائی انجام دینے کے لئے تیار تھی۔

"جا نوراں، اب تیری باری ہے۔ پر احتیاط کے ساتھ۔ کسی کو شک نہ گزرے۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں بی بی! آج تک کسی کو شک گزرا ہے جو اب گزرے گا؟" نوراں باہر آ گئی۔ بے چاری نزہت اپنے ساتھ ہونے والی اس خطرناک اور جان لیوا سازش سے بے خبر بڑی خوش اور مطمئن تھی کہ آج کل زیب کا موڈ بڑا اچھا اور خوشگوار ہے۔ نوراں کسی کو گمان گزرے بغیر باہر آ گئی جہاں حیدر ندا کو کھلا رہا تھا۔

"ہائے حیدر! ندا تیرے پاس ہے۔ نزہت بی بی وہاں پریشان ہو رہی ہیں۔ لا مجھے دے اور خود بڑی بی بی کا انتظار کر۔ انہوں نے کوئی کام کروانا ہے تجھ سے۔"

نوراں ندا کو حیدر سے لے کر اندر آ گئی۔ نزہت اندر کمرے میں تھی۔ وہ بے خبر کیا جانے کہ اس کی ممتا لٹ رہی ہے۔ نوراں دوسرے دروازے سے ندا کو لے کر اپنی بہن کے گھر چلی گئی جس کو آج رات ہی اپنے شوہر کے ساتھ فیصل آباد جانا تھا۔

زیب کو جب تسلی ہو گئی کہ ندا کو نوراں لے گئی ہے تو اس نے کچھ سامان باندھا اور حیدر کو بلا لیا۔

"لے حیدر! یہ کچھ سامان ہے، تیرے صاحب کو چاہئے۔ شہر لے جا۔ شہر کی کوٹھی کا پتہ تو تیرے پاس ہے ناں......؟"

"ہاں جی کئی دفعہ جا چکا ہوں، آپ فکر نہ کریں جی۔ میں سامان لے جاؤں گا۔"

"لے نہیں جاؤں گا ابھی اور اسی وقت چلا جا۔ میں تیری ماں کو بتا دیتی ہوں، وہ فکر نہیں کرے گی۔ چل بھاگ جا سامان اٹھا کر...... یہ لے پیسے۔" زیب نے کئی نوٹ اس کی جیب میں ڈالتے ہوئے اتنی جلدی کی کہ حیدر بھی سمجھنے لگا کہ نجانے کتنا ضروری سامان ہے۔ وہ وہیں سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ندا کو زیب لے کر گئی تھی۔ اب کافی دیر ہو گئی تھی۔ نزہت کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ باہر آئی تاکہ زیب سے ندا کو لے آئے۔

"آپا! ندا کہاں ہے؟" مارے گھبراہٹ کے نزہت کی جان پر بن آئی جب اس نے زیب کی گود میں ندا کو نہیں دیکھا۔ زیب نے ایک مطمئن سی نگاہ اس پر ڈالی۔

"حیدر کے پاس ہے...... وہی کھلا رہا ہے اسے۔ ارے نوراں! جا حیدر سے ندا کو لے کر آ۔ میں نے تو جھانکا تھا، کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

"جی ابھی گئی۔" نوراں نے چور نظروں سے بے چین سی نزہت پر نظر ڈالی جس کی حالت بری ہو رہی تھی۔

"آپا! ندا کو آپ لے کر آئی تھیں؟" نزہت کو کسی کل قرار نہیں تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو نوراں سے پہلے خود باہر چلی جاتی۔

"ہاں تو جرم ہو گیا کہ میں نے لے لیا تھا۔ بھئی باہر آئی تو وہ ہمک ہمک کر اپنے

ماموں کے پاس جانے لگی۔ میں نے حیدر کو دے دی۔ میں خود انتظار کر رہی تھی مگر وہ آیا ہی نہیں۔" زیب ابھی بات کر ہی رہی تھی کہ نوراں گھبرائی ہوئی اندر آ گئی۔

"غضب ہو گیا بی بی! وہاں تو نہ حیدر ہے نہ ندا ہے...... چوکیدار سے پوچھا تو کہنے لگا کہ حیدر چادر میں کچھ چھپائے بھاگتا ہوا جا رہا تھا۔ اب ان کو کیا پتہ تھا کہ چادر میں ندا ہے چھوٹی بی بی کی..." نوراں بتا رہی تھی۔ نزہت کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"ہائے میں مر جاواں...... وہ نمک حرام ہماری بچی کو اغواء کر کے لے گیا...... نزہت بی بی! اور کر اعتبار ان کمین پر...... شریف سمجھ...... ہائے ہائے ہم لٹ گئے...... ہماری بچی حیدر اغواء کر کے لے گیا...... ارے کوئی جاؤ اس کے باپ کو اطلاع کرو۔ نزہت! اب ہوش کرو...... دیکھ لئے اپنے لاڈلے بھائی کے کرتوت...... لڑکی کو اغواء کر کے لے گیا...... معصوم بچی......"

زیب مصنوعی آنسو بہاتے ہوئے واویلا مچا رہی تھی۔ نزہت کو تو لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کی جان نکل جائے گی۔

"ہائے میری بچی...... آپا! میری بچی لا دو آپا...... اس نے بڑی دیر سے دودھ نہیں پیا...... میری بچی لا دو......" نزہت تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"ارے کہاں سے لا دوں...... جب میں نے کہا کہ نہ اعتبار کر اس ذلیل آدمی کا، تم نے کہا بھائی ہے، شریف ہے۔ اب پتہ چل گیا ناں کیسا ہاتھ صاف کیا ہے......"

"میں کیا کروں آپا...... مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ایسا ہو گا...... میری بچی...... میری ندا......" نزہت پر بار بار بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ زیب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"اب چپ کر جا۔ کئی لوگوں نے چادر میں کچھ چھپا کر اسے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں اور وجاہت کو بھی اطلاع دیتی ہوں۔"

پھر زیب نے وہیں سے وجاہت کا نمبر ملایا۔

"ہاں، ہیلو وجاہت...... بری خبر ہے......"

"تم نے کبھی اچھی خبر بھی سنائی ہے...... خیر بولو؟" وجاہت نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خبر یہ ہے وجاہت! کہ حیدر تمہاری لڑکی ندا کو اغواء کر کے بھاگ گیا۔ اگر شہر آئے تو خبر دینا......"

"دماغ خراب ہے تمہارا۔ وہ سوا سال کی بچی کو لے کر کہاں چلا گیا؟" وجاہت غصے سے دھاڑا۔

وجاہت علی لاکھ بدکردار، لاپرواہ سہی...... مگر باپ تو تھا۔ معصوم سی بیٹی کی گمشدگی نے اس کے اندر آگ سی بھر دی۔ اس کی رگوں میں اُبال آ رہے تھے۔ اس کے بس میں ہوتا تو اپنی معصوم بچی اغوا کرنے والے حیدر کو اتنی گولیاں مارتا کہ اس کا جسم چھلنی ہو جاتا۔ اس کی سمجھ میں زیب کی بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ اگر حیدر نے لڑکی کو اغوا کیا ہے تو پھر وہ میرے پاس کیوں آئے گا۔

"دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے ان عورتوں نے...... خان......!" وجاہت مستقل غصے اور پریشانی میں ٹہل رہا تھا پھر غصے سے دھاڑا۔

"جی صاحب!" خان پھرتی سے اندر آ گیا۔

"گاڑی کا تیل پانی چیک کرو...... ہم ابھی گاؤں جائیں گے۔" بات ہی ایسی تھی کہ اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

"تمام گاڑیاں تیار ہیں صاحب!"

"ٹھیک ہے...... چلو۔" وجاہت، خان کے ساتھ باہر پورچ میں آیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنا پریشان ہو رہا تھا۔ اسے گو کہ اپنی اولاد سے خاص لگاؤ نہیں تھا بلکہ اس نے تو کبھی اپنی معصوم بچیوں کے سر پر ہاتھ تک نہیں پھیرا تھا مگر آج اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کا دل نکال کر لے گیا۔ وہ جلد از جلد گاؤں پہنچنا چاہتا تھا۔

گاڑی ابھی پورچ سے نکلی بھی نہیں تھی کہ خان نے سائیڈ مرر میں دیکھا۔ حیدر شانے پر چادر میں کچھ ڈالے گیٹ سے داخل ہو رہا تھا۔ اس نے یک دم بریک لگائے۔

"کیا ہوا؟" وجاہت نے غصے سے خان کو گھورا۔

"صاحب حیدر......"

"کہاں ہے وہ خبیث انسان۔" غصے سے پاگل وجاہت گاڑی سے نیچے اترا۔ اتنی دیر میں بدنصیب حیدر اصل صورت حال سے بے خبر آگے بڑھا۔

"السلام......" حیدر کی زبان سے ابھی سلام بھی ادا نہیں ہوا تھا کہ وجاہت وحشی انداز میں اس پر جھپٹا اور مارنا شروع کر دیا۔

"ذلیل...... کمینے...... نمک حرام...... ہمارے ٹکڑوں پر نسلیں پلی ہیں تمہاری اور...... اور تُو نے یہ نیچ حرکت کی ہے...... میں تیری جان لے لوں گا...... تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔" گھونسے، لاتیں، تھپڑ اتنی روانی سے پڑ رہے تھے۔ حیدر اس صورت حال کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کے ناک منہ سے خون بہنے لگا۔

"صاحب...... صاحب مجھے ضرور ماریں مگر پہلے میرا جرم تو بتا دیں...... آخر میں نے کیا، کیا ہے؟" حیدر تو اس آفت ناگہانی سے بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے ہونٹ پر سے خون صاف کرتے ہوئے بمشکل پوچھا تو وجاہت کو اور غصہ آ گیا۔

"اچھا قصور بھی میں بتاؤں۔ میں بتاؤں تیرا جرم کیا ہے نمک حرام...!" وجاہت حیدر کو دیوانہ وار مارے جا رہا تھا مگر دور کھڑے خان کو ترس کے ساتھ یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ حیدر بے خبر اور بے قصور ہے۔ وہ خود آگے بڑھا۔

"صاحب آپ پیچھے ہٹیں...... میں خود پوچھ لیتا ہوں۔ آخر ہم کس لئے ہیں۔" خان نے وجاہت کو پیچھے کیا اور حیدر کو بالوں سے پکڑا۔

"اتنا بڑا جرم کر کے پوچھتے ہو میرا جرم کیا ہے...... بتاؤ صاحب کی بیٹی کہاں ہے؟" خان نے اس کے بال کھینچ کر پوچھا تو حیدر جو اس سارے ڈرامے سے بے خبر تھا تمام چوٹوں کی تکلیف بھول گیا۔

"بے...... بے...... بیٹی...... مجھے کیا پتہ...... وہ تو گاؤں میں ہے۔" وہ انتہائی معصومیت سے بولا۔

''گاؤں...... دیکھا تُو نے خان...... کہہ رہا ہے گاؤں...... یہ ایسے نہیں مانے گا۔ پولیس کو فون کرو۔ میری بیٹی اسی کے پاس ہے۔ وہی اس سے اگلوائیں گے۔''

وجاہت نے آگے بڑھ کر ایک لات حیدر کے پیٹ میں ماری تو وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ کتنی دیر وہ بولنے کے قابل نہ رہا۔ فرش پر لیٹا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ جب ذرا ہمت ہوئی تو اس نے بمشکل سر اٹھایا۔

''صاحب! خدا کی قسم...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... پانی...... پانی......''

حیدر بات کرتے کرتے ہانپنے لگا۔ خان نے جلدی سے اسے پانی پلایا۔

''سنو حیدر! گاؤں سے بڑی بی بی کا فون آیا تھا کہ تم صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی ندا کو اغوا کر کے کہیں بھاگ گئے ہو۔'' خان کو چونکہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حیدر بے قصور ہے لہٰذا اس نے جب صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ کھلے منہ اور پھٹی آنکھوں سے خان اور پھر وجاہت کو دیکھنے لگا جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس کا دماغ گھوم گیا...... یہ کیسا ڈرامہ ہے۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

''اللہ لاشریک کی قسم...... یہ جھوٹ ہے...... بہتان ہے...... الزام ہے۔'' وہ گڑگڑایا۔

''دیکھا پھر جھوٹ...... پھر جھوٹ بول رہا ہے خبیث۔'' وجاہت پھر اس کی طرف بڑھا۔ مگر ڈرامہ کیا ہے حیدر بھی سمجھ گیا تھا۔ اس نے سانس بحال کئے، خدا سے مدد چاہی۔ وہ سچا تھا۔ خدا نے اس کو ہمت دی۔

''صاحب! میں الحمدللہ مسلمان ہوں، موت سے نہیں ڈرتا۔ آپ یقین نہ کریں مگر میں خدا کو حاضر ناظر جان کر بتاتا ہوں آپ کو کہ میں حویلی گیا۔ باہر کھڑا تھا تو بی بی ندا کو لے کر میرے پاس آئیں اور کہا کہ میں اسے بہلاؤں۔ میں نوکر تھا صاحب جی! بچی کو کھلانے لگا۔ ابھی آدھا گھنٹہ ہوا تھا کہ نوراں آئی کہ ندا کو چھوٹی بی بی مانگ رہی ہیں۔ میں انکار کیوں کرتا۔ اسی وقت بچی نوراں کے حوالے کر دی۔

میں دوسرے حکم کے لئے کھڑا تھا کہ بڑی بی بی آئیں اور یہ چیزیں دیں کہ شہر لے جاؤں آپ نے منگوائی ہیں۔ اللہ پاک کی قسم صاحب! میں پھر یہاں آ گیا۔ پیچھے کیا ہوا ہے مجھے کچھ پتہ نہیں...... مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔ نوراں سے پوچھیں جی، مجھے کیا پتہ۔'' حیدر کے روتے لہجے میں ڈھلے الفاظ سچائی کی تصویر تھے۔ خان کو تو اس کی بے گناہی پر یقین آ گیا۔ ہاتھ تو وجاہت کا بھی رک گیا مگر وہ فوری اعتبار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ آگے بڑھا، پھر حیدر کے بال نوچ لئے۔

''اس خبیث کو قید میں رکھو۔ جب تک میں گاؤں سے اصل صورت حال معلوم کر کے نہیں آ جاتا یہ یہیں رہے گا۔ اگر اس نے جھوٹ بولا تو نہیں چھوڑوں گا۔''

''قسم اللہ کی، بچی نوراں کے پاس ہے...... آپ پتہ کر لیں جا کر۔''



''اب کیوں روتی ہو...... پہلے ہی کہا تھا کہ حیدر اچھا لڑکا نہیں پر تمہاری سمجھ میں بات بھی آئے۔'' نزہت کو روتا بلکتا دیکھ کر نجانے کیوں زیب کو ایک طرح کا سکون مل رہا تھا۔ وہ اپنی ہر جیت پر یوں ہی خوش ہوا کرتی تھی۔ اور یہ بھی تو اس کی جیت تھی کہ ایک طرف تو حیدر کو سزا ملے گی دوسری طرف اب اس غفلت کے نتیجے میں نزہت کی چھٹی ہونے والی تھی۔ تو بھلا اس سے بڑھ کر اس کی کون سی جیت ہو سکتی تھی۔ وہ پتھر دل تھی جس پر کسی کے آنسو اثر نہیں کرتے تھے۔ وہ مزے سے نزہت کے زخموں پر نمک پاشی کر رہی تھی۔

''آپا خدا کے واسطے...... مجھے کہیں سے میری بیٹی لا دو...... خدا کے واسطے میری ندا کہیں سے لے آؤ۔'' نزہت روئے جا رہی تھی۔ اس کی ممتا تڑپ رہی تھی۔

''میں کہاں سے لاؤں بی بی! وہ ذلیل، نمک حرام جس کی شرافت پر تم کو بڑا مان تھا اسی نے تمہارا جگر نوچا ہے۔ اب کیا روتی ہے......'' زیب اب بھی حیدر کے خلاف زہر اگل رہی تھی۔

''کاش...... کاش آپا میں اس شیطان کو پہچان گئی ہوتی تو...... کاش...... میرے

خدا مجھے معاف فرما دے...... میری آزمائش ختم فرما دے...... میری بچی مجھے لوٹا دے۔ پروردگار میں کیا کروں...... میری بچی دے دے اور اس شیطان کو ایسی سزا دے کہ اس نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ کاش کہیں سے مل جائے تو میں چیلوں کے آگے ڈال دوں...... شکل سے کتنا شریف نظر آتا تھا...... ہائے میری بچی بھوک سے رو رہی ہو گی...... وہ نجانے اسے کہاں لے گیا...... میرے خدا! میری بچی مل جائے۔"

نزہت کی یہ آہ و بکا، یہ تڑپ کم از کم نوراں کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ پیچھے ہی زیب بھی آنے لگی تو نزہت نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

"آپا میں...... میں آپ کی تمام عمر احسان مند رہوں گی...... خدا کے واسطے میری بچی کا پتہ بتا دو...... خدا کے واسطے آپا!" وہ اس کے پاؤں پکڑے رو رہی تھی۔ زیب کے قدم رک گئے۔ وہ نیچے جھکی اور نزہت کو اوپر اٹھایا، کچھ دیر دیکھتی رہی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ ندا کو میں نے کہیں چھپا رکھا ہے یا اس کے اغواء میں میرا ہاتھ ہے...... یہی خیال ہے ناں تمہارا......؟" نزہت کے شانوں پر زیب کی گرفت انتہائی سخت ہو گئی۔ یکبارگی اس کی چیخ نکل گئی۔

"نہیں آپا! خدا کی قسم یہ خیال میرے ذہن میں نہیں آیا...... وہ آپ کی بھی بیٹی ہے آپا...... آپ اس کی تلاش کریں۔ خدا کے واسطے آپا کچھ کریں۔ میں تمام عمر آپ کی احسان مند رہوں گی...... پلیز آپا!" نزہت ماہی بے آب کی طرح مچل رہی تھی۔ وہ بار بار زیب کے پاؤں پڑ رہی تھی۔ زیب کچھ نہیں بولی۔ باہر چلی گئی۔ اپنے کمرے میں آئی جہاں نوراں سہمی کھڑی تھی۔

"بی بی! مجھے بڑا ترس آ رہا ہے چھوٹی بی بی پر...... بی بی کوئی بہانہ بنا کر میں بچی لے آتی ہوں...... مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔" نوراں نے بھی اب فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے اسے نوکری چھوڑنی پڑ جائے، چاہے زیب اس کی جان لے لے مگر وہ ندا کو واپس لے آئے گی۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس

کی بات پر ابھی پھٹ پڑے گی۔ مگر زیب چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"نوراں! تُو نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ اس لئے میں کہہ رہی ہوں جا چلی جا اور خبردار جو کبھی پلٹ کر حویلی میں آئی...... جا، ابھی وجاہت آنے والے ہیں۔ جا......!" الفاظ سخت ضرور تھے مگر نوراں محسوس کر رہی تھی کہ لہجہ دھیما ہے۔ چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ کچھ سمجھے بغیر چلی گئی لیکن اسے کچھ تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا۔



وجاہت حویلی کیا آیا گویا قیامت آ گئی۔ حویلی کے در و دیوار لرز اٹھے تھے۔ وہ اتنے غصے میں تھا۔

"بند کرو اب تم یہ ڈرامے بازی...... تمہیں تو اپنے ماں ہونے پر بڑا گھمنڈ تھا۔ پھر اولاد کی حفاظت بھی نہیں ہو سکی تم سے۔ بتاؤ کہاں ہے میری بیٹی؟" وجاہت نے نزہت کو ایک تھپڑ لگایا تو وہ اس کے قدموں میں گر گئی۔ وہ اسے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ اب اولاد کی محبت تمہیں کہاں سے آ گئی۔ کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی اور اب...... مگر تھا تو باپ۔ دونوں کا دکھ مشترکہ تھا۔

"وجاہت میں...... میں بے قصور ہوں وجاہت! میں تو ہر وقت بچوں کے ساتھ اس کمرے میں بند رہتی تھی۔" وہ اس کے پاؤں پکڑے روئے جا رہی تھی۔

"ہاں...... تو اس بند کمرے سے وہ ہوا بن کر کہیں نکل گئی یا کوئی جادوگر آ کر لے گیا جو تمہیں نظر نہیں آیا؟ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" وجاہت نے زور سے اسے دھکا دیا۔

"وجاہت! خدا کی قسم مجھے کچھ پتہ نہیں...... زیب آپا آئیں اور جھولے سے ندا کو اٹھا کر لے گئیں اور اس کے بعد مجھے کچھ پتہ نہیں میری بچی......"

"ہاں...... اب الزام لگا دو زیب پر کہ اس نے اغواء کیا یا کروایا ہے......" وہ

وھاڑا۔

"نہیں خدا کی قسم وجاہت میں آپا پر الزام نہیں لگا رہی...... یہ بتا رہی ہوں کہ اسے آخری بار آپا ہی نے اٹھایا تھا۔ وجاہت! چاہے مجھے جان سے مار دیں، کچھ کریں۔ میری بچی کہاں چلی گئی...... میں مر جاؤں گی ندا کے بغیر وجاہت پلیز......" نزہت کا رو رو کر برا حال تھا۔

"بند کرو اب یہ رونا دھونا......" وجاہت وہاں سے اٹھ کر زیب کے کمرے میں آیا۔ وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"زیب بیگم! تم تو بڑی مالکن ہو...... بڑی خبر رکھتی ہو زر، زمین اور حویلی کی۔ حویلی کی بیٹی معصوم بچی غائب ہو گئی اور تمہیں خبر ہی نہیں۔ کیا ہوا۔ دشمنی تمہاری نزہت کے ساتھ ہے، اس معصوم بچی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ بولو......" وجاہت ہمیشہ سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ زیب بغور اسے خاموش نظروں سے دیکھے گئی۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں...... یہ سب کیا ڈرامہ ہے...... حیدر وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا آخری بار نوراں بچی کو لے کر گئی تھی۔ نوراں کہاں ہے؟" وجاہت اپنے روایتی جلال میں تھا۔ زیب کی تمام عمر گزری تھی اس کے ساتھ مگر اتنے غصے اور تکلیف میں اس نے وجاہت کو نہیں دیکھا تھا۔

"وجاہت ایک بات بتاؤ...... کیا اولاد اتنی ہی پیاری چیز ہوتی ہے کہ یہاں وہاں ہو جائے تو ماں باپ کی ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے گہرے پانیوں میں رہنے والی مچھلی کو اگر پانی سے نکال کر خشکی پر رکھ دیا جائے تو وہ جل بن تڑپتی ہے۔ جب سے ندا گئی ہے نزہت بھی جل بن تڑپتی مچھلی کی مانند تڑپ رہی ہے اور اب تمہارا بھی یہی حال ہے...... کیا اولاد اتنی ہی پیاری چیز ہوتی ہے؟" زیب کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

"بکواس بند کرو زیب...... میں جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ...... نوراں کہاں ہے...... جہاں ہے اسے بلاؤ...... بلقیس...... بلقیس کہاں مر گئی ہو تم سب......" وجاہت نے

اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ دوسری ملازم بلقیس کو بلانے لگا۔

"وجاہت! اس نزہت سے کہو چپ کر جائے...... کل سے رو رو کر اس نے حشر کر دیا ہے...... میرے کان پھٹے جا رہے ہیں۔ اس سے کہو خدا کے واسطے اب یہ رونا دھونا بند کرے ورنہ میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔" اس وقت زیب کی کچھ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اسے نزہت پر غصہ آ رہا تھا مگر وہ اس کے لئے دل میں ہمدردی بھی محسوس کر رہی تھی۔ وہ پھٹ پڑی تو وجاہت غصے سے اس کی طرف بڑھا۔

"ماں نہیں ہو ناں...... اس لئے ماں کی تڑپ کو نہیں سمجھ سکتیں۔ پتھر بھرے ہیں تمہارے تو دل میں۔ آج ماں ہوتیں تو اب اس کے آنسو پونچھ رہی ہوتیں نہ کہ چلا رہی ہوتیں۔ جاؤ چلی جاؤ یہاں سے...... شاید تمہارے دل کی زمین ہی ایک پتھریلی چٹان تھی کہ جہاں سے ممتا کے شگوفے نہیں کھل سکتے تھے۔ اسی لئے خدا نے تمہیں اس نعمت سے محروم رکھا ہے...... کہاں چلی گئی ہیں یہ نوکرانیاں......" وجاہت اسے گومگو کی حالت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

اور پھر نجانے کیا کچھ ہوتا رہا۔ وجاہت نے کیا کیا اقدامات کئے بچی کو حاصل کرنے کے لئے، پتہ لگانے کے لئے...... زیب اپنے کمرے میں بند رہی۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ نزہت کے دکھ سے تسکین کی بجائے ایک عجیب طرح کی کیفیت ہو رہی تھی۔ ایک عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ وجاہت کے الفاظ اس کی تڑپ، نزہت کے بین، تڑپتی مچلتی ممتا......

"اُف توبہ......" اس نے کان بند کر لئے۔ اس کا کمرہ نزہت کے کمرے سے خاصا دور تھا مگر نزہت کی آوازیں تو لگتا تھا خود اس کے اندر سے آ رہی ہیں۔

"تم ماں نہیں ہو ناں...... اس لئے تمہارے دل میں نرمی نہیں...... تمہارا دل پتھریلی چٹان ہے......" وجاہت کے الفاظ ہتھوڑے بن کر احساسات پر برس رہے تھے۔ اک بے نام سی بے کلی نے آن گھیرا تھا۔ وہ دبے پاؤں نزہت کے پورشن میں

آئی۔ اس نے دیکھا وجاہت تو نجانے کہاں تھا نزہت روئے جا رہی تھی اکیلی۔ اپنے بال نوچتی، کبھی اپنے ہاتھوں پر دانتوں سے کاٹ لیتی، کبھی سجدے میں گر کر رونے لگتی۔

"میرے خدایا! اپنے حبیبؐ کے صدقے میری فریاد سن لے...... میری بچی مجھے لوٹا دے...... پہلے بھی تیری پاک ذات نے دی تھی اب بھی لوٹا دے...... دے دے ورنہ میری بھی جان لے لے...... میں بھی مر جاؤں گی میری بچی نہ ملی تو......" پھر نزہت فرش پر ٹکریں مارتی رہی تو یکبارگی زیب کو یوں لگا جیسے یہ ٹکریں وہ اس کے دل کے اوپر مار رہی ہے۔ اندر کچھ ہونے لگا۔ وہ وہاں ٹھہر نہیں سکی۔ وہاں سے آ گئی۔ پھر اس کی خود اپنی حالت بگڑنے لگی۔ وہ بھی ٹکریں مار کر رونے لگی۔ اور آج حویلی کے در و دیوار اس کے کمرے کی آشنا تنہائی میں پہلی بار اس کے آنسو دیکھ رہے تھے۔ اس کے رونے کی آواز سن رہے تھے...... اس کے اندر کچھ ہو رہا تھا۔ وہ روتی جا رہی تھی اور خدا سے دعا مانگتی جا رہی تھی۔

"میرے پیدا کرنے والے رب! میں...... میں اس قدر بری ہوں...... اس قدر ہی بری ہوں کہ میرے دل کی پتھریلی چٹان پر ممتا کے احساس کے شگوفے نہیں کھل سکتے۔ میرے خدا میں کیا چیز ہوں...... میں بہت بری ہوں...... مجھے معاف فرما...... معاف فرما دے میرے مالک...... مجھے بخش دے......"

اور پھر زیب بیگم کو پتہ بھی نہیں چلا کہ وہ کب گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی میں آ گئی۔ اللہ پاک تو ہر بات پر قادر ہے۔ سب کچھ نواز دینے پر قادر ہے۔ کوئی ہدایت مانگے تو ہدایت ملتی ہے۔ صبر مانگے تو صبر ملتا ہے۔ کون سی ایسی نعمت، کون سی حاجت ہے جو پوری نہ کرتا ہو اللہ پاک۔

زیب نے بھی زر، زمین کے جھگڑوں اور انتقام کی سیاست میں آنکھ کھولی تھی اور پلی بڑھی۔ نہ معاف کرنے کا ہنر سیکھا نہ خدا سے دعا کی۔ مگر ایک لمحہ آگہی کا آ گیا تو اس نے خدا سے ہدایت کی بھیک مانگی تو خدا نے ہدایت کی روشنی عطا کر دی۔ پھر وہ

روتی رہی اور نجانے کب تک وہ ندامت کے اشکوں سے گناہوں کو دھوتی رہی۔

فجر کی اذان ہوئی تو وہ صدقِ دل سے سجدے میں گر گئی اور نجانے کب تک اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہی۔ نانی ماں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں، نزہت کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی توبہ کرتی رہی۔ اور جب وہ توبہ کے اس سجدے سے اٹھی تو بدل چکی تھی۔ خود اپنے لئے نئی اور اجنبی ہو رہی تھی۔ پھر وہ آہستگی سے اٹھی اور نزہت کے کمرے کی طرف آئی۔ ہلکا سا دروازہ کھولا، ممتا کی ماری اب بھی ماہی بے آب کی طرح رو رہی تھی۔

"میرے اللہ لاشریک! میں اب سجدے سے تب ہی اٹھوں گی جب میری بیٹی کو تیری پاک ذات لوٹا دے گی۔ کسی ذریعے سے، کسی وسیلے سے میری بیٹی لوٹا دے...... کسی کو وسیلہ بنا دے میرے اللہ پاک!" نزہت سجدے میں گری ہوئی دعا مانگ رہی تھی۔ زیب دبے پاؤں وہاں سے آ گئی۔

زندگی میں پہلی بار زیب حویلی سے کسی ملازم کے گھر کی طرف چلی۔ نوراں صبح سویرے اپنی جی دار سفاک مالکن کو اپنے گھر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔

"بی بی جی آپ...... میں اب آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکوں گی بی بی! میں نے اللہ سے توبہ کر لی ہے اور برے کام نہ کرنے کا عہد کر لیا ہے۔ اللہ کے واسطے اب کسی اور کا بندوبست کر لیں۔" نوراں نے بھی بڑا کڑا وقت گزارا تھا۔ اس نے بھی توبہ کر لی تھی۔ اس نے تو پیسے کی خاطر کیسے کیسے برے کاموں میں زیب کا ساتھ دیا تھا لیکن اب اس نے بھی توبہ کر لی تھی اور حیرت کی انتہا تھی کہ جب سے اس نے توبہ کی تھی اب اسے زیب سے بھی خوف نہیں آ رہا تھا۔ وہ خوفزدہ تو صرف اس لئے ہو گئی تھی کہ اب پھر وہ اسے پھانسنے کی ناکام کوشش نہ کرے۔

"نوراں! میں اور تُو ایک ہی کشتی کے سوار ہیں...... وہ توبہ کی کشتی ہے۔ میرے مولا نے چاہا تو میرا رب اس کشتی کو اپنی بخشش کا کنارہ ضرور عطا فرمائے گا۔ بس میرا ایک حکم مان۔ ابھی جا اور بچی کو اپنی بہن سے لے آ۔" زیب نے بڑی محبت سے

نوراں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو نوراں اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے وہاں بھی خدا کی رحمت کی کرنیں نظر آ رہی تھیں۔

"بی بی! میری بہن اسے لے آئی۔ وہ خود بھی اس بات پر تیار نہیں تھی اور پھر میں نے بھی بغاوت کا پروگرام بنا لیا تھا اس لئے میں بچی کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ آپ بیٹھیں میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" نوراں خوشی خوشی آگے بڑھی۔ مگر پھر واپس پلٹ آئی۔

"کیوں...... اب کیا ہوا نوراں...... جلدی کر...... ابھی تیری شادی نہیں ہوئی ناں...... تُو نہیں سمجھ سکتی...... ماں کے دکھ کو نہیں سمجھ سکتی۔ وہاں ایک ماں مر جائے گی۔ جا جلدی کر......"

"بی بی! آپ ناراض نہ ہوں تو پوچھوں کہ......"

"نہیں...... اب میں کبھی ناراض نہیں ہوں گی، تو بات کر......"

"بی بی آپ...... آپ واقعی...... میرا مطلب ہے کہ......" لحاظ کے مارے وہ اپنی بات کہہ نہ سکی مگر زیب اس کا مطلب ضرور سمجھ گئی۔

"اگر تُو اپنے رب کے حضور توبہ کر سکتی ہے تو کیا میں نہیں کر سکتی؟ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لی ہے۔ تُو اب دیر نہ کر اور ندا کو لے آ......" زیب نے نرمی سے کہا تو نوراں جلدی سے چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد سوئی ہوئی ندا کو جس نے رو رو کر اپنا حشر کر لیا تھا لے کر آئی۔ زیب نے ندا کو گلے لگایا تو اس کے اندر ممتا جاگ اٹھی۔ وہ اس کو لپٹا کر شدت سے رو پڑی اور گود میں لے کر وہاں سے حویلی واپس آ رہی تھی تو راستے میں حیدر کی پریشان ماں مل گئی۔

"بی بی! آپ یہاں...... میں حویلی گئی تھی، وہاں بھی آپ نہیں تھیں۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

ماسی کا بیٹا غائب تھا۔ اس کے تو دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ بتانے والوں نے بتایا تھا کہ حیدر کو زیب نے شہر بھیجا تھا۔ اس کے بعد کوئی خبر نہیں تھی کسی کو۔"

"ماسی میں حویلی ہی جا رہی ہوں...... وہاں چلو، بات کرتے ہیں۔"

ماسی گو کہ بڑی پریشان تھی مگر زیب کے بدلے ہوئے رویے نے اسے حیران کر دیا۔ وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی حویلی آ گئی۔

"ماسی تُو میرے کمرے میں بیٹھ، میں ابھی آتی ہوں۔" زیب اسے اپنے کمرے میں چھوڑ کر نزہت کے کمرے کی طرف بڑھی جہاں سے وجاہت کے دھاڑنے کی آواز آ رہی تھی۔

"چپ کرو...... اب ڈرامہ ختم کرو رونے دھونے کا۔ بڑا شوق تھا تمہیں حویلی میں آنے کا، رہنے کا، بچے پالنے کا۔ یہ تمہاری تعلیم ہے، یہ تمہاری تربیت ہے۔ اپنے بچوں تک کا خیال نہیں رکھ سکتیں تم...... نہیں اب میں تمہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ جو عورت میرے بچوں کا خیال نہ رکھ سکتی ہو وہ میرے گھر میں بھی نہیں رہ سکتی۔ میں ابھی اور اسی وقت تم کو طلاق......"

آگے کچھ نہ کہنا وجاہت...... لو سنبھالو اپنی بیٹی......" زیب عین وقت پر اندر آ گئی تو تڑپتی نزہت جس پر دوسری قیامت ٹوٹنے ہی والی تھی ندا کو دیکھ کر سب کچھ بھول کر دیوانہ وار زیب کی جانب بھاگی اور ندا کو جھپٹ لیا۔

"میری بچی...... میری ندا...... میری جان......" نزہت کی جلتی ممتا پر گویا ٹھنڈا پانی پڑ گیا ہو۔

"آپا! خدا آپ کو زندگی دے، آپا! آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ آپ نے میری آگ بجھائی ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ میری بچی...... میرے رب! میں تیرا شکرانہ ادا نہیں کر سکتی۔ تیرا شکر ہے مالک! تیرا شکر ہے۔" نزہت ندا کو پیار کئے جا رہی تھی اور تشکر کے آنسوؤں سے اس کا گریبان بھیگ رہا تھا۔ وجاہت بھی تڑپ کر ندا کی طرف بڑھا۔

"ندا...... میری بیٹی...... کہاں چلی گئی تھیں تم......" وجاہت اور نزہت مشترکہ طور پر ندا کو پیار کر رہے تھے۔ کچھ دیر قبل والا جلالی وجاہت جو نزہت کو طلاق دے رہا

تھا اب ندا کو چومے جا رہا تھا۔ زیب ان ماں اور باپ کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا بے پایاں پن تھا ان کے پیار میں...... وہ کھو سی گئی۔

"زیب! کہاں تھی یہ...... کہاں سے ملی ہے...... نوراں کے پاس تھی ناں...... کہاں ہے نوراں...... میں اس نمک حرام کو خود گولی سے اڑاؤں گا۔" وجاہت کو ایک دم ہی اسے لے جانے کا خیال آ گیا۔ اس نے دیوار پر سے اپنی بندوق اتاری تو زیب ایک دم اس کے سامنے آ گئی،

"آپ کو اپنا مجرم چاہئے ناں وجاہت...... اپنے مجرم کو گولی مارنا چاہتے ہو ناں...... تو مارو مجھے گولی...... جتنی جی چاہے گولیاں اتار دو اپنی مجرم کے سینے میں......" زیب اس کے سامنے آنکھیں بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" وجاہت بالکل بے خبر تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، کیا مطلب ہے اس کا اس بات سے۔ نزہت بھی ندا کو چمٹائے زیب کے قریب آ گئی۔

"زیب آپا! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں...... آپ تو میری محسن ہیں...... خدا کی قسم کبھی آپ کی خاطر جان بھی دینی پڑی تو سوچوں گی نہیں...... میرا خدا مجھے معاف کرے آپا...... آپ بھی معاف کر دیں۔" نزہت کی ممتا کی آگ بجھ چکی تھی۔ وہ بے حد خوش تھی۔ مگر زیب ایک بار پھر ندامت کے اندھیرے میں گر گئی۔

"نزہت...... میری بہن...... میں تمہاری مجرم ہوں...... مجھے معاف کر دو...... میں نے اپنے رب سے تو بہت توبہ کی ہے، وہ بخشنے والا ہے...... تم بھی اللہ کے واسطے مجھے معاف کر دو...... معاف کر دو......" زیب نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تو نزہت کے ساتھ وجاہت بھی حیران رہ گیا۔

"زیب! کیا بات ہے...... جو سچ ہے وہ بتاؤ...... ایسے کیوں کر رہی ہو...... تم تو ایسی کبھی نہیں تھیں۔"

"جب اللہ پاک ہدایت بخش دیتا ہے ناں وجاہت تو گمراہی کے اندھیرے

ہدایت کی روشنی سے ختم ہو جاتے ہیں...... میری طرف غور سے دیکھو...... اور غور سے سنو......" تب زیب نے ندامت سے سر جھکائے نزہت اور وجاہت کو سب کچھ بتا دیا تو کچھ دیر کے لئے نزہت سن ہو کر رہ گئی۔ مگر پھر اس کے بدل جانے کے خیال سے خوش ہو گئی۔ مگر وجاہت غصے میں آ گیا۔

"تم اس حد تک بھی گر سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کم ظرف عورت...... یہ لڑکی اگر تمہاری اپنی ہوتی تو تم ایسے ہی دلیری سے کسی بے اولاد کو دے دیتیں؟ ارے بے اولاد تو تم خود بھی تھیں، خود بھی تو پال سکتی تھیں تم...... مگر تم تو انتقام میں اس قدر اندھی ہو گئیں کہ گھر کی بیٹی کو، گھر کی عزت کو کسی دوسرے انجانے کی کمین لوگوں کے گھر بھیج دیا...... زیب! میں نے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دیا ہے مگر تم اس قابل ہو ہی نہیں، تمہارا قصور اتنا بڑا ہے کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ میں تمہیں سزا بھی ایسی ہی دوں گا...... میں تمہیں طلاق......"

"خدا کے واسطے وجاہت! آپ کو خدا کی قسم...... ایسا کوئی قدم نہ اٹھایئے گا...... زیب آپا کو معاف کر دیں۔ پلیز وجاہت! خدا کے لئے معاف کر دیں۔" نزہت نے بڑھ کر وجاہت کے پاؤں پکڑ لئے تو وجاہت ان دونوں عورتوں کو گھورنے لگا جن کا رویہ آپس میں بھی عجیب تھا اور اس کے ساتھ بھی۔ اسے دونوں پر تاؤ آ گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم دونوں...... زندگی عذاب کر کے رکھ دی ہے تم دونوں نے......" وجاہت ان دونوں سے ناراض ہو کر باہر نکل گیا۔

"آپا...... زیب آپا......" وجاہت کے جانے کے بعد نزہت نے سکتے کی کیفیت میں بیٹھی زیب کو پکارا تو کچھ دیر وہ اس کو دیکھتی رہی۔ پھر نزہت کے پاؤں پکڑ لئے۔

"نزہت میری بہن...... میں تمہاری مجرم ہوں...... خدا کے واسطے تم بھی مجھے معاف کر دو...... میں نے بڑے ظلم کئے ہیں تم پر...... معاف کر دو...... معاف کر دو...... خدا کے لئے......"

"ارے آپا! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ...... آپ نے جو کیا، جس جذبے کے تحت کیا اس میں تو ایسا ہوتا ہی ہے...... اور پھر میں نے تو آ کر آپ کے شوہر کی توجہ اور محبت تقسیم کی تھی۔ جواباً آپ کا ایسا رویہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ چلیں جانے دیں...... جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ بھی دل صاف کر لیں اور میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔ انھیں، یہ میری نہیں آپ کی بیٹیاں ہیں۔" نزہت نے زیب کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور پھر ندا کو اس کی گود میں ڈال دیا۔ کافی دیر دونوں دل کی بھڑاس نکالتی رہیں۔

"اوہو...... وہ حیدر کی ماں آئی بیٹھی ہیں ہے...... میں تو بھول ہی گئی۔ اس بیچارے کو ناحق مار پڑ گئی۔ خان بتا رہا تھا کہ وجاہت نے وحشیوں کی طرح اس بے گناہ کو پیٹا ہے...... اُف توبہ، میرے خدا...... میں کس قدر بری ہوں کہ میری وجہ سے بے گناہوں کو سزائیں ملیں۔" زیب خود کو ملامت کرنے لگی۔

"آپ ماسی کو ساری بات بتا دیں۔ یہ غریب لوگ بڑے ظرف والے ہوتے ہیں۔ ہمیں معاف کر دیں گے۔ چلیں آئیں۔ میں چلتی ہوں ساتھ۔"

اور پھر نزہت زیب کو لے کر ماسی کی عدالت میں آ گئی جس کی سوال کرتی نگاہیں زیب کو پریشان کر رہی تھیں۔ تب نزہت نے ماسی کو آرام سے ساری صورت حال بتا دی تو ماں کا دل بیٹے کے لئے تڑپ اٹھا۔

"مجھے معاف کر دو ماسی...... خدا کے لئے معاف کر دو۔" زیب نے ہاتھ باندھ دیئے تو ماسی نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چوم لئے۔

"میری بیٹی! تُو تو اس گاؤں کی بیٹی ہے...... اس حویلی کی بہو ہے...... اگر کچھ ہو ہی گیا ہے تو ہمارا نصیب، ہمارا مقدر...... اب ہاتھ باندھ کر اور نہ......" ماسی نے زیب کو گلے لگا لیا۔

◆......◆

خوشیوں کی نئی سحر طلوع ہو چکی تھی۔ حویلی کی انتقامی روایات ختم ہو گئی تھیں۔ نزہت اور زیب بہنوں کی طرح ایک دوسرے کو عزیز ہو گئی تھیں۔ حیدر شہر سے آ چکا تھا۔ اب وہی حیدر تھا، حویلی آتا جاتا اور نزہت سے پڑھتا بھی تھا مگر اب زیب اسے کچھ نہیں کہتی تھی بلکہ اپنے کام بھی اسی سے کرواتی۔ اس نے خود محسوس کیا تھا کہ جب سے اس نے اپنے اندر کی خطرناک عورت کے خاتمے کے لئے خدا سے دعا کی ہے، دوسروں کے بارے میں نفرت کی بجائے محبت سے سوچنا شروع کیا ہے تو وہ خود پُرسکون رہنے لگی تھی۔ اب اسے ہر بات میں، ہر عبادت میں مزا آتا تھا۔ پہلے دل کالا تھا تو نماز سے بھی سکون نہیں ملتا تھا۔ اب تو سجدے میں جاتی تو امن وسکون کی دولت سے مالا مال اٹھتی۔ اب دونوں خوش اور مطمئن تھیں مگر وجاہت کی جانب سے دونوں پریشان تھیں۔

"تم کہہ رہی تھیں کہ وہ پھر شادی کر رہا ہے...... اگر ایسا ہوا تو......" ایک روز زیب نزہت سے پوچھ رہی تھی۔

"ارے نہیں آپا! انور صاحب بتا رہے تھے کہ وہ جس لڑکی کے پیچھے لگے ہیں بڑی سمجھدار ہے۔ وہ ایسے حالات میں ہرگز ان سے شادی نہیں کرے گی۔"

"نزہت، میری بہن! وہ مرد ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے...... سوائے خدا کے۔ وہ لڑکی نہ کرے گی تو کسی اور سے کر لے گا۔ میری بات مانو تو تم شہر والے گھر میں رہو بچوں کو لے کر...... اب ان کو سکول جانا چاہئے۔" زیب کہہ رہی تھی اور نزہت دل میں خدا کا شکرانہ ادا کر رہی تھی کہ کبھی یہ بات اس کے لئے کتنی ناممکن تھی مگر آج

خدا کے فضل سے زیب خود اپنے منہ سے کہہ رہی تھی۔

''جی آپا...... مگر بات تو پھر وجاہت پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ خود تو شہر رہ رہے ہیں اور......''

''تم فکر نہ کرو...... میں اس کا بندوبست کروں گی انشاء اللہ۔ تم بھی خدا سے دعا مانگتی رہا کرو۔ دعا میں بہت برکت ہے۔''

''چلیں آپا! کوشش کرتے ہیں...... اللہ کو منظور ہوا تو ہم دونوں بہنیں شہر میں رہیں گی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟'' نزہت بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔ تب زیب نے اسے گلے لگا لیا۔

''میرا خدا مجھے معاف کرے اور تمہیں خوش رکھے...... جو خدا کو منظور۔ اچھا اب میں چلوں۔ اب تو ذمہ داریاں بھی بدل گئی ہیں۔ بچوں کو لے کر وہیں میرے پاس آ جاؤ اب ہم مل کر ایک ہی پورشن میں رہا کریں گی۔''

''جی بہتر...... بچوں کے لباس بدل کر ابھی آتی ہوں۔''



ندا کے ملنے کے بعد وجاہت اسی روز شہر واپس آ گیا تھا۔ کیونکہ اب شہلا کے حصول کو اس نے اپنی ضد اور انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ وہ ہر وقت اسی تگ و دو میں لگا رہتا کہ کس طرح شہلا کو رام کرے اور انور کی سازشوں کو بے نقاب کر دے۔

''خان...... حسن سے کہو ہوشیار رہے۔ اور اب اسے پہلے سے زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

''صاحب آپ فکر نہ کریں۔ حسن بڑا تیز ہے۔ اس کی نظر ہر وقت شہلا بی بی کی نقل و حرکت پر رہتی ہے۔''

''خان ٹھیک ہے۔ شہلا مجھے پہلے سے پسند تھی مگر اب یہ میری ضد بن چکی ہے اور انور، اسے تو میں خوب اچھی طرح سمجھ لوں گا۔''

''آپ فکر نہ کریں صاحب! ویسا ہی ہو گا جیسا آپ چاہیں گے۔ مگر میرا ایک

مشورہ ہے کہ جو کچھ کریں سوچ سمجھ کر کریں۔'' خان کہنے کو اس کا خاص ڈرائیور تھا مگر اسے بڑے اچھے مشورے دیتا تھا اس لئے وہ اس کی بہت قدر بھی کرتا تھا۔ اس کے مشوروں پر عمل بھی کرتا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے...... تم ذرا گاڑی چیک کرو میں فون کر کے ابھی آتا ہوں۔''

''جی بہتر۔''

خان باہر چلا گیا تو وجاہت نے شہلا کا نمبر ملایا۔

''ہیلو، ارے وجاہت صاحب! کہاں تھے آپ...... گزشتہ ہفتے تو میں آپ کو ٹیلیفون کرتی رہی مگر آپ نہیں ملے۔ خیریت تھی...... کہاں تھے آپ؟'' شہلا نے پوچھا تو وجاہت خوش ہو گیا کہ اس نے اس کی عدم موجودگی کو محسوس کیا ہے۔

''ہاں گاؤں میں ذرا زمینوں وغیرہ کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہاں گیا ہوا تھا...... تم سناؤ کیسی ہو؟''

''میں الحمد اللہ بالکل ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں؟''

''ہمارا تمہیں خیال ہوتا تو اب تک یوں تڑپا نہ رہی ہوتیں۔ خیر میں آج آ رہا ہوں۔ آج کی شام ہم ایک ساتھ گزاریں گے۔'' وہ بڑی لگاوٹ سے کہہ رہا تھا جبکہ وہ بیزار سی ہو کر سوچ رہی تھی کہ کیا جواب دے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے ہامی بھر لی۔

''ٹھیک ہے وجاہت...... یوں تو میں آج مصروف تھی مگر خیر آپ کی خاطر یہ بھی سہی۔ او کے پھر ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ۔'' شہلا خدا حافظ کہہ کر واپس مڑی تو حسن جھاڑ پونچھ کر رہا تھا۔ اسے کچھ حیرت سی ہوئی۔ کیونکہ یہ اس کا کمرہ تھا اور اس کے کمرے میں کبھی کوئی ملازم نہیں آیا تھا۔ اور حسن وہ اس کی اجازت کے بغیر۔

''حسن......''

''جی باجی......؟''

''میں نے تمہیں کہا تھا اس کام کے لئے؟''

"نہیں جی باجی...... آپ میری باجی ہو، سارے گھر کی جھاڑ پونچھ کی تو میں نے سوچا کہ آپ کے کمرے کی بھی کر دوں۔ آپ کو برا لگا ہے تو آئندہ نہیں کروں گا۔"

اس کی بات پر کچھ دیر شہلا سوچتی رہی۔

"ہوں ٹھیک ہے...... جاؤ تم۔"

شہلا اس کے جانے کے بعد کتنی دیر تک سوچتی رہی کہ اب وجاہت کو کس طرح ٹالا جائے۔ مگر جب وجاہت آ گیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وجاہت کے ساتھ جانا پڑا۔ وجاہت کا اصرار تھا کہ ڈنر باہر کیا جائے مگر شہلا اس بات کے لئے قطعی تیار نہیں تھی۔

"اچھا بابا چلو کافی تو پیو ناں۔" وہ اصرار کر رہا تھا تو شہلا کو بھی بار بار انکار مناسب نہیں لگا۔

"آپ بھی بہت ضدی ہیں...... چلئے۔"

ہوٹل میں کافی پیتے ہوئے دونوں خاموش تھے۔ وجاہت کی نگاہیں بار بار اس کے خوبصورت چہرے پر پڑتیں۔ وہ آج سیاہ پرنٹ سوٹ میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔

"شہلا!" اس کا نام پکار کر وہ خاموش ہو گیا تو شہلا کو کوفت ہونے لگی کہ بات کیوں نہیں کر رہا۔

"وجاہت صاحب! مجھے اس قسم کی پراسرار خاموشی ہرگز پسند نہیں۔ آپ کو جو کہنا ہے کہہ دیں۔" اس نے قدرے جھنجلا کر کہا۔

"میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔ اب تو سننا چاہتا ہوں۔ میں نے کچھ کہا پہلے تم سے۔ مگر تم یوں خاموش ہو جیسے......" وجاہت نے پھر اپنی بات دہرائی تو وہ چڑ گئی۔ مگر ابھی کسی قسم کے ردعمل کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے ضبط کر گئی۔

"وجاہت صاحب! ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور کوئی بھی کام سوچے سمجھے بغیر میں کرنے کی عادی نہیں۔"

"تم کب تک سوچو گی...... جب میں نہ رہوں گا؟" وہ جذباتی ہونے لگا۔

"ارے نہیں...... آپ کو کچھ نہیں ہوگا وجاہت صاحب! ابھی تو آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔" شہلا پُر خیال انداز میں کہہ رہی تھی۔ وہ کیا سوچ رہی ہے یا اس کو سب کچھ پتہ ہے یہ بات وجاہت کو معلوم نہیں تھی اسی لئے اتراتا بھی تھا۔

"مجھے اور کچھ کرنا ہو یا نہ کرنا ہو مگر شہلا مجھے تم سے شادی تو ہر حال میں کرنی ہے اور جلدی کرنی ہے۔ میں اب انتظار نہیں کر سکتا۔"

"اچھا بھئی...... اب زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ذرا میدان صاف کر لوں تب مناسب وقت دیکھ کر ابو سے بات کروں گی۔ آپ تو جانتے ہیں ابو اپنی کتاب کے سلسلے میں کس قدر مصروف رہتے ہیں۔ میں ان کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی۔ بس ذرا کتاب کا کام ہو جائے تو پھر آپ کو اجازت ہے۔" شہلا نے مصنوعی شرم طاری کرتے ہوئے کہا تاکہ وجاہت بد دل نہ ہو جائے اور اس کی بات پر وہ واقعی خوش ہو گیا۔

"تھینک یو شہلا!" وہ خوش دلی سے ہنسا۔ وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔



"امی جان! وہ شادی کے لئے ضد کر رہا ہے جبکہ اس غلط آدمی کو شرم نہیں آتی کہ دو بیویوں اور تین بچوں کو دھوکا دے رہا ہے۔ وہ مظلوم عورتوں کے حقوق غصب کر رہا ہے۔" گھر آ کر وہ امی کو ساری بات بتا کر وجاہت کا غصہ اتار رہی تھی۔ اسے اس قسم کے مردوں سے ہمیشہ نفرت تھی جو ایک ساتھ کئی کئی عورتوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خاص کر اپنے بیوی بچوں کو۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ بھی کبھی زندگی میں ایسا ہی کردار بن جائے گی اور ایک ایسا ہی کردار اس کی زندگی میں بھی آ جائے گا۔

"شہلا! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی بجائے اسے سمجھانے یا دھتکارنے کے اسے جھوٹی آس دلا رہی ہو۔ اسے بتا کیوں نہیں دیتیں کہ

اس کے بارے میں تم کو سب کچھ پتہ ہے۔"

"امی جان اپنا دامن آگ سے بچا لینا ہی تو دانش مندی نہیں ہوتی بلکہ خود غرضی ہے کہ اپنا دامن بچا لو باقی سب لوگ خواہ آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں۔ نہیں امی! میں ایسی خود غرضی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں اگر الگ ہو جاتی ہوں تو وجاہت میری طرف سے ہٹ کر کسی دوسرے حسین نظارے میں کھو جائے گا اور وہ مظلوم عورتیں اور بچے تو اسی طرح برباد ہو جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ اللہ کی مدد سے اس شخص کو ایسا سبق سکھاؤں کہ آئندہ بھی ایسی حرکت نہ کرے۔ آپ اس نیک کام کے لئے میرے لئے دعا کریں کہ اللہ مجھے ہمت دے۔" اس نے امی کے گلے میں بازو ڈال دیئے تو وہ دھیرے سے مسکرا پڑیں۔

"اچھا بیٹا...... خدا تمہاری مدد کرے۔" پھر وہ نماز کے لئے اٹھ گئیں اور شہلا انور کو فون کرنے لگی۔ اسی وقت حسن چائے لے کر اندر آ گیا۔

"ہاں ہیلو شائستہ بھابھی! کیسی ہیں آپ؟ انور بھائی کہاں ہیں؟"

انور کے نام پر حسن کے چلتے قدم رک گئے۔ کان کھڑے ہو گئے۔

"ہاں شہلا...... تمہارے بھائی تو ابھی گھر پر ہیں نہیں۔ تم گھر آ جاؤ ناں۔ جو باتیں کرنی ہیں یہیں بیٹھ کر کر لینا مجھ سے اور بچوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"اوکے بھابھی! ایسا ہی کر لیتے ہیں...... میں آ جاتی ہوں۔ کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔ وجاہت صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اسی سلسلے میں انور بھائی سے بھی بات کرنی ہے۔ چلیں میں آ جاتی ہوں۔"

"اور ہاں سنو شہلا! وہ حسن ہے ناں اس کو ساتھ لیتے آنا کیونکہ لان ذرا خراب ہو رہا ہے۔ ہمارا مالی ایک ہفتے کی چھٹی پر ہے۔ وہ ذرا پانی دے لے گا۔"

"ٹھیک ہے بھابھی...... میں حسن کو لیتی آؤں گی۔ اچھا خدا حافظ۔" شہلا نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھا اور حسن کی جانب مڑی جو بہانے سے وہاں کھڑا باتیں سن رہا تھا۔

"ہاں بھئی حسن! فارغ ہو؟ آج انور بھائی کے ہاں جانا ہے۔"

"جو حکم باجی...... میں تو تیار ہوں۔"

"چلو پھر گاڑی نکالو۔ میرا خیال ہے اب تمہاری تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے کیونکہ اب تم میرے ڈرائیور بھی ہو۔" شہلا اس سے بہت خوش تھی۔

"نہیں باجی! مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں۔ میں نے دیکھا ہے آپ بہت پڑھی لکھی ہیں۔ آپ مجھے پڑھا دیا کریں۔ میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" حسن کی جو ڈیوٹی تھی باپ اور وجاہت کی طرف سے وہ ادا تو کر رہا تھا مگر جب بھی وہ کوئی ایسی حرکت کرتا اسے خلش سی محسوس ہوتی تھی۔ دوسرا وہ پڑھائی کا دیوانہ تھا، اس کے لئے اسے یہ ملازمت ہی کرنا پڑی۔ مگر چونکہ کام میں اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ وہ پڑھائی کرتا اور پڑھائی کے لئے کسی استاد کی ضرورت تھی اور اس حیثیت سے اسے شہلا سے بڑھ کر کوئی نظر نہ آیا۔

"ارے تم پڑھنا چاہتے ہو؟" آج پہلی بار حسن نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو شہلا کو بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔

"جی ہاں باجی...... میں تو پڑھنا چاہتا ہوں مگر بابا کہتے ہیں وہ اکیلے گھر کا خرچ پورا نہیں کر سکتے تو مجھے......"

"ارے حسن! یہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں تمہیں ضرور پڑھایا کروں گی۔ اور تم اب زیادہ کام نہیں کرو گے۔ فی الحال تو چلو۔ پھر آ کر پروگرام بناتے ہیں۔" شہلا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باجی! وہ میں ذرا مارکیٹ سے ہو آؤں...... سر جی نے پھولوں کے بیجوں کے لئے کہا تھا وہ لے آؤں۔" حسن کو ضروری کام یہ کرنا تھا کہ انور اور شہلا کی میٹنگ کے بارے میں بتانا تھا اس لئے وہ جلدی سے باہر آ گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد وہ وجاہت کو باخبر کر کے واپس آ گیا تو شہلا انور کے ہاں جانے کو بالکل تیار تھی۔ حسن کے آتے ہی وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

◆......◆

''گاڑی باہر ہی روک لو حسن...... لگتا ہے کوئی اور مہمان بھی آیا ہوا ہے۔'' اندر کسی اور کی گاڑی دیکھ کر شہلا نے گیٹ سے باہر گاڑی روکی اور سفید ساڑھی کا پلو سنبھالتی اندر آ گئی تو اس کے قدم جہاں تھے وہیں جم گئے۔ کیونکہ وہاں انور اور وجاہت صوفے پر خاصے قریب قریب بیٹھے تھے۔ وہ سن سی ہو گئی۔ اسے یہ منظر قطعی پسند نہیں آیا۔ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ اس وقت تو انور کا کردار بھی دھندلا سا گیا...... اسے ایسا لگا جیسے انور نے جان بوجھ کر وجاہت کو بلایا ہو۔ یہی بات اس نے شائستہ سے پوچھی۔

''اے نہیں شہلا...... میں تو اس شخص سے اتنی چڑتی ہوں کہ اس کا اپنے گھر میں داخلہ ممنوع کیا ہوا تھا۔ مگر آج بڑے عرصے بعد اچانک ہی آ گیا ہے۔ خود انور بڑے حیران ہیں۔ اسی نے انور کا دماغ بھی خراب کر دیا تھا۔ وہ تو خدا کا احسان عظیم ہے کہ اس کی پاک ذات نے ان کو راہِ راست پر ڈال دیا ورنہ تو میں بڑی پریشان تھی ان کی وجہ سے۔''

''پھر یہ آج ہی کیوں آیا بھابھی! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آج تو ہم نے اہم باتیں کرنی تھیں۔'' شہلا پریشان ہو رہی تھی

وجاہت کے آ جانے کی وجہ سے وہ شائستہ کے پاس بیٹھی رہی۔ جبکہ اندر وجاہت بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اور انور اس کی ہر ہر حرکت پر غور کر رہا تھا۔

''کیا بات ہے وجاہت......؟'' انور نے اس سے پوچھا تو وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ کچھ دیر انور کو دیکھتا رہا پھر مسکرانے لگا

''بھئی شہلا کا انتظار کر رہا ہوں...... ابھی تک آئی کیوں نہیں؟'' وہ ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔ انور بڑی حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''شہلا! تمہیں کس نے کہا ہے کہ شہلا آنے والی ہے؟'' انور کے اندر نجانے

کیوں خوف سا ابھرا۔

''کہنا کس نے ہے میرے یار...... دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دیکھنا وہ ابھی آتی ہی ہو گی۔ دیکھ لینا۔''

وجاہت کو جو اطلاعات ملی تھی اور اس کے تحت بڑے یقین اور وثوق سے کہہ رہا تھا۔ تب انور کو کچھ گمان سا گزرا کہ جیسے وجاہت کو اس ملاقات کے بارے میں پہلے سے اطلاع ہے۔''

''اچھا چلو...... آج ہم بھی دل کو دل سے راہ والی بات کو آزما دیکھتے ہیں۔'' انور کو غصہ آ رہا تھا مگر وہ اس پر کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''دیکھ لینا......'' وجاہت پھر یقین کے ساتھ بولا۔

''صاحب! آپ کو اندر بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔'' ملازم نے آ کر انور سے کہا تو وہ وجاہت سے معذرت کرتا ہوا اٹھ کر اندر آ گیا۔

''ارے شہلا تم......؟'' انور شائستہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی شہلا کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''جی میں...... جب آپ کو پتہ تھا کہ آج میری اور آپ کی میٹنگ ہے تو آپ نے اس کو کیوں بلایا؟'' شہلا نے چھوٹتے ہی شکوہ کر ڈالا۔

''ارے شہلا خدا کی قسم میں خود حیران ہوں کہ یہ آیا کیوں...... کافی عرصے بعد آیا ہے اور اچانک آیا ہے۔ ورنہ یہ اس کا معمول ہے کہ جب بھی آتا ہے فون کر کے آتا ہے۔ آج بتائے بغیر ہی آن دھمکا ہے۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے وجاہت کو اس میٹنگ کی خبر ہو گئی تھی اور وہ جان کر آیا ہے اور پتہ ہے مستقل کہہ رہا ہے کہ تم آؤ گی۔''

''اچھا...... وہ یہ کہہ رہا تھا؟'' شہلا کو حیرت ہونے لگی۔

''ہاں، تب ہی تو کہہ رہا ہوں کہ اسے کسی نے اس میٹنگ کی خبر کر دی تھی۔''

انور کو شبہ ہی نہیں یقین تھا کہ کسی نے یہ بات وجاہت تک پہنچائی ہے کہ انور اور شہلا

کی آج ملاقات ہو رہی ہے۔

''ویسے لگ تو کچھ ایسے ہی رہا ہے انور بھائی! لیکن کون ہے ایسا جاسوس؟'' شہلا حیرانگی سے سوچنے لگی۔

''حسن......'' انور نے فوراً ہی کہا تو وہ کچھ گومگو کی کیفیت میں انور کو دیکھنے لگی۔

''حسن...... میں سمجھی نہیں؟''

''دیکھو شہلا! تم مانو یا نہ مانو حسن تمہارے گھر میں وجاہت کے جاسوس کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ اعتبار نہ آئے تو براہِ راست حسن سے پوچھو۔ میری بات درست نکلے گی۔'' انور پورے یقین سے کہہ رہا تھا۔ اب تو شہلا بھی سوچنے لگی تھی۔

''بات تو آپ کی دل کو لگی ہے انور بھائی! ہو سکتا ہے کہ......''

''ارے بھئی میں یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں۔ یہ حسن جاسوس ہے وجاہت کا۔ ورنہ وجاہت کے دل میں اتنا ہمدرد دل نہیں کہ وہ کسی غریب کی مدد کرے۔ اس نے کتنے اصرار سے حسن کو رکھوایا ہے۔''

''نہیں انور بھائی! ویسے حسن تو بڑا معصوم سا بچہ ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ آج تو کہہ رہا تھا کہ وہ پڑھنا چاہتا ہے۔''

''ارے میری بہن! چہروں پر نہ جاؤ۔ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا...... ذرا احتیاط ہی کرنا مناسب ہے۔''

''اچھا چلیں میں اس پر نظر رکھوں گی۔ ایسا کرتے ہیں اب میں چلی جاتی ہوں۔ آپ وجاہت کو اسی خوش فہمی میں رہنے دیں کہ میں آؤں گی۔'' شہلا اب وجاہت سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''بالکل، میں بھی یہی بات کہنے والا تھا کہ تم چلی جاؤ۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ وجاہت کے تاثرات سے اندازہ ہو جائے گا کہ اسے پتہ تھا کہ نہیں۔''

اور پھر شہلا باہر سے واپس چلی گئی۔ انور پھر وجاہت کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وجاہت بار بار گھڑی میں وقت دیکھ رہا تھا۔ انور مسکرا رہا تھا۔

''لگتا ہے آج دل کی راہیں جدا ہو گئی ہیں۔''

''کیا مطلب......؟'' وجاہت نے برا سا برا منہ بنایا۔

''بھئی مطلب یہ ابھی تک تو شہلا آئی نہیں۔ کیا خیال ہے، فون کر کے معلوم کروں کہ اگر اس کو آنا تھا تو کیوں نہیں آئی؟'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا اور پھر وہ واقعی شہلا کا نمبر ملانے لگا۔

''ہاں، ہیلو شہلا...... کیسی ہو بھئی...... کئی روز ہو گئے تم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی...... اچھا اچھا...... سر کی کتاب کے سلسلے میں مصروف ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ...... ہاں ہاں بھئی، سنا تھا تم آ رہی ہو ہمارے گھر...... تمہاری بھابھی نے تمہاری پسند کی ڈش بھی بنا لی...... کیا کہا کس سے سنا ہے؟''

انور نے بات کرتے کرتے مڑ کر وجاہت کی طرف دیکھا جو سگریٹ کے گہرے کش لے کر دھوئیں سے فضا کو آلودہ کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے کے عجیب سے تاثرات تھے۔

''ہاں بھئی...... وجاہت آیا ہوا ہے اور اس کا خیال تھا کہ تم نے آج میرے گھر آنا ہے۔ میں خود بھی حیران رہ گیا کہ میزبان کو خبر نہیں کہ اس کے گھر کون مہمان آ رہا ہے۔ نہیں بھئی، مجھے تو پتہ ہے کہ تم بے حد مصروف ہو...... آ نہیں سکتیں۔ چلو بھئی پھر کبھی سہی۔ وقت ملا تو میں ہی چکر لگا لوں گا۔ سر کی خیریت بھی تو معلوم کرنی ہے۔ اچھا او کے، خدا حافظ۔'' خدا حافظ کہہ کر انور نے ریسیور رکھ دیا اور پھر فاتحانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وجاہت کو دیکھنے لگا جو اب حسن کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے اسے غلط اطلاع فراہم کی تھی۔



''آپ میرا یقین کریں صاحب...... میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ میں خود شہلا باجی کو لے کر انور صاحب کے گھر گیا تھا۔'' حسن بیچارہ اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا مگر وجاہت کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بکواس بند کرو...... میں تم جیسے چھوٹے لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں جہاں سے ٹکڑے مل جائیں ناں تم لوگ تو اسی کے ہو رہتے ہو نمک حراموں!" وجاہت نے زوردار تھپڑ حسن کے منہ پر رسید کیا کہ وہ تڑپ اٹھا۔ خان بھی اپنی جگہ پر تپ کر رہ گیا۔

"اس کو چھوڑ دیں صاحب! ہم سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر نمک حرام نہیں۔ میں خود دیکھتا ہوں۔ اگر یہ غلط ہوا یا اس نے آپ کے ساتھ بے وفائی کی ہو گی تو میں خود اسے وہ سزا دوں گا کہ آپ خود دیکھ کر رہ جائیں گے۔"

"خدا کی قسم بابا! میرا اعتبار کریں۔ باوجود اس کے کہ باجی، صاحب اور بیگم صاحبہ میرے ساتھ بڑا پیار کرتے ہیں پھر بھی ان سے بے وفائی کر جاتا ہوں۔ مگر صاحب کے لئے کام کرتا رہتا ہوں میں۔ میں نے باجی اور انور صاحب کا فون سن لیا تھا پھر اسی وقت صاحب کو اطلاع کر دی۔ پھر باجی کو لے کر وہاں گیا۔ میں تو گاڑی میں بیٹھا رہا اور باجی اندر چلی گئیں۔" حسن کے لہجے کی سچائی کا خان کو تو یقین آیا ہی تھا وجاہت کو بھی اعتبار آ ہی گیا۔

"ٹھیک ہے...... تم جاؤ اور اپنا کام جاری رکھو۔ میں اس انور اور شہلا کو بڑی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ کوئی بہت بڑی چال چل رہے ہیں یہ۔ تم دونوں محتاط ہو کر رہنا۔"

"جی بہتر صاحب......" حسن اپنا چہرہ سہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"شہلا بیگم! تم تو اب میری ضد بن چکی ہو...... ہر صورت پوری کر کے چھوڑوں گا۔ اور انور! تمہیں تو ناکوں چنے نہ چبوائے تو کہنا۔" وجاہت نے اپنے ہی ہاتھ پر مکا مارا۔



حسن کے دل میں بغاوت آ چکی تھی۔ کیونکہ وہ باشعور لڑکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شہلا اور انور درست ہیں جبکہ وجاہت غلط ہے۔ وہ شہلا سے پڑھنے لگا تھا اور وہ بھی

اب اس کی ہر حرکت پر نگاہ رکھتی تھی۔

"حسن! یہ تمہارے چہرے پر نشان کیسا ہے جیسے کسی نے مارا ہو؟" شہلا نے اس کے گال چھوئے تو وہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"باجی! میں آپ سے...... کچھ کہنا چاہتا ہوں...... آپ میری باجی ہیں ناں؟" حسن نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شہلا کو سب کچھ بتا دے گا۔

"ہاں کہو حسن! میں تمہیں چھوٹا بھائی ہی سمجھتی ہوں...... دیکھو تمہیں جو کہنا ہے بلا خوف کہو۔" شہلا خود چاہتی تھی کہ کسی طرح حسن کو اعتماد میں لے کر پوچھے اور آج خدا نے وہ موقع فراہم کر دیا تھا۔ تب حسن نے اسے ساری بات بتا دی۔ اپنی غلطی بھی تسلیم کر لی۔

"باجی! خدا کی قسم...... اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں تو آپ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا کیونکہ میں آپ کو دھوکا دینا نہیں چاہتا تھا مگر وجاہت صاحب کے رویے نے مجھے بتا دیا کہ میں جن کی خاطر گناہ کر رہا ہوں، آپ کو دھوکا دے رہا ہوں وہی میرا نہیں تو میں آپ جیسی باجی اور سر جیسے انسان کو دھوکا کیوں دوں...... خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ہمت عطا فرمائی کہ میں آپ کو وجاہت کے بارے میں سچی بات بتا سکوں۔ اب آپ مجھے معاف کر دیں باجی۔" حسن نے باقاعدہ اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

"ارے نہیں حسن! جب خدا نے تمہیں ہدایت دے دی ہے تو میں تم کو سزا کیوں دوں...... دیکھو انسان کو ہمیشہ سچائی کا ساتھ دینا چاہئے وہ خواہ میں ہوں یا وجاہت ...... اب تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ کیونکہ یہ دو معصوم عورتوں اور تین معصوم بچیوں کی زندگی کے مستقبل کا معاملہ ہے۔"

"میں سمجھا نہیں باجی!" حسن واقعی اندر کی کہانی نہیں جانتا تھا۔ تب شہلا نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"آپ نے بڑا اچھا کیا باجی جو مجھے سب کچھ بتا دیا...... آج سے میں خدا کی قسم

کھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا چاہے میری جان چلی جائے۔"

"گڈ...... مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تو اس دوستی کی ابتداء ہم یوں کرتے ہیں کہ انور کے گھر چلتے ہیں۔ اب تو وجاہت کو فون نہیں کرو گے ناں؟" شہلا نے حسن سے مذاق کیا تو اس نے کان پکڑ لئے۔

"توبہ کریں باجی...... مر کر بھی نہیں۔"

"اچھا تو پھر ان کو کیا بتایا کرو گے؟"

"آپ فکر نہ کریں...... ان سے تو میں کچھ بھی کہہ لیا کروں گا مگر ساتھ تو انشاء اللہ آپ ہی کا دوں گا۔"

"تو چلو پھر گاڑی نکالو۔"



"دیکھ لو شہلا! میں نے کہا تھا کہ حسن میں گڑبڑ ہے۔" انور اس سے کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے انور بھائی! آپ کا خیال درست ثابت ہوا۔ مگر حسن غلط نہیں ہے۔ بڑے کام کا بندہ ہے۔"

"اعتبار کرنے سے قبل سوچ لو۔"

"سوچ لیا ہے انور بھائی! انشاء اللہ اس لڑکے سے آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔" شہلا پُریقین لہجے میں حسن کی سچائی کا یقین دلا رہی تھی۔

"چلو خدا کرے کہ تمہارا یقین بحال رہے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا ہے؟ وجاہت کی دیوانگی کہاں ختم ہو گی؟"

"دیوانگی تو اس کی ظاہر ہے شادی پر ہی ختم ہو گی جو میں نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ ان بے خبر عورتوں کو باخبر کیا جائے کہ ان کا شوہر ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔ آئی ایم شور میں اس سے شادی نہیں کروں گی تو وہ کسی اور سے کر لے گا۔ وہ تو ہر حال میں برباد ہوں گی...... بچوں کی زندگی اور مستقبل برباد ہوں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس عیاش آدمی کو ایسا سبق دیا جائے کہ بس اللہ میاں جی اس کو ان مظلوم

لوگوں کے لئے اچھا کر دے۔" شہلا نزہت اور اس کی بچیوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی۔

"چاہتا تو میں بھی یہی ہوں...... کیونکہ میں دیکھ کر آیا ہوں کہ نزہت اور اس کے بچوں کا کتنا برا حال ہے...... موصوف نے کبھی پلٹ کر ان کی خبر نہیں لی۔ حالانکہ نزہت نے بھی لو میرج کی تھی...... دیکھو میں پہلے وجاہت کو سمجھاؤں گا۔ مان گیا تو ٹھیک ورنہ......"

"ورنہ ہم ایک جعلی منگنی کا پروگرام بنائیں گے۔"

"جعلی منگنی...... میں سمجھا نہیں۔" انور کو واقعی شہلا کی بات بے تکی اور سمجھ میں نہ آنے والی لگی۔

"مطلب یہ انور بھائی کہ پہلے تو آپ وجاہت کو سمجھائیں کہ انسان بن جاؤ اور اپنے بیوی بچوں کے حقوق ان کو دو۔ اگر نہ مانے گا تو میں اس کے ساتھ جعلی منگنی کا اعلان کر دوں گی۔"

"اس سے کیا ہو گا؟ شہلا! سوچ لو، اس اقدام سے تم پھنس بھی سکتی ہو۔" انور نے مشورہ دیا۔

"انسان جب کسی اچھے کام کے لئے نکلتا ہے انور بھائی تو اسے راستے کی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے بھی کرنا پڑے گا۔ مگر میں اب پیچھے نہیں ہو سکتی۔ ان مظلوم لوگوں کو ان کے حقوق ضرور ملنے چاہئیں...... اس آدمی نے مجھے دھوکا دیا، بیوقوف بنایا ہے...... خود کو مجھ سے چھپایا ہے۔ صرف اپنی ایک شادی کو ظاہر کیا ہے۔ دوسری بیوی اور تین بچوں کے وجود سے منکر ہو گیا اور سب سے بڑھ کر جو اس نے میرے ساتھ جھوٹ بولا کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور یہ کہ باہر سے پڑھ کر آیا ہے۔ میں کوئی پاگل نہیں ہوں کہ اس بات پر اعتبار کر لیتی۔ علم تو اپنا وجود آپ منواتا ہے جبکہ اس کے ہر عمل ہر قول سے جہالت اور علم سے دوری کا احساس ہوا ہے۔ اس کی تو تعلیم بھی پرائمری ہے میں جانتی ہوں۔ بس مجھے

مرعوب کرنے کے لئے، خاص کر میرے ساتھ ہی بک اسٹال پر جاتا اور کتابوں کے ڈھیر خرید لیا کرتا تھا جبکہ مجھے یقین تھا کہ وہ ان کو کھول کر بھی نہیں دیکھتا ہو گا۔ اتنا بڑا جھوٹ اس نے میرے ساتھ بولا میں چپ رہی۔ برداشت کرتی رہی۔ لیکن اب میں اسے سچائی کے آئینے میں اس کا اصل چہرہ ضرور دکھا کر رہوں گی۔ یاد رکھے گا کہ کسی کو بیوقوف کیسے بنایا جاتا ہے۔" آج شہلا کو بہت غصہ آ رہا تھا وجاہت پر۔ بولتے بولتے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تسلی سے، حوصلے سے میری بہن...... اس طرح جذباتی ہو جاؤ گی تو مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا؟ جو کچھ کرنا ہے سکون سے کرنا۔ دیکھو میں اب میدان میں اترتا ہوں...... اور اس سے تمہارے متعلق رائے پوچھ کر سمجھانے کی کوشش کروں گا...... نہیں مانے گا تو پھر جعلی منگنی بھی کر لیں گے جس میں منگنی والے روز نزہت اور بچوں کو سامنے لے آئیں گے۔ ہو گی تو ذرا سی فلمی چویشن ہی مگر ایسے لوگوں کو بے نقاب کرنے کے لئے پہلے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے ناں۔"

پھر دونوں بیٹھے کتنی ہی دیر پروگرام بناتے رہے۔

"چلو ٹھیک ہے...... آج رات میں وجاہت کا مہمان بن جاتا ہوں۔ ہم اپنی کارروائی کا آغاز آج ہی سے کر دیتے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے...... نیک کام میں یوں بھی دیر نہیں ہونی چاہئے۔ چلئے میں چلتی ہوں پھر۔ اچھا بھابھی، خدا حافظ۔" شہلا پُرسکون سی شائستہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر آ گئی۔



اپنی مہم کے آغاز کے پہلے مرحلے میں انور وجاہت کے گھر گیا۔

"خیریت انور...... تم آج کیسے؟" وجاہت نے خاصی حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"یار وجاہت! ہم پرانے دوست ہیں اور ہم دونوں کا ایک دوسرے پر حق ہے۔ کچھ ضروری باتیں تم سے کرنی تھیں اس لئے میں آیا ہوں۔" انور سنجیدگی سے کہہ رہا

تھا۔ وجاہت بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا پہلے میں اچھی سی چائے بنواتا ہوں پھر بات کرتے ہیں۔" وجاہت اٹھ کر باہر گیا اور ملازم کو ہدایت کر کے آ گیا۔

"ہوں...... اب کہو کیا بات ہے؟"

"میرا خیال ہے دائیں بائیں کی باتیں کرنے سے بہتر ہے میں براہ راست تم سے بات کروں۔" انور نے تمہید کے لئے الفاظ چنے تو وجاہت مسکرانے لگا۔

"لگتا ہے کوئی اہم بات ہے۔" وجاہت کی حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ بات شہلا کے متعلق ہے۔

"ہاں...... بات بہت اہم ہے وجاہت اور ہے بھی شہلا کے بارے میں...... دراصل مسز سلیم شہلا کے لئے فکرمند ہیں۔ میں نے سوچا تم سے بات کر کے معلوم کر لوں تمہارے کیا ارادے ہیں اور کیا چاہتے ہو......؟" انور نے بغیر تمہید کہہ دیا تو وجاہت سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ انور نے خود بات شروع کر دی تھی ورنہ وہ خود سوچ رہا تھا کہ انور سے بات کرے کہ وہ سلیم صاحب سے اس کے لئے شہلا کے رشتے کی بات کرے۔

"دیکھو انور! تم میرے پرانے دوست ہو اور مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ شہلا مجھے پسند ہے اور میں اس کے ساتھ شادی کر کے رہوں گا ہر صورت میں، ہر حال میں۔" وجاہت نے مضبوط لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... تو تم نے شہلا کو اپنے بارے میں سب کچھ بتایا ہوا ہے؟"

"ہاں...... میں نے شہلا سے کچھ بھی نہیں چھپایا اس کو میں نے بتا دیا ہے کہ میں شادی شدہ ہوں۔"

"شادی شدہ ہو یہ تم نے اس کو بتایا ہے مگر یہ تو نہیں بتایا کہ تمہاری دو بیویاں اور تین بچے بھی ہیں۔" انور نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وجاہت غصہ سے اسے

دیکھنے لگا۔

"زیب میری خاندانی بیوی ہے...... میں نے اسی کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا ہے۔ نزہت اور بچے نہ میرے لئے اہم ہیں اور نہ ان کا ذکر کیا ہے۔" وجاہت نے سنگدلی سے کہا تو انور کو غصہ آ گیا۔

"نزہت تمہاری بیوی ہے۔ لو میرج کی ہے تم نے اس کے ساتھ۔ تمہاری تین بچیوں کی ماں ہے وہ۔ پھر ان کے وجود سے منکر کیوں ہو رہے ہو...... تمہیں معلوم ہے کہ اگر شہلا کو دوسری بیوی اور بچوں کا پتہ چل گیا تو کیا ہو گا؟" انور کو وجاہت کی بات سے بہت دکھ ہوا تھا۔

"میں شہلا کو خبر ہونے سے پہلے نزہت کی چھٹی کر دوں گا اور بچے بھی ساتھ ہی دے دوں گا۔" وجاہت سفاکی اور خود غرضی کی تصویر بنا کہہ رہا تھا۔ انور کو غصہ آ گیا۔

"اتنے ظالم نہ بنو وجاہت! نزہت شریف لڑکی ہے۔ اس نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا تمہاری چاہت میں اور......"

"مسٹر انور! یہ تمہیں نزہت سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے...... لگتا ہے محبت میں پھر ابال اٹھ رہے ہیں۔ چلو تم کر لینا اس کے ساتھ شادی۔"

"شٹ اپ وجاہت! تم خود غرضی میں اس حد تک گر سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ٹھیک ہے کسی زمانے میں، میں نے نزہت کو پسند کیا تھا۔ اس وقت میرا بھی دماغ خراب تھا لیکن اب خدا نے مجھے ہدایت بخش دی ہے۔ میں نزہت کی عزت کرتا ہوں، اس کے ساتھ اور اس کے بچوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ وجاہت! تم ایک وقت میں پانچ لوگوں کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ زیب، نزہت جو کہ تمہاری وفادار بیویاں ہیں...... تمہاری تین بیٹیاں ہیں جن کو آج تک تم نے ان کے حقوق سے محروم رکھا، ان کے حقوق کا استحصال کر رہے ہو اور اب ان کو ایک عورت کی خاطر بے آسرا کرنا چاہتے ہو...... یہ کہاں کا انصاف ہے یار! سوچو ذرا۔"

انور جذباتی انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ وجاہت کو غصہ آ رہا تھا۔

"یہ تم حقوق نسواں کے علمبردار کب سے بن گئے...... جو میری مرضی ہو گی وہی کروں گا۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔ اور خبردار جو شہلا کو ورغلانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" وجاہت نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

"حق کا ساتھ دینا نیکی ہے وجاہت! تم سوچ لو۔ نزہت کے ساتھ شہلا کو بھی دھوکا دے رہے ہو۔ شہلا پڑھی لکھی، باشعور لڑکی ہے۔ اسے پتہ چل گیا تمہاری اس حرکت کا تو وہ معاف نہیں کرے گی۔" انور کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں شہلا کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں شہلا کی ہر شرط مان لوں گا خواہ اس کے لئے مجھے نزہت کو چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔" انور کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وجاہت مان جانے والی چیز نہیں۔

"تم نجانے کیا چیز ہو وجاہت! جس لڑکی کو چاہتے ہو اپنے جال میں پھانس لیتے ہو...... حتیٰ کہ شہلا جیسی باشعور لڑکی بھی تمہارے جال میں پوری طرح پھنس چکی ہے اور وہ تم سے شادی کے لئے تیار ہے۔ اور ایک خوشخبری ہے تمہارے لئے کہ وہ جلد ہی تم سے منگنی بھی کرنے والی ہے۔" پروگرام کے تحت تیار کئے گئے اسکرپٹ پر انور بول رہا تھا۔

اس کی آخری بات سن کر وجاہت خوش ہو گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شہلا جو بظاہر اس سے اتنی لاتعلق نظر آتی ہے اس حد تک اس سے محبت کرتی ہے۔

"تم سچ کہہ رہے ہو انور......؟" وجاہت خوشی سے مسکرانے لگا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے...... جو اس نے کہا ہے وہ بتا دیا ہے۔"

"یار اگر ایسا ہو جائے تو میں احسان مند رہوں گا تمہارا۔" وجاہت ایک دم ہی بدل گیا۔

"اس میں میرے احسان کی کیا ضرورت ہے...... یہ ہو رہا ہے۔ او کے پھر میں

چلتا ہوں۔" انور پھر وہاں سے جلدی ہی اٹھ گیا اور وجاہت خوش کن خیال میں کھو گیا۔

♦......♦

"لو شہلا! ہمارے ڈرامے کا پہلا حصہ تو جاندار تھا۔ اب آئندہ کیا پروگرام ہے؟" انور اسے ساری رپورٹ دیتے ہوئے آئندہ کا پروگرام پوچھ رہا تھا۔

"ہوں...... تو انور بھائی اب ایسا کریں کہ آپ حویلی چلے جائیں اور نزہت کو صورتحال سے آگاہ کریں...... میں نے امی ابو کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس جعلی منگنی میں آپ لوگ ہوں گے، کوئی تیسرا بندہ نہیں ہوگا۔ مگر یہ سب کام اتنی ہوشیاری سے ہوں گے کہ وجاہت کو خبر نہیں ہونی چاہئے۔"

"ارے شہلا تم فکر ہی نہ کرو...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں خدا خود انسان کی مدد کرتا ہے اور توفیق بھی دیتا ہے۔ مجھے دیکھو میں وجاہت سے کم نہیں تھا مگر خدا نے ایسی ہدایت بخشی ہے کہ اپنے ماضی پر ندامت ہوتی ہے۔ اچھا چلو پھر اب حویلی جانے کا پروگرام بناتا ہوں۔ تم وجاہت سے منگنی وغیرہ کا پروگرام طے کرلو۔"

انور چلا گیا تو شہلا وجاہت کو فون کرنے لگی۔ وہ لائن پر تھا۔

"شہلا! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی جلدی مان جاؤ گی۔ تم نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔ یقین جانو میری تو نیند اُڑ گئی ہے۔ میں تو تمہیں بہت پتھر دل سمجھتا تھا۔" وہ بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔

"ارے وجاہت صاحب! ہم انسان ہیں ناں...... چہروں سے دھوکا کھا جاتے ہیں...... خیر اب میں آپ کو سمجھ چکی ہوں اس لئے میں نے امی ابو سے کہہ دیا کہ کم از کم منگنی تو کر دیں۔ وہ لوگ تیار ہو گئے ہیں اور......"

"شہلا منگنی کیوں...... شادی کیوں نہیں؟ اب بھلا انتظار کی عمر رہی ہے ہماری؟" وجاہت نے بڑے چاؤ سے کہا۔

"لڑکیوں کو منگنی کا شوق ہوتا ہے وجاہت صاحب! اور مجھے بھی ہے۔ اور پھر ہماری منگنی جلدی ہی ختم ہو جائے گی۔ میرا مطلب ہے شادی بھی تو جلدی ہو جائے گی۔"

"کب شہلا، کب...... مجھے جلدی سے شادی کی تاریخ بتاؤ۔" وہ بے تابی سے بولا۔

"یہ بات تو ابو سے کریں نا وجاہت! مجھے کیا خبر......؟" شہلا نے مصنوعی شرم طاری کی تو وجاہت شوخی سے ہنس پڑا۔

"اچھا چلو میں بات کرتا ہوں انکل سے۔"

"اچھا میں ذرا مصروف ہوں...... خدا حافظ۔" شہلا نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"شادی تو میں تم سے ضرور کروں گی وجاہت علی۔" وہ غصہ سے سوچتی اٹھ گئی۔

♦......♦

انور پہلی فرصت میں حویلی پہنچ گیا۔ نزہت کے نئے حالات سے اسے خاصی خوشی ہوئی تھی۔ اس نے نزہت اور زیب کو بٹھا کر ساری صورتحال سمجھا دی تھی۔ زیب تو اچھی خاصی طیش میں آ گئی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں یہ تیسری شادی کیسے کرتا ہے۔"

"زیب بہن! اس طرح کام بگڑ سکتا ہے۔ وہ اڑیل گھوڑے کی طرح چابک سے بدک کر قابو سے باہر بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں طریقے اور پیار سے اسے راہِ راست پر لانا ہے۔ آپ دونوں خدا سے دعا کریں اور ہمارے ساتھ تعاون کریں۔"

"انور بھائی! ہم آپ سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے...... آپ لوگ آج ہی میرے ساتھ شہر چلیں۔"

"اور شہر میں رہیں گے کہاں؟" زیب اور نزہت ایک ساتھ بولیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے زیب بہن! جب آپ کے بھائی کا گھر موجود ہے تو

پھر ایسا کیوں کہا آپ نے...... آپ لوگ میرے گھر میں میری بہنیں بن کر رہیں گی۔ پھر ڈرامے کے ڈراپ سین کے بعد دیکھیں کیا حالات ہوتے ہیں۔ بس آپ لوگ تیار ہو جائیں۔"

"چلو نزہت! خدا نے چاہا تو اب منزل دور نہیں۔" زیب کے کہنے پر نزہت کو بھی ہمت ہوئی اور وہ تیار ہونے چلی گئی۔



زیب اور نزہت بچوں کے ساتھ انور کے گھر پر تھیں۔ شہلا نے منگنی کا انتظام کر لیا تھا۔ اس روز شہلا اور وجاہت کی منگنی تھی۔ انور بڑا پیش پیش تھا۔ ہر کام کر رہا تھا۔ وجاہت تو بے حد خوش تھا۔ سلیم صاحب کو گوکہ یہ ڈرامہ پسند نہیں آیا تھا مگر چونکہ اس ڈرامے سے دو عورتوں اور تین بچوں کے مستقبل برباد یا آباد ہو سکتے تھے اسی لئے وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔

شہلا تیار ہو کر آ گئی تھی۔ وجاہت بھی سیاہ ڈنر سوٹ میں خوب جچ رہا تھا اور بے حد خوش تھا۔ وجاہت ہیرے کی انگوٹھی شہلا کی مخروطی انگلی میں پہنانے کے لئے بے چین تھا۔

"چلیں بھائی وجاہت صاحب! آپ انگوٹھی شہلا کے ہاتھ میں پہنا دیں یا پھر شائستہ تمہاری طرف سے پہنا دیں۔" انور نے وجاہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو انگوٹھی ہاتھ میں لئے پہنانے کے لئے بے چین تھا۔ ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ انگوٹھی خود پہنائے یا شائستہ کہ ایک دم سے دروازہ کھلا اور زیب اندر داخل ہوئی۔

"ان کو انگوٹھی کوئی اور نہیں، میں پہناؤں گی۔"

"زیب تم......؟" وجاہت پر ایک دم بجلی سی گری۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

"صرف زیب ہی نہیں، نزہت بھی۔ اور وجاہت علی! تین بچیاں بھی اس منگنی میں شریک ہوں گی۔" نزہت بھی اپنی بچیوں سمیت اندر داخل ہوئی تو وجاہت کا دماغ گھوم گیا۔

"یہ سب کیا بکواس ہے...... کیا ڈرامہ ہے؟" وہ انور کی طرف دیکھ کر دھاڑا۔

"یہ ڈرامہ نہیں وجاہت صاحب! حقیقت ہے۔ نزہت آپ کی بیوی اور یہ بچے آپ کے نہیں؟" شہلا بھی کھڑی ہو گئی۔ وجاہت نظریں چرا کر رہ گیا۔

"بولئے وجاہت صاحب! اگر ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں تو ابھی اور اسی وقت ان کو دھکے دے کر باہر نکال دیجئے۔ میری آپ سے منگنی کی یہی شرط ہے۔ چلئے آگے بڑھئے اور دھکے دے کر ان لوگوں کو یہاں سے نکال دیجئے ورنہ میں آپ سے ہر تعلق ختم کر لوں گی۔" وجاہت کو شہلا نے اس بری طرح گھیرا تھا کہ کوئی راہ فرار نظر نہیں آ رہی تھی۔ سوائے ڈھٹائی کے اس نے خود کو بے غیرتی کی حد تک ڈھیٹ بنا لیا اور پھر حقارت سے نزہت اور بچوں کو دیکھنے لگا۔

"میں اس عورت اور اس کے بچوں کو نہیں جانتا...... نجانے کون عورت ہے اور میرے ساتھ تعلق جوڑ رہی ہے۔ خان! دھکے دے کر اس عورت کو باہر نکال دو...... میں کہتا ہوں دھکے دکر باہر کرو اس کو اور اس کے بچوں کو۔" وجاہت انتہائی ڈھٹائی سے چیخ رہا تھا۔ کمرے میں موجود تمام لوگ اس کی ڈھٹائی پر غصہ ہو رہے تھے۔

"خان! تم نے سنا نہیں؟ تو میں خود اسے نکالتا ہوں۔" وجاہت نے بے غیرتی کی مثال قائم کرتے ہوئے خود آگے بڑھ کر دھکا دیا تو نزہت جس کی گود میں ندا تھی، گر پڑی۔ زیب اور شہلا نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

"وجاہت علی! تم اگر میرے شوہر نہ ہوتے تو خدا کی قسم اس قدر بے غیرت ہونے پر میں تمہارے سر پر اپنی جوتی اتار کر مارتی اور منہ پر تھوک دیتی۔ مگر مجبور ہوں...... یہ وہ عورت ہے جس سے تم نے محبت کی شادی کی۔ یہ تینوں بچے تمہارے ہیں۔ یہ وہی ندا ہے جس کے گم ہو جانے پر تم اصل باپ بن گئے تھے تھوڑی دیر کے لئے...... یہ عورت نزہت ہے جس نے ایثار اور وفا کی مثال قائم کی ہے۔ میری زیادتیاں برداشت کیں، تمہارے ظلم سہے مگر اُف تک نہ کی اور تم اس کے وجود سے انکار کر رہے ہو...... اپنے بچوں کے وجود سے انکار کر رہے ہو...... تف ہے تم پر۔"

زیب وجاہت کو بری طرح ذلیل کر رہی تھی۔ پھر شہلا آگے بڑھی۔ وجاہت کی طرف......

''وجاہت صاحب! آپ کی تو صرف ایک بیوی زیب ہے۔ کسی اور سے آپ کا کوئی تعلق واسطہ نہیں...... آپ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں ناں...... عورت کی بے حد عزت کرتے ہیں اور یہ کہ آپ تو بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں...... یہی کہا تھا ناں آپ نے اپنے بارے میں...... افسوس صد افسوس وجاہت صاحب! میں نے آپ جیسا مرد زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے میں ایسے بے اعتبار شخص کے ساتھ شادی کر لوں گی جس کی وفائیں ہی مشکوک ہیں جو نہیں جانتا کہ محبت کیا شے ہے...... آپ جیسا مجرم کون ہوگا وجاہت جس نے ایک ساتھ کئی عورتوں کو دھوکا دیا...... جو آج ان کو دھوکا دے سکتا ہے کیا کل کسی اور کی خاطر مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں ایسی پاگل نہیں ہوں وجاہت صاحب! کہ جانتے بوجھتے اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگاؤں گی۔ آپ تو اس قدر گرے ہوئے انسان ہیں کہ کچھ بھی پڑھا لکھا نہیں اور مجھ سے کہا کہ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن شاید آپ نہیں جانتے کہ تعلیم خود بولتی ہے...... علم کی اپنی پہچان ہوتی ہے...... میں تو آپ کو پہلے روز ہی پہچان گئی تھی کہ آپ کیا شے ہیں...... وجاہت صاحب! میری بات ہمیشہ یاد رکھئے گا، جھوٹ پر تعمیر کی گئی عمارت گر کر رہتی ہے۔ چلے جائیے، میرا آپ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔''

''تم...... تم...... میں تم سب لوگوں کو دیکھ لوں گا...... انور! تمہیں تو میں قتل کر دوں گا...... میں دیکھ لوں گا سب کو......'' دکھ، افسوس، شرمندگی کے احساس سے وجاہت پاگل سا ہو گیا۔ اس نے خان کو پیچھے ہٹایا اور خود ہی گاڑی تیزی سے چلا کر لے گیا۔

''خدا خیر کرے۔'' نزہت اور زیب کے دل سے دعا نکلی۔



غصہ میں وجاہت پاگل ہو رہا تھا۔ وہ فل اسپیڈ میں گاڑی چلا رہا تھا کہ اس کی گاڑی ایک ٹرک سے ٹکرا گئی۔ انور جو کہ اس کے پیچھے اپنی گاڑی لے کر آیا تھا، حادثے سے خوفزدہ ہو گیا۔ فوراً وجاہت کو ہسپتال لے گیا اور شہلا کو اطلاع دی۔ وجاہت اب آئی سی یو میں زندگی اور موت کی کشمکش میں پڑا تھا۔ نزہت اور زیب کا رو رو کر برا حال تھا۔ انور نے خود اپنا خون وجاہت کو دیا۔ شہلا بہت پریشان تھی کہ ڈرامہ اسی کا تیار کردہ تھا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو کتنا برا ہوگا۔

''میرے خدا! تُو تو نیتوں کا حال جانتا ہے...... میں نے یہ سب نیکی کے جذبے سے کیا ہے...... اپنے حبیبؐ کے صدقے میں وجاہت کو زندگی عطا فرما دے...... ان دو مظلوم عورتوں کے لئے، ان تین معصوم بچوں کے لئے۔'' وہ سجدے میں گری رو رو کر خدا سے وجاہت کے لئے دعائیں کر رہی تھی۔ پھر اٹھ کر نزہت کے پاس آ گئی۔

''آپ لوگ مجھ سے خفا نہ ہوں...... میں نے یہ سب تو آپ لوگوں کے لئے کیا ہے...... مگر کیا خبر تھی کہ ایسا ہو جائے گا...... میں بے حد شرمندہ ہوں زیب آپ لوگوں سے۔'' وہ ندامت کے احساس کے ساتھ زیب سے کہہ رہی تھی۔

''ارے نہیں شہلا! تم نے تو نیکی کی تھی۔ اب کس کو کیا خبر تھی کہ ایسا ہو جائے گا۔ بس اب تو خدا ہماری سن لے۔ وجاہت بچ جائیں تو خدا کا شکرانہ ادا کرتے نہیں تھکوں گی۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں، ان بچوں اور نزہت کا خیال ہے۔''

وجاہت کا خون بہت ضائع ہو گیا تھا۔ اب پھر خون کی ضرورت تھی۔ شہلا اور نزہت کا گروپ مل گیا تو دونوں نے اپنا خون پیش کر دیا۔ پھر ایک دن اور ایک رات نزع کی سی کیفیت میں گزری۔ گھڑی کی ٹِک ٹِک کے ساتھ ان کی خوفناک دھڑکنیں ہم آہنگ ہو رہی تھیں۔

چوبیس گھنٹوں کے بعد وجاہت کو ہوش آیا تو وہ سب سجدے میں گر گئے۔

''خدا! تیرا شکر ہے...... اتنا کہ جتنا میں ادا نہیں کر سکتی...... زیب! میرا خیال ہے کہ اب آپ اور میں چلتے ہیں۔ ایسے نازک حالات میں نزہت کو اور بچوں کو

وجاہت کے قریب رہنا چاہئے تاکہ وجاہت کو ان کی محبتوں کا احساس ہو اور دل کی کدورت ختم ہو جائے۔"

شہلا کی تجویز بڑی جاندار تھی۔ زیب کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ پھر زیب، شہلا اور انور چلے گئے۔ نزہت ہر وقت وجاہت کے قریب رہتی۔ وہ ذرا سی ہائے کرتا تو وہ جاں نثار انداز میں حاضر ہو جاتی۔ وہ دن رات وجاہت کی خدمت کر رہی تھی۔ وجاہت آہستہ آہستہ صحت یاب ہو رہا تھا مگر گم صم ہو گیا تھا۔ بہت کچھ اندر ہی اندر سوچتا رہتا مگر چپ رہتا۔ خدا نے شاید اب ہدایت کی روشنی عطا کر دی تھی۔ تب ہی تو اسے نزہت اچھی لگنے لگی تھی۔ بچوں پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا تھا مگر وہ اظہار نہیں کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی جھجک تھی۔ وہ الجھا ہوا رہتا تھا۔

"میرے خدا تمام عمر گمراہی میں گزار دی ہے...... اب مجھے معاف فرما دے...... ہدایت بخش دے...... ایسا بنا دے مجھے کہ میرے کسی عمل سے کسی کا دل نہ دکھے۔"

وہ بیڈ پر بیٹھا گڑگڑا کر رو رو کر خدا سے دعا کر رہا تھا۔ نزہت اندر آئی تو اس نے وجاہت کے پاؤں پکڑ لئے۔

"وجاہت! ہمیں معاف کر دیں... ہم سے بڑی بھول ہوئی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔"

"نزہت تمہاری جگہ قدموں میں نہیں دل میں ہے...... تم جیسی پارسا بیوی کے لئے دل میں جگہ ہوتی ہے۔ میں ہی برا ہوں کہ تمہاری قدر نہ کر سکا۔ بچوں کو لاؤ...... میرے بچے میری جان ہیں...... تم مجھے معاف کر دو۔" اس نے نزہت کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو وہ تڑپ اٹھی۔

"ایسا نہ کریں وجاہت! آپ تو میرے سرتاج ہیں۔"



وجاہت اب مکمل طور پر صحت یاب تھا۔ سب سے معافی مانگ رہا تھا۔ اس نے زیب سے بھی معافی مانگی۔ پھر زیب اور نزہت نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میلاد شریف،

قرآن خوانی کا انعقاد کیا۔ شہلا اور انور بھی شریک ہوئے۔ مگر وجاہت ان دونوں کا سامنا نہیں کر پا رہا تھا۔

"وجاہت صاحب! ایسی بھی کیا ناراضگی کہ بندہ سلام دعا سے جائے۔" شہلا نے وجاہت سے کہا تو وہ سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔

"شہلا میں بے حد شرمندہ ہوں اپنے جھوٹ پر۔" وہ ندامت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"ارے نہیں وجاہت صاحب! اگر صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ اور ہم نے بھی یہ جو کچھ کیا خدا کی قسم آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے کیا...... کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اگر میں نے اپنا دامن بچا لیا تو شاید آپ کسی اور طرف بھٹک جائیں گے اور وہ مظلوم لوگ پھر ویسے کے ویسے رہیں گے...... مگر خدا کا شکر ہے کہ اس کی پاک ذات نے آپ کو راہِ راست عطا فرما دی۔"

"میں بے حد احسان مند ہوں شہلا آپ کا اور انور کا۔"

اسی وقت انور اندر آیا اور وجاہت کے گلے سے لگ گیا۔

"اور ہم سب اپنے خالق اور مالک اللہ لاشریک کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں یہ خوشیاں عطا فرمائیں۔"

نزہت اور زیب وجاہت کے دائیں بائیں کھڑی ہو گئیں......

"اللہ پاک! تیرا شکر ہے...... ایسا سکون عطا فرمایا تیری پاک ذات نے۔"

تشکر کے کئی آنسو وجاہت کے رخساروں پر پھیل گئے اور پھر وجاہت زیب، نزہت اور بچوں کے ساتھ مل کر حویلی جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ شہلا اور انور کو بھی حویلی آنے کی دعوت دی۔

(ختم شد)